

معارف الحدیث

یعنی

احادیث نبوی کا ایک جلد اور جامع انتخاب
اُردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

جلد اول

کُنَّا بِالْأَمِينِ

تألیف

و رعتہ اللہ علیہ

مولانا محمد منظور نعمانی

اُردو بازار ایم ای جیل روڈ
کراچی پاکستان 021-2213768

دارُالاشاعت

کاپی رائٹ رجسٹریشن نمبر : 7117
جملہ حقوق بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

طباعت کمپیوٹر ایڈیشن : مارچ ۲۰۰۱ء
باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی
پریس : احمد پرنٹنگ کارپوریشن

﴿..... ملنے کے چنے.....﴾

بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت العلوم 20 نا بھ روڈ، پرانی اتارکلی لاہور
مکتبہ رحمانیہ ۱۸ اردو بازار لاہور
مکتبہ سید احمد شہید انکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور
مکتبہ رشیدیہ - مدینہ مارکیٹ، راجہ بازار راولپنڈی
الفیصل تاجران کتب اردو بازار لاہور

ادارۃ المعارف کورنگی کراچی نمبر ۱۳
ادارہ اسلامیات ۱۹۰، اتارکلی لاہور
ادارۃ القرآن 437/D کارڈن ایسٹ لسبیلہ کراچی
مکتبہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۳
کشمیر بک ڈپو، چنیوٹ بازار فیصل آباد
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

فکرتہ سنجاب راصلائے عام وہ
ازینے آئیے پیغام وہ

پیشکش

اُن سب اخوان دینی کی خدمت میں _____ جو
”نبی اُمّی“ سیدنا حضرت محمد عربی (فداہ اُمّی و اہل دُرُوحی و قلبی) پر
ایمان رکھتے ہیں

اور آپ کی ہدایت اور اُسوۂ حسنہ کی پیروی ہی میں اپنی اور تمام اولادِ آدم کی
نجات کا یقین کرتے ہیں
اور اسلئے آپ کی تعلیم اور طرزِ زندگی سے صحیح واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں
آئیے

علم و تہوہ رہی کے راستہ سے مجلسِ نبویؐ میں حاضر ہو کر
آپؐ کے ارشادات سنیں!

اور

اس چشمہٴ انوار سے

اپنے تاریک دلوں کے لیے روشنی حاصل کریں!

عاجز و عاصی

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

فہرست مضامین

- ۱ دیباچہ (از موکف) ۱۱
- ۲ دین میں حدیث و سنت کا مقام ۱۶
- ۳ مقدمہ (از مولانا حبیب الرحمن الاعظمی) ۱۷
- ۴ قرآن مجید نے رسول کا کام کتاب اللہ پہنچانا بھی بتایا ہے اور سکھانا بھی، اور حدیث و سنت کا بہت بڑا حصہ کتاب اللہ کی توضیح و تشریح ہی سے متعلق ہے ۱۷
- ۵ قرآن نے ”تعلیم کتاب“ کے ساتھ ”تعلیم حکمت“ بھی آپ کا فریضہ بتلایا ہے، اور قرآنی اشارات کے مطابق حکمت سے مراد سنت ہی ہو سکتی ہے ۲۲
- ۶ قرآن مجید نے اُسوہ رسول کا اتباع بھی اہل ایمان پر لازم کیا ہے ۲۵
- ۷ حدیث و سنت کے جُت ہونے کی ایک اور قرآنی دلیل یہ ہے کہ قرآن نے ”سبیل المؤمنین کے اتباع“ کو لازم کیا ہے، اور مؤمنین اولین کا طریقہ حدیث و سنت کو جُت ماننا تھا ۲۶
- ۸ منکرین حدیث کا یہ عجیب و غریب رویہ کہ تاریخ اُن کے نزدیک قابل اعتبار ہے، اور روایات حدیث قابل اعتماد نہیں ۳۲
- ۹ مستند کتب حدیث کے قابل اعتماد ہونے کی ایک روشن تاریخی دلیل، اور اس کے لئے مؤطا امام مالک کی مثال ۳۳
- ۱۰ مؤطا وغیرہ مستند جامع حدیث کو بے سرو پا کہنا قابل عبرت حماقت ہے ۳۵
- ۱۱ قرآن مجید کی بہت سی آیات کا مطلب بھی بغیر روایات کے نہیں سمجھا جاسکتا ۳۵
- ۱۲ خود قرآن میں ایسے متعدد احکام کا ذکر موجود ہے جو سنت کے ذریعہ آئے تھے، اُسکی چند مثالیں ۴۱
- ۱۳ منکرین حدیث کی غلطی کی بنیاد مقام رسول کی معرفت نہ ہونا ہے ۴۱
- ۱۴ رسول کا مقام از روئے قرآن ۴۰
- ۱۵ رسول اللہ صلعم کے ارشادات اور آپ کے اُسوہ حسنہ کا قیامت تک محفوظ رہنا ایک خداوندی انتظام ہے، اور ختم نبوت کے لوازم میں سے ہے ۴۵
- ۱۶ اصل کتاب کا آغاز یہ ۴۷
- ۱۷ صرف وہی عمل قابل قبول ہے جو اللہ کے لئے ہو ۴۹

- ۱۸ حدیث ”انما الاعمال بالنیات الخ“ کی تشریح.....
- ۱۹ اس حدیث سے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ..... ۵۰
- ۲۰ بہتر سے بہتر عمل بھی اگر بجائے اللہ کے دنیا کی عزت اور شہرت حاصل کرنے کے لئے کیا جائے گا، تو جہنم ہی میں لے جائے گا..... ۵۰
- ۲۱ شہرت کا طالب شہید، شہرت کا طالب عالم دین، اور شہرت کا طالب نخی، سب سے پہلے دوزخ میں جائیں گے..... ۵۰
- ۲۲ قرآن مجید میں مخلصوں اور غیر مخلصوں کی ایک مثال..... ۵۱
- ۲۳ اس دنیا میں فیصلے ظاہری عمل پر کئے جاتے ہیں، اور آخرت میں فیصلہ نیتوں پر ہوگا..... ۵۲
- ۲۴ اسلام، ایمان اور احسان..... ۵۴
- ۲۵ حدیث جبریل..... ۵۴
- ۲۶ اسلام کے اصل معنی اور اُسکی حقیقت..... ۵۶
- ۲۷ ارکان اسلام اور حقیقت اسلام کا باہم تعلق..... ۵۷
- ۲۸ ایمان کے اصل معنی اور اُس کی حقیقت..... ۵۷
- ۲۹ تمام ضروریات دین کو ماننا مومن ہونے کے لئے شرط ہے..... ۵۸
- ۳۰ اللہ پر، اسکے رسولوں اور اُسکی کتابوں پر، فرشتوں پر، قیامت اور تقدیر پر، ایمان لانا متعین طور سے شرط ایمان ہے..... ۵۸
- ۳۱ ان چھ چیزوں پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟..... ۵۹
- ۳۲ فرشتوں کے وجود پر ایک شبہ اور اُس کا جواب..... ۵۹
- ۳۳ مسئلہ تقدیر کو حل کرنے کے لئے ایک ضمنی اشارہ..... ۶۱
- ۳۴ ”احسان“ کی حقیقت..... ۶۱
- ۳۵ ”اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَمَا نَكَتَ تَرَاهُ الخ“ کا صحیح مطلب..... ۶۳
- ۳۶ ایک انتباہ (صفت احسان کا تعلق صرف نماز سے نہیں، بلکہ پوری زندگی سے ہے)..... ۶۳
- ۳۷ قیامت کب آئے گی؟ اس کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا..... ۶۴
- ۳۸ علامات قیامت..... ۶۵
- ۳۹ یہ حدیث حضور ﷺ کے آخری زمانہ کی ہے..... ۶۶
- ۴۰ اس حدیث میں بڑی جامعیت کے ساتھ پورے دین کا خلاصہ اور لب لباب آگیا ہے..... ۶۶
- ۴۱ ارکان اسلام..... ۶۷
- ۴۲ اسلام کے فرائض اور بھی ہیں، لیکن اُسکے ارکان یہی ”امور پنجگانہ“ ہیں..... ۶۷
- ۴۳ ارکان اسلام پر حجت کی بشارت..... ۶۸
- ۴۴ ایک بدوی (ضام بن ثعلبہ) کا بڑی سختی اور بدویانہ بے تکلفی کیساتھ رسول اللہ ﷺ سے

- ۲۸ اسلام اور ارکان اسلام کے متعلق سَوَال، اور آپ کا پورے وقار اور پیار کیساتھ جواب
- ۳۵ اثناء سفر میں ایک دوسرے اعرابی کا حضور ﷺ کے ناقد کی مہار پکڑ کے کھڑا ہو جانا،
- ۳۶ ”دوزخ سے دُور اور جنت سے قریب کرنے والی بات“ پوچھنا، اور آپ کا انتہائی شفقت کے
- ۷۱ ساتھ ارکان اسلام کی تلقین فرمانا
- ۷۲ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، معلم اور مربی ہیں، مصنف یا مؤلف نہیں ہیں
- ۷۵ ارکان اسلام کی دعوت میں ترتیب و تدریج
- ۳۹ حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن روانہ کرتے وقت دعوت اسلام کے متعلق حضور ﷺ کی خاص
- ۷۵ ہدایات
- ۷۶ اس موقع پر آپ نے ارکان میں سے صرف نماز اور زکوٰۃ ہی کا ذکر کیوں فرمایا؟
- ۵۱ حضرت معاذ کو آپ کی آخری نصیحت، کہ مظلوم کی بددعا سے بچنا، یعنی کبھی کسی پر ظلم اور
- ۷۷ زیادتی نہ کرنا
- ۵۲ رسول اللہ ﷺ کی حدیث، کہ مظلوم اگر فاسق، فاجر یا کافر بھی ہو جب بھی اُسکی بددعا رنگ
- ۷۸ لاتی ہے
- ۵۳ جو شخص دعوت پہنچ جانے کے باوجود رسول ﷺ پر ایمان نہ لائے، اور انکے لائے ہوئے دین
- ۷۸ کو نہ اپنائے، وہ نجات نہیں پاسکتا، اگرچہ وہ اہل کتاب ہی میں سے کیوں نہ ہو
- ۷۹ یہ مسئلہ اسلام کے قطعیات اور ہدایات میں سے ہے
- ۵۵ قرآنی آیت ”قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحبکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم“
- ۸۰ میں بھی اسی حقیقت کا اعلان کیا گیا ہے
- ۸۰ سچا ایمان و اسلام نجات کی ضمانت ہے
- ۵۷ غزوہ تبوک میں سامانِ خوراک کے ختم ہو جانے سے مسلمانوں کی سخت تشویش، اور بالآخر
- حضرت عمرؓ کے عرض کرنے پر رسول اللہ ﷺ کا دُعا فرمانا، اور معجزہ کے طور پر سارے لشکر
- کے لئے غذا کا سامان ہو جانا، اور اس پر خوش ہو کر خود رسول اللہ ﷺ کا کلمہ شہادت پڑھنا اور
- فرمانا، کہ: ”جو کوئی دل کے یقین کیساتھ یہ شہادت دے گا، وہ جنت سے نہیں روکا جائیگا“
- ۸۱ اس حدیث میں توحید و رسالت کی شہادت دینے پر جو جنت کی بشارت دی گئی ہے، اس کا کیا
- ۸۲ مطلب ہے؟
- ۸۲ اس حدیث کے دو ضمنی سبق
- ۶۰ خوارق (معجزات یا کرامات) کے ذکر سے جنکے دلوں کو بجائے انشراح کے انقباض ہوتا ہے،
- ان کے دل ایک بڑی بیماری کے بیمار ہیں
- ۸۳ حضرت عبادہ والی حدیث میں توحید و رسالت کی شہادت دینے والے پر آتش دوزخ حرام
- ہونے کا کیا مطلب ہے؟

- ۸۴ قریباً اسی مضمون کی حضرت معاذ کی روایت
- ۶۳ عبد بنو میں مسلمان اور غیر مسلم سب ”توحید و رسالت کی شہادت دینے“ یا لا الہ الا اللہ“ کا اقرار کرنے کا مطلب، اسلام قبول کرنا، اور اسلام کو اپنا دین بنالینا سمجھتے تھے، جیسے کہ ہماری زبان میں ”کلمہ پڑھ لینے“ کا یہی مطلب اب بھی سمجھا جاتا ہے
- ۸۸ حضرت ابوذر غفاری کی اُس حدیث کی تشریح جس میں فرمایا گیا ہے، کہ: ”جو شخص لا الہ الا اللہ کہہ کے اِس دُنیا سے جائے گا، وہ ضرور جنت میں جائے گا، اگرچہ اُسے زنا کیا ہو، اگرچہ اسنے چوری کی ہو“
- ۸۸ قریباً اسی مضمون کی حضرت عثمانؓ والی حدیث
- ۶۵ عتبہ بن مالک کی استدعا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُنکے گھر پر تشریف لے جانا، اور ایک سلسلہ کلام میں بعض تشدد پسند لوگوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمانا، کہ ”اِنَّ اللہ عزوجل قَدْ حَرَّمَ عَلَی النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہ، الخ“ اور اسکا مطلب
- ۸۹ حضرت ابوہریرہ کی مشہور طویل حدیث، کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنی نعلین مبارک بطور نشانی دے کر حکم دیا، کہ ”جو شخص بھی دل سے لا الہ الا اللہ کی شہادت دینے والا مجھے ملے، میں اُس کو جنت کی بشارت سنا دوں، مجھے سب سے پہلے حضرت عمرؓ ملے، جب میں نے ان کو یہ بشارت سنائی، تو انہوں نے مجھے اس سے منع کیا اور مارا، اور حضورؐ کے پاس واپس چلنے پر مجھے مجبور کیا، چنانچہ ہم دونوں حضورؐ کی خدمت میں پہنچے، پھر آپ نے بھی حضرت عمرؓ کی رائے کو مناسب سمجھ کر قبول فرمایا۔“ اس حدیث کی پوری تشریح، اور اسکے متعلق پیدا ہونے والے شبہات کا حل
- ۹۲ ایک اور اصولی بات، جس سے اس قسم کی تمام حدیثوں کا اشکال حل ہو جاتا ہے
- ۹۶ حضرت انس کی اُس حدیث کی تشریح، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ جس شخص کے دل میں کچھ بھی ایمان ہو گا وہ بالآخر دوزخ سے نکال لیا جائے گا
- ۹۷ یہ مضمون رسول اللہ ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے
- ۹۸ مرصیہ اور خوارج و معتزلہ کے خلاف اہل سنت کے اس عقیدہ کا واضح ثبوت، کہ بعض مسلمان اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے دوزخ میں ڈالے جائیں گے، لیکن کوئی بڑے سے بڑا گنہگار مسلمان بھی کافروں مشرکوں کی طرح ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا
- ۹۹ اسلام لانے سے پچھلے سب گناہوں کی معافی
- ۱۰۰ اس بارہ میں حضرت عمرو بن عاصؓ کی حدیث کی تشریح
- ۱۰۰ حضرت ابو سعید خدریؓ کی حدیث، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس معافی کی یہ شرط ہے کہ اسلام لانے کے بعد اُس کی زندگی بھی اچھی اسلامی زندگی ہو
- ۱۰۱

- ۷۵ ایمان لانے کے بعد جان و مال
معصوم و محفوظ ہو جاتے ہیں ۱۰۲
- ۷۶ حضرت عمرؓ کی حدیث: ”امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ الخ“ کا
مطلب و مقصد ۱۰۲
- ۷۷ جہاد اسلامی کا مقصد ۱۰۲
- ۷۸ اسی مضمون کی حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث، جو زیادہ واضح اور مفصل ہے ۱۰۳
- ۷۹ اسی سلسلہ کی حضرت ابن عمرؓ کی حدیث کی تشریح ۱۰۴
- ۸۰ حضرت انسؓ بن مالک کی حدیث کی تشریح، جس میں ”لا الہ الا اللہ“ کہنے کے ساتھ قبلے کی
طرف رخ کرنے اور مسلمانوں کا ذبیحہ کھانے کا بھی ذکر ہے ۱۰۴
- ۸۱ ان حدیثوں کے بارہ میں ایک شبہ اور اس کا جواب ۱۰۵
- ۸۲ ایمان و اسلام کی چند ظاہری نشانیاں ۱۰۶
- ۸۳ حضرت انسؓ کی حدیث ”من صلی صلوٰتہ و استقبل قبلتہ الخ“ ۱۰۶
- ۸۴ مسلمانوں کا ذبیحہ کھانا، اور نماز میں کعبہ کی طرف رخ کرنا، عین اسلام نہیں ہے، بلکہ ابتداء
اسلام کے خاص ماحول میں کسی شخص کے مسلمانوں میں سے ہونے کی یہ موٹی موٹی
علامتیں تھیں ۱۰۶
- ۸۵ اس بارہ میں بعض لوگوں کی ایک جاہلانہ گمراہی ۱۰۷
- ۸۶ مسلمان کسی گناہ اور بد عملی کی
وجہ سے کافر نہیں ہو جاتا ۱۰۷
- ۸۷ انسؓ بن مالک کی حدیث: ”ثلث من اصل الاسلام الکف عن من قال لا الہ الا اللہ لا
تکفرہ بذنب الخ“ کی تشریح ۱۰۷
- ۸۸ اگر کوئی شخص زبان سے کلمہ پڑھنے اور اپنے کو مسلمان کہنے کے باوجود ضروریات دین میں سے
کسی چیز کا منکر ہے، مثلاً قرآن مجید کے کتاب اللہ ہونے کا، یا قیامت کا انکار کرتا ہے، تو وہ
مسلمان نہیں ہے، اور حضرت انسؓ کی اس حدیث کا ایسے لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے ۱۰۸
- ۸۹ دین و ایمان کے شعبے اور اس کی شاخیں ۱۰۹
- ۹۰ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ”بضع و سبعون“ سے خاص ستر کے کا عدد مراد ہے، یا اہل
عرب کے محاورہ کے مطابق صرف بہتات اور کثرت کے لئے یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے ۱۰۹
- ۹۱ ”ایمان کے شعبوں“ کا کیا مطلب ہے؟ ۱۱۰

۱۱۱	ایمان کے بعض آثار و ثمرات ایمان کے	۹۲
۱۱۲	تکمیلی عناصر اور خاص شرائط و لوازم	
۱۱۳	ایمان کا ذائقہ اور اُس کا مٹھاس پانے کے شرائط	۹۳
۱۱۴	اللہ و رسول کی محبت، جس کو حدیثوں میں ایمان، یا کمال ایمان کی شرط قرار دیا گیا ہے، اُس سے کیا مراد ہے	۹۴
۱۱۵	دل کی خواہشیں جب تک نبوی ہدایات کے تابع نہ ہو جائیں، حقیقی ایمان نصیب نہیں ہو سکتا	۹۵
۱۱۶	اُس شخص کو ایمان نصیب نہیں جو دوسرے بھائیوں کے لئے وہی نہ چاہے، جو اپنے لئے چاہتا ہے	۹۶
۱۱۷	اس قسم کی حدیثوں میں ایمان کی نفی کا مطلب	۹۷
۱۱۸	ایمان کا افضل درجہ کیا ہے، اور کن اعمال و اخلاق سے وہ حاصل کیا جاسکتا ہے	۹۸
۱۱۹	کس شخص کا ایمان کامل ہے	۹۹
۱۲۰	ایمانی اعمال و احوال میں کون سے عمل اور حال زیادہ مضبوط اور پائیدار ہے	۱۰۰
۱۲۱	بغیر ایمان کے جنت نہیں، اور آپس کی محبت کے بغیر ایمان نہیں	۱۰۱
۱۲۲	مومن و مسلم وہ ہے جس سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے اور کسی جانی و مالی نقصان کا اُس سے کسی کو خطر نہ ہو	۱۰۲
۱۲۳	حضور ﷺ کا ارشاد، کہ: ”خدا کی قسم! وہ مومن نہیں جس کے پڑوسی اُسکے چال چلن سے مطمئن، اور اُس کی طرف سے بے خوف نہ ہوں“	۱۰۳
۱۲۴	پڑوسیوں کیساتھ اچھے سلوک کی سخت تاکیدیں	۱۰۴
۱۲۵	حضور ﷺ کا ارشاد کہ جس کا پڑوسی بھوکا ہو اور وہ خود اطمینان سے پیٹ بھر کر کھائے وہ مومن نہیں	۱۰۵
۱۲۶	حضور کا ارشاد، کہ ”جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں، اُسی کا ایمان زیادہ کامل ہے“	۱۰۶
۱۲۷	”لا یعنی“ (یعنی بیکار باتوں) سے پرہیز، اسلام کا حُسن ہے	۱۰۷
۱۲۸	بزرگانِ دین کے غلط کار اور ناخلف جانیشینوں کے خلاف جہاد بھی (حالات کے مطابق ہاتھ سے، یا زبان سے یا کم از کم دل ہی سے) ایمان کے شرائط اور لوازم میں سے ہے	۱۰۸
۱۲۹	اس حکمِ جہاد کا کیا مطلب ہے؟	۱۰۹
۱۳۰	حالات کے مطابق بُرائیوں کے روکنے اور اچھائی سے بدلنے کی کوشش بھی ایمان والوں کے فرائض میں سے ہے	۱۱۰
۱۳۱	امانتداری اور عہد کی پابندی ایمان کے لوازم میں سے ہیں	۱۱۱

- ۱۲۲ ایمان میں خرابی ڈالنے والے اعمال و اخلاق! ۱۲۵
- ۱۲۳ حضورؐ کے اس ارشاد کی تشریح، کہ ”غصہ ایمان کو اس طرح برباد کر دیتا ہے، جیسے کہ ایلو اشہد کو“ ۱۲۵
- ۱۲۴ حضورؐ کے اس ارشاد کی تشریح، کہ ”جو شخص ظالم کی مدد کیلئے اُس کے ساتھ جائے، وہ اسلام سے نکل گیا“ ۱۲۶
- ۱۲۵ دوسروں کے خلاف زبان درازی اور بدکلامی بھی ایمان کے منافی ہے ۱۲۶
- ۱۲۶ جھوٹ کی عادت ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی ۱۲۷
- ۱۲۷ حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث کی تشریح جس میں فرمایا گیا ہے کہ ”جب کوئی شخص زنا، چوری، شراب نوشی، جیسا گناہ کرتا ہے، تو اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا“ ۱۲۷
- ۱۲۸ بعض منافقانہ اعمال و عادات ۱۲۹
- ۱۲۹ حدیثوں میں جھوٹ اور خیانت وغیرہ بُری عادتیں رکھنے والوں کو جو منافق کہا گیا ہے، اس سے عقیدہ کا نفاق مراد نہیں ہے، بلکہ سیرت و عمل کا نفاق مراد ہے۔ اور مطلب یہ ہے، کہ ایسا آدمی اپنی سیرت اور عمل کے لحاظ سے منافق ہے ۱۲۹
- ۱۳۰ ایسی زندگی جس میں نہ جہاد کا عمل ہو، نہ جہاد کی تمنا، اور نہ اس کی فکر ہو، وہ ایک طرح منافقانہ زندگی ہے ۱۳۱
- ۱۳۱ وہ شخص جو وقت آجانے پر نماز کو نالتا رہے، اور آخر وقت میں جلدی جلدی نماز پڑھے، اُسکی نماز منافقوں والی نماز ہے ۱۳۱
- ۱۳۲ جو شخص اذان ہو جانے کے بعد بلا ضرورت مسجد سے چلا جائے، اور اس کا دایسی کا ارادہ بھی نہ ہو، وہ ایک طرح کا منافق ہے ۱۳۲
- ۱۳۳ دوسرے ایمان کے منافی نہیں، اور اُن پر مواخذہ بھی نہیں ۱۳۲
- ۱۳۴ ایمان و اسلام کا خلاصہ اور اس کا عطر ۱۳۴
- ۱۳۵ حضور ﷺ کے ارشاد ”قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَغْفِرُ“ کی تشریح، اور اس کی وضاحت کہ ان دو لفظوں میں اسلام کا پورا خلاصہ آگیا ہے ۱۳۴
- ۱۳۶ بعض ائمہ اور علماء محققین کی یہ رائے، کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات عموماً قرآن مجید سے ماخوذ و مستنبط ہوتے تھے ۱۳۶
- ۱۳۷ حضور ﷺ کے ارشاد ”الدين النصيحة الخ“ کی تشریح ۱۳۶
- ۱۳۸ تقدیر کا ماننا بھی شرط ایمان ہے ۱۳۷
- ۱۳۹ تقدیر کے مسئلہ میں بعض صحابہ کے باہم بحث اور حجت کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت غصہ ۱۳۹

- ۱۳۸ اور اُس کی وجہ
- ۱۳۹ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقدیر کے لکھے جانے کا کیا مطلب ہے
- ۱۳۱ اللہ تعالیٰ کے افعال و صفات کی تعبیر و بیان سے متعلق ایک اصولی نکتہ، جس سے بہت سے
- ۱۴۰ شبہ حل ہو جاتے ہیں
- ۱۴۲ کتاب تقدیر کے متعلق شاہ ولی اللہؒ کی ایک تحقیق
- ۱۴۷ تقدیر کے مختلف مدارج (شاہ ولی اللہؒ کی نہایت نفیس تحقیق و تنقیح)
- ۱۴۸ مسئلہ تقدیر سے متعلق بعض شبہات کا ازالہ
- ۱۵۱ مرنے کے بعد (برزخ، قیامت، آخرت)
- ۱۳۶ چند اصولی باتیں (جو بعد الموت کے سلسلہ کی حدیثیں پڑھنے سے پہلے سمجھ لینی چاہئیں، ان
- ۱۵۱ باتوں کو ذہن نشین کر لینے کے بعد انشاء اللہ کوئی شبہ پیدا نہ ہوگا)
- ۱۵۴ عالم برزخ میا عالم قبر
- ۱۳۸ اس شبہ کا جواب، کہ فرشتوں کا سوال جواب جب سب مُردوں سے ہوتا ہے، خواہ وہ زمین
- میں دفن ہوں، یا آگ میں جلائے جائیں، یا دریا میں بہائے جائیں، تو حدیثوں میں قبر کا لفظ
- ۱۵۴ کیوں استعمال کیا گیا ہے
- ۱۵۸ عذاب قبر کے متعلق بعض اور عامیانہ و جاہلانہ شبہوں کا جواب
- ۱۴۰ دفن کے بعد میت کی مغفرت اور سوال و جواب میں ثابت قدمی کی دعا کے لئے حضورؐ کا
- ارشاد حضرت سعد بن معاذ کے دفن کے وقت حضورؐ صلعم کا دیر تک سبحان اللہ اور اللہ
- ۱۵۹ اکبر کہنا، اور اُس کی خاص وجہ
- ۱۴۱ حضورؐ کا ایک خطبہ میں عذاب قبر کا ذکر کر سکر صحابہ کرامؓ کا چیخ اٹھنا
- ۱۴۲ مدینہ کی بعض پُرانی قبروں کے عذاب کا حضورؐ پر منکشف ہو جانا، اور آپؐ کا صحابہ کرامؓ کو خبر
- ۱۶۱ دینا
- ۱۴۳ عام انسانوں سے عذاب قبر کو مخفی رکھنے کی حکمت
- ۱۴۴ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو بطور خرق عادت کے قبر کے عذاب و ثواب کا مشاہدہ بھی
- ۱۴۵ کرا دیتا ہے۔ (حاشیہ)
- ۱۴۶ قیامت
- ۱۴۷ جن حدیثوں میں قیامت کا بہت قریب ہونا بیان فرمایا گیا ہے، ان کا کیا مطلب ہے؟
- ۱۴۸ قیامت کے معین اور مقرر وقت کا علم صرف اللہ کو ہے
- ۱۴۹ حضورؐ کا ارشاد کہ قیامت اُس وقت آئے گی، جب دنیا اللہ کی یاد سے، اور یاد کرنے والوں سے خالی
- ۱۶۵ ہو جائیگی

- ۱۵۰ رسول اللہ صلعم کی اُس حدیث کی تشریح، جس میں خروجِ دجال سے لیکر قیامت بلکہ میدانِ حساب میں جمع ہونے تک کے بعض واقعات کا ذکر فرمایا گیا ہے، اور اُسکے متعلق یہ اہم انتباہ کہ ہزاروں سال میں پیش آنیوالے واقعات کا یہ نہایت مجمل بیان ہے..... ۱۶۶
- ۱۵۱ زمین پر انسان جو اچھے بُرے عمل کرتے ہیں، قیامت میں اُن اعمال کے متعلق زمین گواہی دے گی..... ۱۷۰
- ۱۵۲ قیامت میں سورج کا قرب اور آدمیوں کا پسینہ ہونا..... ۱۷۱
- ۱۵۳ مرنے کے بعد ہر شخص کو اپنی زندگی پر ندامت ضرور ہوگی..... ۱۷۲
- ۱۵۴ اللہ کے حضور میں پیشی اور اعمال کی جانچ..... ۱۷۳
- ۱۵۵ احادیث میں قیامت کے حساب کتاب اور وہاں کے ہولناک منظر اور دوزخ کے لرزہ خیز عذابوں کے ذکر کا مقصد..... ۱۷۴
- ۱۵۶ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت میں مومن بندوں کی پردہ داری، اور منکرین و منافقین کی سر محشر رسوائی..... ۱۷۶
- ۱۵۷ رسول اللہ ﷺ سے حضرت عائشہ کا سوال، کیا قیامت میں آپ اپنے گھر والوں کو یاد رکھیں گے؟ اور آپ کا جواب کہ تین موقع ایسے سخت ہونگے، کہ اُن میں کوئی کسی کو یاد نہیں رکھے گا..... ۱۷۶
- ۱۵۸ قیامت میں حقوق العباد کا انصاف..... ۱۷۸
- ۱۵۹ میزانِ اعمال میں اللہ کے نام کا وزن..... ۱۷۹
- ۱۶۰ آسان حساب..... ۱۸۱
- ۱۶۱ ایمان والوں کے لئے قیامت کا دن کیسا مختصر اور ہلکا ہوگا..... ۱۸۱
- ۱۶۲ راتوں کو اللہ کیلئے جانگے والوں کا جنت میں بے حساب داخلہ..... ۱۸۲
- ۱۶۳ امت محمدیہ کہ بہت بڑی تعداد کا بے حساب جنت میں داخلہ..... ۱۸۳
- ۱۶۴ حوضِ کوثر، صراط اور میزان..... ۱۸۴
- ۱۶۵ کوثر کیا ہے؟ اور کہاں ہے؟ (تمہیدی نوٹ)..... ۱۸۴
- ۱۶۶ حضرت انس کے سوال پر رسول اللہ صلعم کا فرمانا کہ قیامت میں تم مجھے صراط یا میزان کے پاس، یا حوضِ کوثر پر تلاش کرنا، اُس روز میں ان تین مقامات سے دُور کہیں نہیں جاؤں گا..... ۱۸۵
- ۱۶۷ شفاعت (تمہیدی نوٹ)..... ۱۹۰
- ۱۶۸ شفاعت کی مشہور طویل حدیث..... ۱۹۱
- ۱۶۹ چند تشریح طلب باتوں کی تشریح..... ۱۹۳
- ۱۷۰ اُس حدیث کی تشریح جس کا مضمون یہ ہے کہ رسول اللہ اپنی اُمت کا انجام یاد کر کے ایک دفعہ روئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کو بھیج کر آپ کو اطمینان دلایا کہ اُمت کے بارہ میں

- ۱۹۷ آپ کو رنجیدہ اور ناخوش نہیں کیا جائے گا۔
- ۱۹۹ انبیاء کے علاوہ علماء، شہداء اور صلحاء بھی شفاعت کریں گے۔
- ۱۷۲ آپ کے امتوں میں بھی چند درجے کے شفاعت کرنے والے ہو گئے، جن کی شفاعت اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں گے۔
- ۲۰۰ دنیا میں صالحین سے محبت اور انکی خدمت، اپنی عملی کوتاہیوں کے باوجود مغفرت کا ذریعہ بنے گی۔
- ۲۰۱ جنت اور اسکی نعمتیں (تمہیدی نوٹ)
- ۲۰۱ آیات واحادیث میں جنت اور اس کی لذتوں اور نعمتوں کے ذکر کا مقصد
- ۲۰۷ اہل جنت کے لئے حق تعالیٰ کی دائمی رضا
- ۲۰۸ جنت میں دیدار الہی
- ۱۷۸ دیدار حق کی تمنا اور تڑپ ہماری فطرت اور ہمارے وجدان میں موجود ہے۔
- ۲۰۸ اگر یہ تمنا کبھی بھی پوری نہ ہو، تو ہم بڑی نعمت سے تشنہ اور محروم رہیں گے۔
- ۱۸۰ اس مسئلہ میں لوگوں کو عقلی شبہ محض ایک منطقی مغالطہ کی وجہ سے ہوتا ہے، ورنہ مسئلہ بالکل صاف اور سیدھا ہے۔
- ۲۱۱ اگر منکروں کی یہ منطق صحیح ہو، تو چاہئے کہ خدا بھی ہم کو نہ دیکھ سکتا ہو۔
- ۲۱۲ رویت باری کی حدیثیں تواتر کی حد کو پہنچی ہوئی ہیں، اور قرآن مجید سے بھی یہ مسئلہ ثابت ہے۔
- ۲۱۳ دوزخ اور اس کا عذاب (تمہیدی نوٹ)
- ۱۸۴ دوزخ کا کم سے کم درجہ کا عذاب! (اللہ کی پناہ) دوزخ کا ایک لمحہ کا عذاب بھی عمر بھر کے عیش و آرام کو بھلا دے گا۔
- ۲۱۵ عذاب کی کمی بیشی کے لحاظ سے دوزخیوں کے مختلف درجے۔
- ۲۱۶ دوزخ کے سانپوں بچھوؤں کا زہر۔
- ۲۱۷ ”غساق“ کی سزا ہند اور بدبو۔
- ۲۱۷ ”زقوم“ کیسی گندی اور زہریلی چیز ہے۔
- ۲۱۸ دوزخ میں خون کے آنسوؤں کا سیلاب۔
- ۲۲۰ جنت اور دوزخ کے بارہ میں ایک اہم انتخاب۔

دیباچہ

از مؤلف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جو بے حساب و بے شمار احسانات فرمائے ہیں اُن میں سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ ان کی صلاح و فلاح کے لئے نبوت و رسالت کا مقدس و مبارک سلسلہ جاری فرمایا اور جب جب انسانوں کو آسمانی ہدایت کی ضرورت ہوئی اُن ہی میں سے کسی بندہ کو اپنا نبی اور اُن کا ہادی بنا کر اپنی ہدایت کے ساتھ اُن میں بھیج دیا۔

انبیاء و مرسلین کی آمد کا یہ سلسلہ ہزاروں سال جاری رہا یہاں تک کہ خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس سلسلہ کو ختم فرمادیا گیا اور آپ کے ذریعہ وہ آخری اور مکمل تعلیم و ہدایت بھیج دی گئی جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کافی ہونے والی ہے۔

خداوندی تعلیم و ہدایت کا جو سرمایہ خاتم النبیین ﷺ کے ذریعہ دنیا کو ملا اُس کے دو حصے ہیں ایک کتاب اللہ، قرآن مجید جو لفظاً و معنی کلام اللہ ہے۔

دوسرے آپ کے وہ ارشادات اور آپ کی تمام قولی و عملی ہدایات و تعلیمات جو آپ اللہ کے نبی و رسول اور اُس کی کتاب کے معلم و شارح اور اُس کی مرضی کے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے امت کو دیتے تھے جس کو صحابہ کرام نے محفوظ رکھ کر بعد والوں کو پہنچایا اور بعد والوں نے اُس کو پورے سلسلہ روایت کے ساتھ کتابوں میں محفوظ کر دیا۔۔۔۔۔ آپ کی تعلیمات و ہدایات کے اس حصہ کا عنوان حدیث اور سنت ہے۔

رسول اللہ ﷺ تو اپنی عمر طبعی گزار کے اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق اس دنیا سے تشریف لے گئے لیکن انسانی دنیا کی ہمیشہ کے واسطے رہنمائی کے لئے اپنی لائی ہوئی تعلیم و ہدایت کے یہ دونوں حصے یعنی قرآن اور سنت اپنے پیچھے چھوڑ گئے، اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے (اپنے اپنے درجہ کے مطابق) ہر دور میں محفوظ اور روشن رہنے کے ایسے ظاہری و باطنی انتظامات فرمائے کہ غور و فکر کرنے والوں اور سمجھنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے وہ ایک بڑی نشانی اور خاتم الانبیاء ﷺ کے معجزوں میں سے ایک زندہ معجزہ ہے۔

انہی خداوندی انتظامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس دور میں کتاب و سنت کی جس قسم کی خدمت کی ضرورت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کے دلوں میں اُس کا داعیہ پیدا کر کے اُن کو اُس طرف متوجہ فرمادیتے ہیں۔۔۔ عہد نبوی سے لے کر اس وقت تک قرآن و حدیث کی خدمتیں جن جن شکلوں میں انجام دی گئی ہیں، اگر کوئی تفکر کی نگاہ سے دیکھے تو صاف نظر آئے گا کہ یہ جو کچھ ہوا ہر دور کی ضرورتوں کا ایک ”خداوندی انتظام“ تھا اور جن بندوں کے ذریعہ ہوا وہ گویا صرف آلہ کار تھے۔

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقان مصلحت را تہمت بر آہوئے جیلس بستہ اند

اس اجمال کی تفصیل اگرچہ بہت لذیذ اور ایمان افروز ہے مگر بہت طویل ہے اور اہل فہم کے لئے اتنا اشارہ ہی کافی ہے اس لئے اسی پر اکتفا کر کے عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہمارے اسی دور اور ہمارے ہی ملک میں اپنے بعض بندوں سے اُردو زبان میں قرآن مجید کی ایسی خدمتیں کرائیں جن کی اس دور میں خاص ضرورت تھی اور الحمد للہ کہ اُن بندگان خدا کی اُن محنتوں سے اُس وقت کی ضرورت پوری ہو گئی، اسی طرح اب سے قریباً بارہ برس پہلے (۱۳۳۷ھ میں) اس عاجز بندہ کے دل میں یہ خیال آیا کہ اس زمانہ کے خاص حالات و ضروریات کا لحاظ رکھ کر اُردو میں حدیث نبوی کی بھی ایک خدمت کی جائے اور اس کے لئے موجودہ کتب احادیث (صحاح یا مشکوٰۃ وغیرہ) میں سے کسی کی اُردو شرح لکھنے کے بجائے یہ زیادہ مناسب معلوم ہوا کہ احادیث نبویہ کا ایک متوسط درجہ کا جدید مجموعہ خاص اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر خود ترتیب دیا جائے اور اپنے زمانے کے عام تعلیم یافتہ مسلمانوں کی دینی، علمی اور ذہنی و فکری حالت اور عصر حاضر کے خاص علمی تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر عام فہم اُردو زبان میں حدیثوں کی تشریح کی جائے۔۔۔۔۔ چنانچہ اس کام کا ایک خاکہ اور معیار سامنے رکھ کر بنام خدا اُسی سال یہ کام شروع بھی کر دیا۔ اور کبھی کبھی ماہ وار رسالہ ”الفرقان“ میں اُس کے حصے ”معارف الاحادیث“ کے زیر عنوان شائع بھی ہوتے رہے۔

لیکن ان سالوں میں اس عاجز کے حالات مسلسل ایسے رہے کہ اس کام کی رفتار بہت سست رہی بلکہ درمیان میں زیادہ مدت اس حال میں گزری کہ میں اس کام کی طرف بالکل توجہ نہ کر سکا، یہاں تک کہ مجھے بالکل امید نہ رہی کہ میں اس کام کو کسی حد تک بھی پہنچا سکوں گا، لیکن کام لینے والے کا فیصلہ کام لینے کا تھا اس لئے بار بار کے انقطاع اور کئی کئی برس کے درمیانی وقفوں کے

باوجود کچھ نہ کچھ ہوتا رہا، یہاں تک کہ یہ پہلی جلد جو اس وقت شائع ہو رہی ہے، اب سے قریباً ڈیڑھ سال پہلے کسی طرح مکمل ہوئی، اس کے بعد نظر ثانی کے لئے فرصت کا انتظار رہا، خدا کے فضل و توفیق سے یہ کام بھی ہو گیا اور اس کے بعد کتابت و طباعت کے مرحلے بھی اس کے کرم نے آسان فرما دیئے۔

اللہ تعالیٰ نے اگر اس کتاب کی تکمیل کی توفیق بخشی تو میرے سوچے ہوئے خاکے اور اندازے کے مطابق یہ انشاء اللہ ایسی ایسی پانچ جلدوں میں ختم ہوگی۔

یہ پہلی جلد ”کتاب الایمان ہے“ اس میں صرف اُن احادیث کو درج کیا گیا ہے جن کا تعلق ایمان سے ہے۔۔۔ البتہ قیامت، آخرت، جنت اور دوزخ کے سلسلے کی احادیث کو کتب حدیث میں عام طور سے کتاب الایمان سے الگ درج کیا گیا ہے، اس عاجز نے یہ مناسب سمجھا کہ ان کو بھی کتاب الایمان ہی کا جزو بنایا جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا ہے اور اس جلد کی پوری نصف حدیثیں با بعد الموت یعنی برزخ و قبر اور قیامت و آخرت میں پیش آنے والے واقعات، حساب، کتاب اور جنت و دوزخ وغیرہ سے تعلق رکھتی ہیں، گویا یہ وہ حدیثیں ہیں جن سے ”ایمان بالیوم الآخر“ کی تفصیل و تشریح معلوم ہوگی۔

اس کتاب میں حدیثیں عام طور سے ”مشکوٰۃ المصابیح“ ہی سے لی گئی ہیں۔ صرف چند حدیثیں (شروع کے ۸۰ صفحات کے اندر ہی اندر) ایسی بھی ہیں جو مشکوٰۃ سے نہیں لی گئی ہیں بلکہ براہ راست اُن کتابوں سے لی گئی ہیں جن سے اُن کی تخریج کی گئی ہے، پس اس کتاب کی جو حدیث مشکوٰۃ میں نہ پائی جائے یا مشکوٰۃ کی مندرجہ کسی حدیث اور اس کتاب کی منقولہ حدیث کے الفاظ میں کوئی فرق یا کمی بیشی ہو تو سمجھ لیا جائے کہ یہ اصل کتاب سے براہ راست نقل کی گئی ہے۔

ناظرین کی سہولت کیلئے حدیثوں کو عنوانات کے تحت تقسیم کیا گیا ہے، غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ان میں سے اکثر عنوان احادیث کا مطلب و مقصد سمجھنے میں بھی ناظرین کی بہت کچھ مدد کرنے والے ہیں۔

کتاب چونکہ عام تعلیم یافتہ اردو خواں مسلمانوں کے لئے لکھی گئی ہے اس لئے حدیثوں کی ترتیب میں بھی بجائے درجہ روایت اور مرتبہ صحت کے اس کا لحاظ کیا گیا ہے کہ حدیثوں کا مقصد و مدعا سمجھنے میں ناظرین کو ترتیب سے بھی مدد ملے۔۔۔ تاہم حدیث کی کسی کتاب کا مطالعہ کرتے وقت یہ بات ہمیشہ ملحوظ رکھنی چاہئے کہ کتاب کے مرتب کرنے والے نے جس ترتیب سے

حدیثوں کو درج کیا ہے وہ اُس کی اپنی صوابدید ہے، ورنہ ہر حدیث بجائے خود ایک مستقل افادہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ حدیث کی کسی کتاب کے ایک ہی صفحہ پر اور ایک ہی عنوان کے تحت برابر برابر درج ہونے والی دو حدیثوں میں سے ایک زمانہ نبوت کے بالکل شروع کی ہو اور دوسری رسول اللہ ﷺ کے آخری زمانہ حیات کی ہو۔

اسی طرح حدیث کا مطالعہ کرنے والوں کو یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ زیادہ تر احادیث کی حیثیت یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے مجلسی ارشادات اور افادات ہیں یا آپ کے سامنے پیش ہونے والے سوالات کے جوابات ہیں یا کسی وقتی مسئلہ سے متعلق ہدایات اور تنبیہات ہیں، اس لئے اُس موقع و ماحول اور مخاطبین کے احوال و خصوصیات کو پیش نظر رکھ کر اُن کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے، اگر احادیث کی اس حیثیت کو پیش نظر نہ رکھا جائے اور مصنفین کی لکھی ہوئی کتابوں کی طرح ان پر بھی غور کیا جائے تو طرح طرح کی الجھنیں اور شکوک پیدا ہو سکتے ہیں اور اگر یہ نکتہ ملحوظ رکھا جائے گا تو انشاء اللہ کوئی الجھن اور کوئی وسوسہ پیدا نہ ہو گا۔

چونکہ اس تالیف کا اصل مقصد رسول اللہ ﷺ کی اُس تعلیم و ہدایت کی جو ذخیرہ حدیث میں محفوظ ہے اس زمانہ کے عام تعلیم یافتہ مسلمانوں کو پہنچانا اور سمجھانا اور اُن کے لئے اتباع نبوی کی راہ آسان کرنا ہے اس لئے متن حدیث کے ترجمہ میں نحوی ترکیب اور لفظی ترجمہ کی پابندی ضروری نہیں سمجھی گئی ہے بلکہ حدیث کے مقصد و مفہوم کا واضح کرنا پیش نظر رکھا گیا ہے اور اس واسطے ترجمہ و تشریح میں زبان بھی حتی الوسع آسان استعمال کی گئی ہے۔

جن حدیثوں کے بارے میں کسی طبقے میں کچھ غلط فہمیاں ہیں یا کچھ گمراہ کن لوگ اُن کے ذریعہ مسلمانوں میں کچھ غلط فہمیاں پیدا کرتے ہیں اُن کی تشریح میں اُن کے ازالہ کی خصوصیت سے کوشش کی گئی ہے مثلاً بعض حدیثوں میں صرف ”لا الہ الا اللہ“ کہنے پر جنت کی بشارت دی گئی ہے، یا کلمہ پڑھنے والے پر آتش دوزخ حرام ہونے کی خوش خبری سنائی گئی ہے۔ اسی طرح بعض حدیثوں میں ایسے شخص کی تکفیر سے منع فرمایا گیا ہے جو مسلمانوں کا بیچہ کھاتا ہو اور اُن کے قبلہ کو اپنا قبلہ مانتا ہو، اور اس کے برعکس بعض حدیثوں میں بعض گناہوں کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ ان کا کرنے والا مسلمان ہی نہیں اور ایمان میں اُس کا کوئی حصہ ہی نہیں۔۔۔ الغرض اس طرح کی مشکل اور شرح طلب حدیثوں کی تشریح اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی خاص مدد سے ایسی ہو گئی ہے کہ انشاء اللہ اس کے مطالعہ کے بعد کسی کے لئے مغالطہ کی گنجائش نہیں رہے گی، الا

یہ کہ کسی کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت اور راست روی مقدر رہی نہ ہو اور اُس کے واسطے کج روی ہی کا فیصلہ من جانب اللہ ہو چکا ہو۔

حدیث نمبر ۱ سے لے کر نمبر ۷۰ تک یعنی شروع کتاب سے صفحہ نمبر ۱۵۰ تک کسی عنوان کے تحت متن حدیث سے پہلے کوئی تمہیدی نوٹ نہیں لکھا گیا ہے نہ اس کی ضرورت سمجھی گئی ہے۔۔۔ لیکن آگے صفحہ ۱۵۱ سے آخر تک جو حدیثیں عالم برزخ، عذاب قبر، اور قیامت و آخرت سے متعلق ہیں اُن کی تفہیم کے لئے اصل حدیث سے پہلے جہاں جہاں تمہیدی اور تفہیمی نوٹ لکھنا ضروری معلوم ہوا ہے وہاں اس قسم کا نوٹ لکھ کر ناظرین کے ذہنوں کو صاف اور مطمئن کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ چنانچہ برزخ، قیامت، صراط، میزان، حوض کوثر، شفاعت، جنت، دوزخ اور دیدار خداوندی سے متعلق جو مفصل تمہیدی نوٹ ان غیبی حقائق کے سلسلہ میں اصل حدیثوں کے درج کرنے سے پہلے لکھے گئے ہیں امید ہے کہ ناظرین کے لئے انشاء اللہ وہ بہت زیادہ اطمینان اور ازدیادِ ایمان کا باعث ہوں گے۔

آخری گزارش

اپنے با توفیق ناظرین سے یہ ہے کہ حدیث کا مطالعہ خالص ”علمی سیر“ کے لئے ہرگز نہ کیا جائے بلکہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے کے لئے اور عمل کرنے اور ہدایت حاصل کرنے کی نیت سے کیا جائے۔ نیز مطالعہ کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عظمت و محبت کو دل میں ضرور بیدار کیا جائے اور اس طرح ادب و توجہ سے پڑھا جائے یا سنا جائے کہ گویا حضور کی مجلس اقدس میں حاضر ہیں اور آپ فرما رہے ہیں اور ہم سن رہے ہیں۔۔۔ اگر ایسا کیا گیا تو اس کے انوار و برکات انشاء اللہ نقد نصیب ہونگے۔

آپ سب کی دعاؤں کا محتاج اور طلبگار

عاجز و گنہگار بندہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۳ھ

مطابق ۲۵ فروری ۱۹۵۴ء

دین میں حدیث و سنت کا مقام

مقدمہ سے پہلے ان سطروں کو پڑھ لیجئے

جو نئی نئی گمراہیاں ہمارے اس زمانہ میں پیدا ہوئی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کچھ لوگوں نے جن کی آزادی پسند طبیعتوں کیلئے احکام شریعت کی پابندی سخت گراں اور شاق ہے یہ نعرہ لگانا شروع کیا ہے کہ --- دینی حجت بس قرآن ہی ہے، قرآن کے لایا والے رسول کا کام بس قرآن پہنچا دینا تھا، اب ہمارا کام بس قرآنی احکام کی تعمیل کرنا ہے اور اُس سے باہر اور اُسکے علاوہ کوئی چیز حجت دینی نہیں ہے، حتیٰ کہ رسول کا قول و فعل بھی دینی حجت اور واجب الاتباع نہیں ہے یعنی احادیث نبوی اور اسوۂ حسنہ رسالت پر کسی دینی مسئلہ اور کسی شرعی حکم کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔ اگرچہ واقعہ یہ ہے کہ کسی ہستی کو اللہ کا نبی و رسول مان کر اُس کی تعلیمات و ہدایات اور اُس کے اسوۂ حسنہ کو دینی حجت اور واجب الاتباع نہ ماننا اس قدر مہمل اور ایسی غیر معقول بات ہے کہ اگر اس کے کہنے والے خود اپنی آنکھوں سے نہ دیکھے ہوتے اور اُن کی یہ باتیں خود اُن سے نہ سنی ہوتیں تو اس کا یقین کرنا بھی دشوار ہوتا کہ کوئی پڑھا لکھا آدمی ایسی مہمل بات بھی کہہ سکتا ہے --- مگر کیا کیا جائے کہ دنیا کے اس عجائب خانہ میں جہاں اور بہت سے عجائبات ہیں اُن ہی میں سے ایک یہ اعجوبہ بھی ہے کہ بظاہر عقل و حواس رکھنے والے کچھ لکھے پڑھے لوگ سمجھ میں نہ آسکنے والی یہ بات بھی پورے زور سے اور چیخ چیخ کے کہہ رہے ہیں۔

اس فتنہ کو اپنی غیر معقولیت کی وجہ سے آپ اپنی موت مر جانا چاہئے تھا لیکن چونکہ اقوام مغرب کی سیادت و قیادت کی وجہ سے ہمارے اس زمانہ کی ہوا آزادی پسندی اور آوارہ مزاجی کے لئے ہمیشہ سے زیادہ سازگار بنی ہوئی ہے اس لئے یہ فتنہ نہ صرف زندہ ہے بلکہ کسی نہ کسی رفتار سے کچھ بڑھ ہی رہا ہے۔ ”معارف الحدیث“ جو ذخیرہ احادیث نبوی کا ایک انتخاب ہے --- جس کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور تعلیمات و ہدایات کو اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ اردو خواں طبقہ تک پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے --- مناسب سمجھا گیا کہ اس کے مقدمہ میں اس مسئلہ پر بھی کچھ روشنی ڈال دی جائے اس کے لئے ناچیز مؤلف نے اپنے علمی محسن اور استاذ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی سے استدعا کی، مدد و حوصلہ سے اس کو قبول فرمایا اور یہ مقدمہ تحریر فرمایا جو آئندہ صفحہ ۱۷ سے شروع ہو رہا ہے۔

مؤلف

مقدمہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بلاشبہ قرآن پاک دین و شریعت کی اصل و اساس ہے اور اللہ شرع میں وہی سب سے مقدم اور سب سے محکم ہے، مگر اس کا کام صرف اصول بتانا ہے، تفریع و تفصیل اور توضیح و تشریح حدیث و سنت کا وظیفہ ہے۔

ہر باخبر جانتا ہے کہ قرآن کریم امت کو بلا واسطہ رسول نہیں دیا گیا تھا کہ لو تم بذات خود یا اپنے ہی جیسے غیر نبی لوگوں کی مدد سے پڑھو اور سمجھو اور اس پر عمل کرو، بلکہ اس کے نزول سے پہلے ایک برگزیدہ رسول کو دنیا میں بھیج کر ان پر قرآن نازل کیا گیا اور یہ صرف اس لئے کیا گیا تاکہ لوگ اپنے اپنے طور پر نہیں بلکہ صرف رسول کے بیان اور تشریح کی روشنی میں اللہ کی اس کتاب کو سمجھیں، چنانچہ قرآن پاک ہی میں ارشاد ہے:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ
مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ
(النحل - ع - ۶)

اور نازل کیا ہم نے آپ کے پاس ذکر (کتاب کو) تاکہ آپ کھول کھول کر بیان کریں لوگوں کے واسطے اس چیز کو جو نازل کی گئی انکی طرف اور تاکہ وہ غور و فکر کریں۔

اور پھر قرآن ہی کے ذریعہ رسول کے فرائض اور ان کے منصب سے دنیا والوں کو آگاہ کیا گیا اور بار بار اعلان کیا گیا کہ یہی تم کو قرآن کے کلمات و حروف سنائیں اور یاد کرائیں گے اور یہی تم کو اس کے معانی و مطالب اور رموز و حکم بھی بتائیں گے، چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوا:

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ
يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ
وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ
(بقرہ - ع - ۱۸)

جیسا کہ بھیجا ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے کہ پڑھتا ہے تم پر ہماری آیتیں، اور پاک کرتا ہے تم کو اور سکھاتا ہے تم کو کتاب و حکمت اور سکھاتا ہے تم کو وہ باتیں جو تم نہیں جانتے تھے۔

دوسری جگہ فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ
بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ

بہ تحقیق احسان کیا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جبکہ بھیجا ان میں ایک رسول انہیں میں سے

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ
كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ
(ال عمران ۱۷)

کہ تلاوت کرتا ہے ان پر اُس کی آیتیں اور
پاک کرتا ہے ان کو اور تعلیم کرتا ہے ان کو
کتاب و حکمت اور بالیقین تھے وہ اس سے پہلے
گمراہی میں۔

تیسری جگہ ارشاد ہوا:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا
مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ
كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ
(جمعہ - ع - ۱)

وہی وہ ذات ہے جس نے بھیجا ان پڑھوں میں
ایک رسول انہیں میں سے کہ تلاوت کرتا ہے
ان پر اُس کی آیتیں اور ان کو پاک کرتا ہے اور
کتاب و حکمت کی ان کو تعلیم دیتا ہے بالیقین وہ
تھے اس سے پہلے کھلی گمراہی میں۔

ان تینوں آیتوں میں دو چیزیں الگ الگ ذکر کی گئی ہیں:

(۱) تلاوت آیات (۲) تعلیم کتاب

پہلی چیز یعنی تلاوت آیات کا مطلب تو ظاہر ہے، ہاں تعلیم کتاب کی نسبت غور کرنا ہے کہ
اس کی کیا مراد ہے؟ اگر اس کی مراد بھی قرآن پاک کے مرطوب و مرتب کلمات کو پڑھ کر سنانا اور
یاد کرانا ہی ہے تو یہ تلاوت آیات سے الگ کوئی چیز نہیں ہوئی، حالانکہ وہ اس سے الگ ذکر کی گئی
ہے۔ پس یقیناً اس سے مراد آیات کی تشریح، اس کے معانی و مطالب کی توضیح اور آیات کے
حکم اور احکام کا بیان ہے۔

پس جب قرآن ہی سے یہ معلوم ہو چکا کہ آنحضرت ﷺ کے فرائض رسالت میں جس
طرح الفاظ و کلمات قرآن کی تلاوت و تبلیغ ہے اسی طرح اُس کے معانی و مطالب کا بیان بھی
فرائض رسالت میں داخل ہے، تو لازمی طور پر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جس طرح متن قرآن حجت
ہے اسی طرح اس کی نبوی تشریحات بھی حجت اور واجب القبول ہیں، ورنہ آپ کو تعلیم کتاب کا
مكلف بنانا اور تعلیم کتاب کو آپ کا منصبی وظیفہ بتلانا بالکل بے معنی ہو گا۔۔۔ الغرض ان قرآنی
نصوص کی رو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے ”پیغام رساں“ ہونے کے ساتھ
اُس پیغام کے معلم اور مبین بھی ہیں۔

اور جب قرآنی نصوص سے آپ کا معلم و مبین قرآن ہونا ثابت ہو چکا تو جو شخص آپ کی
رسالت و نبوت پر ایمان رکھتا ہے جس طرح اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ آپ نے متن قرآن

کی تلاوت و تبلیغ فرمائی اسی طرح اس سے بھی انکار نہیں کر سکتا کہ آپ نے اس کی تعلیم و تمہین بھی فرمائی اور چونکہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اور آنحضرت ﷺ اُس کے آخری نبی ہیں اور اب کوئی نئی کتاب اور کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں ہے۔ اس لئے آخری کتاب کا اس کے نزول کے وقت سے رہتی دنیا تک ہر دور میں محفوظ و باقی رہنا ضروری ہے اور جب اس کی بقا ضروری ہے تو اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے اس حضرت ﷺ کی قوی و عملی تشریحات و توضیحات کا بھی ہر دور میں منقول و منقول اور موجود رہنا ضروری ہے۔

اب تک ہم نے جو کچھ عرض کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) قرآنی نصوص کی رو سے رسول خدا ﷺ قرآن کے معلم و شارح و مبین ہیں۔

(۲) آپ نے جس طرح متن قرآن کی تبلیغ کی اسی طرح اس کی شرح و تمہین بھی فرمائی۔

(۳) آپ کی تشریحات و بیان قرآن کا قرآن کے ساتھ ساتھ باقی رہنا ضروری ہے۔

اسکے آگے مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قرآن کی تعلیم دو طرح دی ہے:

آپ نے اپنے فعل و عمل سے بھی اس پر عمل کرنے کی صورت سکھائی اور اس کا مفہوم سمجھایا ہے اور اس کی قوی تشریح بھی فرمائی ہے عملی تشریح کی صورت یہ تھی کہ قرآن میں ایک حکم نازل ہوا آپ نے اُس حکم پر عمل کر کے لوگوں کو دکھا دیا جس کی وجہ سے الفاظ قرآن کا مفہوم بھی متعین ہو گیا اور جس بات کا حکم ہوا ہے اس کا عملی نقشہ بھی آنکھوں کے سامنے آ گیا، مثلاً قرآن پاک میں اقامتِ صلوٰۃ کا تاکید حکم نازل ہوا اور اُس کے ارکان اور بعض اجزائے ترکیبی (مثلاً قیام، رکوع، سجود، قرأت وغیرہ) کا ذکر بھی قرآن میں کیا گیا مگر ان اجزاء کو کسی خاص ترتیب کے ساتھ ادا کرنے کا بیان اور نماز کی پوری ترکیب اس میں کہیں ذکر نہیں کی گئی۔۔۔ پس ان اجزاء کو خاص ترکیب کے ساتھ باہم مربوط کر کے نماز قائم کرنے کی ایک خاص شکل آنحضرت ﷺ کے عمل سے متعین ہوئی۔

قرآن پاک میں ”اقِمْو الصَّلٰوةَ“ کا حکم دیکھ کر ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہونا ضروری ہے کہ اس حکم پر عمل کس طرح کیا جائے اور اقامتِ صلوٰۃ کا کیا طریقہ ہے؟ آنحضرت ﷺ کا ارشاد: صَلُّوْا کَمَا رَاَ بْتُمُوْنِیْ اَصْلٰی۔۔۔ تم جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اسی طرح نماز پڑھو گویا اسی سوال کا جواب ہے۔

نیز حکم ”اقِمْو الصَّلٰوةَ“ کی اس عملی تشریح کے علاوہ کبھی کبھی آپ نے اقامتِ صلوٰۃ کی ترکیب زبانی بھی ارشاد فرمائی ہے۔

اسی طرح مثلاً قرآن پاک میں حج کو فرض قرار دیا گیا مگر حج کا طریقہ اور ترتیب و اس کے ارکان و مناسک نہیں بیان کئے گئے تو آنحضرت ﷺ نے حج کر کے دکھا دیا کہ اس طرح اس فریضہ کی بجا آوری ہونی چاہئے اور اسی لئے کہ قرآن کی تشریح و تبیین صرف آپ ہی کے قول یا عمل سے ہو سکتی ہے حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات کے میدان میں جہاں سارے حجاج تھے اعلان فرمایا:

خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَمُ لَعَلِّي لَا
أَرَاكُمْ بَعْدَ عَامِي هَذَا

پھر قولی تشریح کی بھی دو صورتیں تھیں۔ ایک یہ کہ قرآن پاک کی کسی آیت کا ذکر یا اس کی طرف اشارہ کر کے اُس کی تفسیر یا اُس سے جو حکم مستنبط ہوتا ہے اُس کو بیان فرماتے تھے اور دوسری صورت یہ تھی کہ اپنے وہی علم اور فہم مخصوص کی بناء پر جو استنباط و استفادہ آپ نے قرآن کریم سے کیا اس کو آیت کا حوالہ دیئے اور اس کی طرف اشارہ کئے بغیر بیان کر دیتے تھے۔ پہلی صورت کی کثیر التعداد مثالوں میں سے صرف تین مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

(۱) آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن حضرت نوح کو حق تعالیٰ پکارے گا وہ کہیں گے، ”لَبَّيْكَ وَ سَعْدَيْكَ يَا رَبِّ“ خدا پوچھے گا تم نے ہمارا پیغام پہنچا دیا تھا؟ وہ جواب دیں گے، ہاں! اس کے بعد ان کی امت سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے پاس نوح نے ہمارا پیغام پہنچایا تھا؟ وہ کہیں گے ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، تب خدائے تعالیٰ حضرت نوح سے مخاطب ہو گا کہ تمہارے حق میں کون گواہی دے گا؟ وہ عرض کریں گے کہ محمد ﷺ اور اُن کی امت۔ اس کے بعد امت محمدیہ گواہی دے گی کہ حضرت نوح نے پیغام پہنچا دیا تھا اور امت کی گواہی کی تصدیق رسول کرے گا (یعنی میں کروں گا) آنحضرت نے یہ ارشاد فرمانے کے بعد فرمایا کہ حق تعالیٰ کے ارشاد: وَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا میں یہی بیان ہے (صحیح بخاری کتاب التفسیر، بروایت ابوسعید خدری)

(۲) حضرت عدی بن حاتم نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ اور الْخَيْطُ الْأَسْوَدُ سے دو دھاگے مراو ہیں؟ آپ نے فرمایا ”لَا بَلْ سَوَادُ اللَّيْلِ وَ بَيَاضُ النَّهَارِ“ نہیں بلکہ رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی مراد ہے (بخاری کتاب التفسیر)

(۳) حدیبیہ کے سفر میں حضرت کعب بن عجرہ کے سر میں بے انتہا جُوئیں پڑ گئیں تھیں۔

آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو فرمایا کہ میں نہیں سمجھتا تھا کہ تم اتنی تکلیف و مشقت میں مبتلا ہو گئے ہو، کیا ایک بکری تمہاں سکتے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں، تو آپ نے فرمایا کہ اچھا سرمنڈواؤ، اور تین روزے رکھ لو، یا چھ مسکینوں کو فی صاع کے حساب سے صدقہ دیدو (بخاری کتاب الفیر) اس واقعہ میں بظاہر آیت کا حوالہ یا اشارہ نہیں ہے مگر ”فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسْلٍ“ کا نزول چونکہ اسی واقعہ میں ہوا ہے اس لئے ہم نے اس مثال کو بھی اسی ضمن میں ذکر کیا۔

قرآن پاک کی قوی تشریح کی دوسری صورت میں احادیث نبویہ کا اکثر حصہ یا ان کی بہت بڑی تعداد داخل ہے، یہ دوسری بات ہے کہ ایسی حدیثوں کا قرآنی ماخذ اپنے علم و عقل کی کوتاہی اور قصور فہم کی وجہ سے ہماری سمجھ میں نہ آئے لیکن ایسی حدیثوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے جن کا قرآنی ماخذ تھوڑی سی توجہ اور تامل سے سمجھ میں آ جاتا ہے کم از کم دو مثالیں ناظرین اس کی بھی ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) رسول خدا ﷺ کا ایک ارشاد ہے:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يَكُونَ
هُوَ أَوْ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ
تم میں سے کوئی اس وقت تک صاحب ایمان
نہ ہو گا جب تک کہ اس کی خواہش اور رجحان
اس تعلیم و ہدایت کا تابع نہ ہو جائے جس کو
میں لایا ہوں۔

اسکی نسبت بہت آسانی سے سمجھ میں آتا ہے کہ یہ ارشاد قرآن کی حسب ذیل آیتوں سے مستفاد ہے

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ
يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا
يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا
قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا
(النساء. ع ۹)

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا
قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ
لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ
(احزاب ع ۵)

اور کام نہیں کسی ایمان والے مرد کا اور نہ ایمان والی عورت کا جبکہ فیصلہ کر دیں اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا یہ کہ ان کو رہے اختیار اپنے اس معاملہ میں (یعنی اللہ و رسول کے حکم

کے بعد ایمان والوں کا کام صرف تسلیم و اطاعت ہے اس کے موا کچھ نہیں)

(۲) اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً تَبْلُغَهُ إِلَى بَيْتِ اللَّهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ أَنْ يَمُوتَ يَهُودِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا
جو شخص زاد اور ایسی سواری پائے جو اس کو بیت اللہ تک پہنچا دے پھر بغیر حج کئے مر جائے تو اس پر کچھ مشکل نہیں کہ یہودی ہو کر مر جائے یا نصرانی ہو کر۔

(رواہ الترمذی عن علی و یزید ما رواہ الدارمی عن ابی امامہ)

اس کی نسبت خود ترمذی کی روایت میں اشارہ موجود ہے کہ یہ قرآن پاک کی آیت ”وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حُجُّ الْبَيْتِ الْآيَةِ“ سے مستنبط ہے مگر روایت میں چونکہ پوری آیت مذکور نہیں ہے اس لئے بہت سے لوگوں کو وجہ استنباط سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے، پوری آیت سامنے ہو تو اس کے آخری حصے سے صاف وہ تہدید مفہوم ہوتی ہے جو حدیث میں مذکور ہے، سنئے پوری آیت یوں ہے:

وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حُجُّ الْبَيْتِ مَنْ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ
اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا بیت اللہ کا ان پر جو استطاعت رکھتے ہوں اس کی طرف راہ چلنے کی اور جو کوئی کفر کا طریقہ اختیار کرے تو پھر اللہ پر واہ نہیں رکھتا جہاں کے لوگوں کی۔ (ال عمران ع ۱۰)

اس قسم کی اور بھی کثیر التعداد مثالیں پیش ہو سکتی ہیں، مگر اس وقت چونکہ ہمارا موضوع سخن یہ نہیں ہے اس لئے ان ہی دو مثالوں پر اکتفا کی جاتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ احادیث نبویہ کا اکثر حصہ قرآن پاک کی تشریح یا تفصیل یا اس سے استنباط ہے جو ”يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ“ اور ”لَتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ“ جیسے نصوص کے بموجب آنحضرت ﷺ کے فرائض رسالت میں داخل ہے اور یہی قرآنی نصوص و بینات ہم کو یہ بھی بتلاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ تشریحات و تفریعات اور استنباطات بھی واجب القبول اور واجب الاتباع ہیں۔ اس کے بعد قرآن کریم کی بیان کی ہوئی ایک اور حقیقت پر غور کیجئے۔

تعلیم حکمت

قرآن کریم نے تعلیم کتاب کیساتھ تعلیم حکمت بھی آنحضرت ﷺ کا ایک فریضہ بتایا ہے، یہ حکمت کیا چیز ہے؟ اس کو سمجھنے کے لئے فکر صحیح اور فہم سلیم کی ضرورت ہے۔ حکمت کی مراد

معلوم کرنے کے لئے سب سے پہلے خود قرآن پاک کی طرف رجوع کیجئے تو اس میں آپ کو ایسی متعدد آیات ملیں گی جن سے معلوم ہوگا کہ حکمت بھی ایک ایسی چیز ہے جس کو اللہ نے اتارا اور نازل کیا ہے، مثلاً سورۃ نساء میں ایک جگہ ارشاد ہے:

وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ
وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ
تَعْلَمُ ۖ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ
عَظِيمًا (النساء ع ۱۷)

اور نازل کی اللہ نے تجھ پر کتاب اور حکمت اور سکھایا تجھ کو وہ جو تو نہیں جانتا تھا اور ہے اللہ کا فضل تجھ پر بڑا۔

سورۃ بقرہ میں ایک موقع پر فرمایا:

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا
أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ
وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ

اور یاد کرو اللہ کی نعمت اپنے اوپر اور جو نازل کی تم پر یعنی کتاب اور حکمت نصیحت کرتا ہے اللہ تم کو اس کے ساتھ۔

(بقرہ ع ۲۹)

سورۃ احزاب کی ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی آیتوں کی طرح حکمت بھی ایک ایسی چیز ہے جس کی تلاوت ازواج مطہرات کے گھروں میں ہوتی تھی ارشاد ہے:

وَاذْكُرُوا مَا يُنْذِرُ فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ
آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ

اور یاد کرو اس کو جس کی تلاوت ہوتی ہے تم پر تمہارے گھروں میں یعنی اللہ کی آیتیں اور

(احزاب ع ۴) حکمت۔

سوال یہ ہے کہ ازواج مطہرات کے گھروں میں قرآن کی آیتوں کے علاوہ دوسری کیا چیز پڑھی جاتی تھی؟ اور آنحضرت ﷺ ان کو قرآن کے علاوہ کیا سناتے تھے؟

اس سوال کا صرف یہی ایک جواب ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کی حدیث اور آپ کی سنت تھی (یعنی آپ کے عام دینی نصائح اور دینی افادات وارشادات) اور چونکہ اس آیت میں حکمت کے ذکر کا (یعنی اس کو یاد کرنے اور یاد رکھنے کا) حکم ہے اس لئے اسی آیت سے حدیث و سنت کے یاد کرنے اور یاد رکھنے کا وجوب بھی معلوم ہو گیا اور یہ بات بھی تقریباً بدیہی اور مسلم ہے کہ علم و ذکر و حفظ مقصود بالذات نہیں ہیں بلکہ عمل کے لئے مقصود ہیں اس لئے اسی آیت سے حدیث و سنت پر عمل کا واجب اور مامور بہ ہونا بھی معلوم ہو گیا۔

اور جب سنت ہی کا دوسرا نام حکمت ہے تو اس سے پہلی آیتوں سے (جن میں کتاب کی طرح حکمت کو بھی منزل من اللہ فرمایا گیا ہے) ثابت ہوا کہ سنت بھی منزل من اللہ اور وحی خداوندی ہے۔

قرآن کے بعد جب ہم معلم قرآن ﷺ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو جس طرح قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے علاوہ ایک اور چیز بھی (جس کا نام حکمت ہے) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر اتاری ہے، اسی طرح معلم قرآن ﷺ کی تعلیمات بھی ہم کو یہی بتلاتی ہیں۔

أَلَا إِنِّي أُوتِيتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ

کہ مجھے قرآن عطا کیا گیا اور اُس کے ساتھ ایک اور چیز بھی اُس کے مثل دی گئی۔

(رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ والدارمی عن المقدم بن معد یکرہ)

کتاب و سنت کے انہیں نصوص کی بناء پر تمام ائمہ و علمائے سلف اس بات پر متفق ہیں کہ ”یعلہم الکتاب والحکمة“ اور اس طرح کی دوسری آیات میں جو حکمت کا لفظ وارد ہوا ہے اس سے مراد سنت ہی ہے اور سنت بھی وحی الہی کی ایک قسم ہے، چنانچہ علامہ ابن قیم کتاب الروح میں لکھتے ہیں:

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے رسول پر دو قسم کی وحی نازل کی اور دونوں پر ایمان لانا اور جو کچھ ان دونوں میں ہے اس پر عمل کرنا واجب قرار دیا اور وہ دونوں قرآن اور حکمت ہیں (اس کے بعد علامہ نے اس دعویٰ کے ثبوت میں وہی قرآنی آیات درج کی ہیں جو اوپر پیش کی جا چکی ہیں جن میں کتاب و حکمت کی تزییل و تعلیم کا ذکر اور ان کو یاد کرنے اور یاد رکھنے کا حکم ہے ان آیات کو درج کرنے کے بعد علامہ لکھتے ہیں): کتاب تو قرآن ہے اور حکمت سے باجماع سلف سنت مراد ہے، رسول نے اللہ سے پاکر جو خبر دی اور اللہ نے رسول کی زبان سے جو خبر دی دونوں واجب التصدیق ہونے میں یکساں ہیں یہ اہل اسلام کا بنیادی اور متفق علیہ مسئلہ ہے اسکا انکار وہی کرے گا جو ان میں سے نہیں ہے خود نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھے کتاب دی گئی اور اس کے ساتھ اسی کے

إِنَّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَلَى رُسُولِهِ وَحَبِيبٍ وَأَوْجِبَ عَلَى عِبَادِهِ الْإِيمَانَ بِهِمَا وَالْعَمَلُ بِمَا فِيهَا وَهِيَ الْكِتَابُ وَالْحِكْمَةُ وَقَالَ تَعَالَى ”وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ“ وَقَالَ تَعَالَى ”هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ“ وَقَالَ تَعَالَى ”وَأَذْكُرُونَ مَا يَنْتَلُونَ عَلَيْكَ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ“ وَالْكِتَابُ هُوَ الْقُرْآنُ وَالْحِكْمَةُ هِيَ السُّنَّةُ بِاتِّفَاقِ السُّلَفِ وَمَا أَخْبَرَ الرَّسُولُ عَنْ اللَّهِ فَهُوَ فِي وَجُوبِ تَصَدِيقِهِ وَالْإِيمَانِ بِهِ كَمَا أَخْبَرَ بِهِ الرَّبُّ تَعَالَى عَلَى لِسَانِ رَسُولِهِ هَذَا أَصْلُ مُتَّفَقٍ عَلَيْهِ

مثل ایک اور چیز بھی دی گئی (یعنی سنت)

بین اهل الاسلام، لا ینکرہ الامن
لیس منهم وقد قال النبی ﷺ
انی اوتیت الكتاب ومثله معه
(ص ۹۲)

اسوۂ رسول ﷺ

آنحضرت ﷺ نے قرآن پاک کی جو تشریح و تفسیر فرمائی اور وہ حکمت جو آپ پر نازل کی گئی
ہر مومن بالقرآن کے لئے ان دونوں کا واجب القبول ہونا آپ معلوم کر چکے، ان دونوں کے
علاوہ ایک تیسری چیز جس کی پیروی ہر مومن پر قرآن نے لازمی قرار دی ہے، وہ ہے پوری
اسلامی و مذہبی زندگی کا وہ نمونہ جو آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس میں جلوہ گر تھا۔ سورہ احزاب
میں ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ
حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ
وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ
كَثِيرًا (احزاب ع ۳)

اس آیت میں حق تعالیٰ نے زندگی کے ہر مرحلہ میں رسول خدا ﷺ کے نقش قدم پر چلنے
کا حکم ہم کو دیا ہے، ایسا نہیں ہے کہ صرف جنگ کی حالت میں اور پریشانی کے موقع پر آپ کے
صبر و ضبط کی مثال سامنے رکھنے اور فقط اس کی پیروی کرنے کی تلقین کی گئی ہو، جیسا کہ اس آیت
کے متعلق آج کل کے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے، اسلئے کہ اس کی تو کوئی کمزور سے کمزور
وجہ نہیں ہو سکتی کہ جنگ کے موقع پر تو آپ کا طرز عمل واجب الاتباع ہے مگر امن و صلح کے
موقع پر آپ کا طرز عمل لازم الاتباع نہیں ہے، یا باب جہاد میں تو آپ کی ذات میں ہمارے لئے
اسوۂ حسنہ ہے مگر اقامتِ صلوٰۃ وادائے حج کے باب میں آپ کی ذات میں ہمارے لئے کوئی قابل
پیروی نمونہ نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دوسری جگہ پر اس شخص کو جو خدا سے محبت کا دعویٰ کرتا ہو آنحضرت ﷺ
کی پیروی کا حکم بالکل عموم و اطلاق کے ساتھ دیا گیا، ارشاد ہے:

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي
يُحِبِّكُمْ اللَّهُ (ال عمران ع ۳)

کہئے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرے
پیچھے چلو، اللہ تم سے محبت کریگا۔

یہاں اللہ کی محبت کا معیار مطلقاً نبی کا اتباع قرار دیا گیا، اگر رسول کی ذات اسوہ عمل نہیں ہے اور قرآن کے ماننے والے اس کی پیروی کے مامور نہیں ہیں تو بتلایا جائے کہ اللہ نے اپنے نبی سے اپنی پیروی کرانے کو کیوں کہا؟

یہ کہنا تو عقل و فہم کی رسوائی کے سوا کچھ نہیں کہ ”میری پیروی کرو“ کا مطلب صرف اتنا ہے کہ میں جو قرآن سناتا ہوں بس اُس کو سن لو، اس لئے کہ اتباع یا پیروی یا پیچھے چلنے کا یہ مطلب دنیا کی کسی زبان میں نہیں ہوتا، ان الفاظ کے معنی تو کسی کے طرز عمل کی تقلید اور کسی کے طور طریقہ پر کاربند ہونے ہی کے آتے ہیں۔

مذکورہ بالا بیان سے ہر حق طلب اور حق پسند کے ذہن میں یہ بات اچھی طرح آگئی ہوگی کہ قرآن پر ایمان رکھنے والوں کو مجرد قرآن کے ماننے اور اپنے طور پر اس کو سمجھنے اور اپنے فہم کے مطابق اس پر عمل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے، بلکہ قرآن کے ساتھ حکمت کو بھی ماننے اور قبول کرنے اور اس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو اسوہ عمل قرار دینے کے بھی وہ مامور ہیں نیز قرآن پاک کو رسول سے بے نیاز ہو کر نہیں بلکہ انہیں کی تعلیم، تمہین اور تشریح کی روشنی میں سمجھنے کے وہ مکلف ہیں۔

جب یہ بات ذہن نشین ہو چکی تو اب سنئے کہ آنحضرت ﷺ نے قرآن پاک کی جو تمہین فرمائی اور تعلیم دی اور وہ حکمت جو آپ پر اتاری گئی، نیز آپ کی پوری زندگی جس کا مکمل نقشہ ان خوش قسمتوں نے ہمارے سامنے کھینچ کر رکھ دیا ہے جنہوں نے اس زندگی کا مشاہدہ کیا تھا انہیں تینوں چیزوں کا نام حدیث و سنت ہے۔ اور نصوص کتاب اللہ کی رو سے ان تینوں کے واجب القبول ہونے کا مطلب بالفاظ دیگر یہ ہے کہ قرآن، حدیث و سنت کو واجب القبول اور واجب الاتباع قرار دیتا ہے۔

حدیث کے حجت ہونے کی ایک اور قرآنی دلیل

حدیث حجت ہے یا نہیں؟ اور اس کو کوئی مسلمان نظر انداز کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ ایک اور طریقہ سے بھی ہو سکتا ہے اور وہ طریقہ بھی خود قرآن پاک کا بتایا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن پاک نے اتباع سبیل المؤمنین (مومنین اولین کے طریقہ پر چلنے) کو ضروری بتایا ہے، ارشاد ہے:

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ
اور جو کوئی خلاف کرے رسول کی بعد اس کے
کہ واضح ہو گئی اُس کے لئے ہدایت اور راہ

الْمُؤْمِنِينَ تُولِيهِ مَا تَوَلَّى وَتُضْلِيهِ
جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا

(النساء ع ۱۷)

اُس نے رح کیا ہے اور انجام کار ہم اُس کو داخل کریں گے دوزخ میں اور بُرا ہے وہ ٹھکانا۔
اس آیت میں حق تعالیٰ نے مؤمنین کے راستہ کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرنے والوں کو سخت وعید سنائی ہے اور اس کو مستحق دوزخ قرار دیا ہے، پس ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں بھی یہ معلوم کیا جائے کہ مؤمنین اولین کا راستہ کیا تھا؟ وہ آنحضرت ﷺ کے اقوال و افعال کو یا بلفظ دیگر حدیث و سنت کو حجت مانتے اور اس کو مشعل راہ قرار دیتے تھے یا نہیں؟۔۔۔ پس جب ہم اس باب میں مؤمنین اولین کی راہ و روش معلوم کرنے کے لئے اسلامی روایات اور اسلامی تاریخ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہم کو حسب ذیل حالات و واقعات ملتے ہیں۔

(۱) تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۹ میں ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس جب کوئی قضیہ آتا تھا تو پہلے وہ کتاب اللہ میں نظر فرماتے تھے اگر کتاب اللہ میں ان کو فیصلہ مل جاتا تو وہی فیصلہ صادر فرماتے، اس میں ناکامی کی صورت میں اگر رسول اللہ ﷺ کی کوئی سنت اس باب میں انہیں معلوم ہوتی تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے، اگر خود ان کو اس باب میں کسی سنت کا علم حاصل نہ ہوتا تو باہر نکل کر دوسرے مسلمانوں (صحابہ) سے دریافت فرماتے کہ ایک اس طرح کا معاملہ میرے پاس آیا ہے اگر تم کو معلوم ہو کہ آنحضرت ﷺ نے اس قسم کے معاملہ میں کیا فیصلہ کیا ہے تو بتاؤ، پھر ایسا ہوتا تھا کہ بعض اوقات کئی کئی آدمی اٹھا ہو کر بتاتے تھے کہ ہاں اس صورت میں آنحضرت ﷺ نے یہ فیصلہ کیا تھا، اس وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فرماتے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ فِينَا مَنْ
يَحْفَظُ عَنْ نَبِيِّنَا

خدا کا شکر ہے جس نے ہم میں ایسے لوگ بنائے جو ہمارے نبی کی باتیں یاد رکھتے ہیں

(۲) آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد سب سے پہلا اور سب سے مشکل مسئلہ یہ سامنے آیا کہ آپ کا جانشین کس کو مقرر کیا جائے تو اس مسئلہ کا حل بھی صحابہ نے آنحضرت ﷺ کی سنت میں تلاش کیا۔

طبقات ابن سعد و تاریخ الخلفاء وغیرہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ہم نے اپنے معاملہ (مسئلہ جانشینی) میں غور و فکر کیا تو ہم نے یہ پایا کہ آنحضرت ﷺ نے ابو بکر صدیق کو اپنی زندگی میں نماز کے لئے آگے بڑھایا (یعنی امام

مقرر کیا) تو جس کو آپ نے ہمارے دین کے لئے پسند کیا تھا ہم نے اس کو اپنی دنیا کے لئے بھی پسند کر لیا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھایا (جانشین رسول منتخب کر لیا)۔

تاریخ الخلفاء وغیرہ میں حضرت ابن مسعود کا بیان مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد انصار کی زبانوں پر یہ بات آئی کہ ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر تم (مہاجرین) میں سے ہو، یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی تو انہوں نے انصار کے پاس جا کر کہا اے گروہ انصار! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مامور فرمایا کہ وہ لوگوں کی امامت کریں، اگر جانتے ہو تو بتاؤ کہ کس کا دل گوارا کرتا ہے کہ ابو بکرؓ سے آگے بڑھے، یہ سنتے ہی انصار کی آنکھیں کھل گئیں اور بول اُٹھے نَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ نَّقْدَّمَ اَبَا بَكْرٍ خدا کی پناہ ہم ابو بکر کے آگے بڑھیں

یعنی سنت نبی سامنے آجانے کے بعد تمام انصار مطمئن ہو گئے اور بے چوں و چرا اس کو تسلیم کر لیا۔

نیز اسی کتاب میں ہے کہ وفات نبوی کے بعد انصار کے مجمع میں حضرت ابو بکر نے حضرت سعدؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ سعد! تم جانتے ہو، تم بیٹھے ہوئے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک بار فرمایا تھا قُرَيْشٌ وَلَا فَاةَ هَذَا الْاَمْرِ (اس امر کے والی قریش ہیں) حضرت سعد بے تامل بولے کہ آپ نے سچ کہا، ہم وزیر و پشت پناہ ہوں گے، اور آپ لوگ امیر و والی (یعنی آنحضرت کا قول یاد دلانے کے بعد ان حضرات نے خلافت) کا خیال چھوڑ دیا۔

(۳) وفات نبوی کے بعد دوسرا مرحلہ آپ کے دفن کا تھا، اس میں اختلاف رائے تھا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے، اس کا فیصلہ بھی حدیث نبوی سے ہوا۔

اسی کتاب اور دوسری بہت سے کتب (مثلاً تاریخ کامل ص ۲۲۵ ج ۳) میں ہے کہ جب یہ اختلاف رائے ہوا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”ہر نبی اپنی اسی خواب گاہ کے نیچے مدفون ہوتا ہے جہاں اس کی روح قبض کی گئی ہو“۔ یہ سنتے ہی سارا اختلاف ختم ہو گیا، اور باتفاق رائے آنحضرت ﷺ اسی مقدس سرزمین میں جہاں آپ کی روح پاک قبض کی گئی تھی سپرد خاک کئے گئے۔

(۴) تاریخ اسلام کا ایک نہایت اہم واقعہ جمع قرآن کا واقعہ ہے، حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو جب یہ مشورہ دیا کہ پورا قرآن یکجا کر دیا جائے اور ابتدا سے انتہا تک یکجا لکھ کر ایک مصحف میں دو

لو حوں کے درمیان محفوظ کر دیا جائے تو حضرت ابو بکر ابتداءً بار بار یہی فرماتے تھے کہ:

كَيْفَ افْعَلْ شَيْنًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
میں وہ کام کیسے کروں جو رسول اللہ ﷺ نے
نہیں کیا

پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو شرح صدر ہو گیا اور انہوں نے حضرت زید بن ثابتؓ کو بلا کر جمع قرآن کی اہم خدمت ان کے سپرد کرنا چاہی تو ابتداءً میں اُن کو بھی تامل ہوا اور وہ بھی بار بار یہی کہتے تھے كَيْفَ تَفْعَلَانِ شَيْنًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ --- لیکن بعد میں اللہ نے ان کے سینہ کو بھی کھول دیا اور شیخین کی رائے کا حق ہونا ظاہر کر دیا تو وہ اس خدمت کی انجام دہی پر کمر بستہ ہو گئے۔

اس واقعہ کے نقل کرنے سے یہ مقصد ہے کہ اس سے نمایاں طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کو ہر کام پر اقدام کرنے سے پہلے آنحضرت ﷺ کی سنت کی تلاش و جستجو ہوتی تھی یہی ان کی روش اور ان کا راستہ تھا۔

(۵) مؤطا امام مالک میں ہے کہ ایک آدمی کی وفات کے بعد اس کی داوی حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں اپنی میراث طلب کرنے آئی آپؓ نے فرمایا:

مالك في كتاب الله شيء وما علمت لك في سنة رسول الله
كتاب الله میں تیرا کچھ حق نہیں ہے، اور
آنحضرت ﷺ کی سنت میں تیرا کوئی حق
مجھے معلوم نہیں، لہذا اس وقت لوٹ جا،
تا آنکہ میں اور لوگوں سے دریافت کروں۔

اس کے بعد انہوں نے لوگوں سے دریافت کیا تو حضرت مغیرہؓ نے بتایا کہ میری موجودگی میں آنحضرت ﷺ نے میت کی داوی کو سدس (چھٹا حصہ) دلویا تھا حضرت ابو بکرؓ نے پوچھا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ تو حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ نے بھی کھڑے ہو کر وہی بیان کیا، اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے اس عورت کو سدس دلویا۔

(۶) پارسیوں کا ملک اسلامی مقبوضات میں داخل ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فکر لاحق تھی کہ پارسیوں سے جزیہ لیا جائے یا نہیں (اس لئے کہ قرآن پاک میں صرف اہل کتاب سے جزیہ لینے کا ذکر ہے اور قرآن کی زبان میں اہل کتاب سے یہود و نصاریٰ مراد ہوتے ہیں) تا آنکہ عبدالرحمن بن عوفؓ نے شہادت دی کہ آنحضرت ﷺ نے حجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا ہے، تب حضرت عمرؓ نے پارسیوں سے جزیہ لیا۔

(۷) صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے ایک شخص نے مسئلہ پوچھا کہ ایک عورت نے اپنے شوہر کی وفات کے صرف چالیس دن بعد بچہ جنتا تو اس کی عدت پوری ہو گئی یا نہیں؟ حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ وضع حمل اور چار ماہ دس دن پورے ہونے میں سے جو بعد میں واقع ہوگا اس سے عدت منقضی ہوگی، اس مجلس میں ابو سلمہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ بھی موجود تھے، ابن عباس رضی اللہ عنہ کا جواب سن کر ابو سلمہ نے کہا (قرآن میں ہے) :

وَأُولَاتِ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ

حمل والی عورتوں کی عدت دفع حمل ہے

ابو سلمہؓ کا مطلب یہ تھا کہ صورت مسئلہ میں عدت پوری ہو گئی یہ سن کر حضرت ابو ہریرہؓ بولے کہ میں بھی اپنے بھتیجے ابو سلمہؓ سے اتفاق کرتا ہوں، تب حضرت ابن عباسؓ نے اپنے غلام کریب کو حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھیجا (انہوں نے سوال سن کر) فرمایا سبیحہ اسمیہ حاملہ تھیں کہ اسی حالت میں ان کے شوہر شہید کر دیئے گئے واقعہ شہادت کے چالیس دن بعد سبیحہ کے بچہ پیدا ہوا اور نکاح کے پیغام آنے لگے تو آنحضرت ﷺ نے ان کا نکاح کرادیا۔

حافظ ابن حجر اس واقعہ کے تحت میں فرماتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے اپنے قول سے رجوع کر لیا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ان عباسؓ کے شاگرد اور تابعین کا قول جماعت کے موافق ہے۔

اس واقعہ سے اختلاف رائے اور دو آیتوں میں بظاہر تعارض کے وقت صحابہؓ کا سنت کی طرف رجوع کرنا اور اس پر عمل پیرا ہونا بالکل ظاہر ہے۔

(۸) ابو داؤد، ترمذی وغیرہ میں ہے کہ رومی سلطنت اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک معاہدہ کی رو سے ایک خاص مدت تک جنگ بندی تھی، جب وہ مدت قریب ختم ہوئی تو حضرت معاویہؓ نے اپنی فوج کے ساتھ دشمن کے ملک کی طرف کوچ کرنا شروع کر دیا، ان کا خیال تھا کہ مدت کے اندر جنگ تو شروع نہ کریں گے لیکن ان کے قریب پہنچ جائیں اور جب مدت ختم ہو جائے گی تو اچانک یکبارگی دھاوا بول دیں گے ایک دن حضرت معاویہؓ کو دور سے ایک سوار آتا دکھائی دیا، جو بلند آواز سے پکار پکار کر کہہ رہا تھا اللہ اکبر اللہ اکبر عہد کو پورا کرنا ہے، توڑنا نہیں ہے، لوگوں نے بغور دیکھا تو وہ سوار حضرت عمرو بن عبسہؓ تھے، حضرت معاویہؓ نے ان سے پوچھا بات کیا ہے؟ انہوں نے کہا میں نے رسول خدا ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ

جس شخص کا کسی قوم سے کوئی معاہدہ ہو تو اس عہد میں کوئی رد و بدل نہ کرے، جب تک کہ اس کی مدت نہ گزر جائے، یا اس قوم کو مطلع نہ کر دے، حضرت معاویہؓ یہ سن کر اپنی فوج کے ساتھ دارالاسلام کو واپس ہو گئے۔

(۹) تاریخ طبری و تاریخ کامل (ص ۳۹۲ ج ۲) میں ہے کہ حضرت عمرؓ ایک بار مدینہ سے بارادہ شام روانہ ہوئے جب مقام سرغ میں پہنچے تو امرائے لشکر نے آکر خبر دی کہ ملک شام میں اس وقت وباء پھوٹ پڑی ہے، طاعون بڑے زوروں کا پھیلا ہوا ہے، حضرت عمرؓ نے یہ سن کر پہلے مہاجرین و انصار کو جو ساتھ میں تھے اکٹھا کر کے مشورہ کیا تو وہ مختلف الرائے ظاہر ہوئے، کچھ لوگوں نے کہا لوٹ چلے اور کچھ نے کہا جب وجہ اللہ آئے ہیں تو لوٹیں کیوں؟ حضرت عمرؓ نے یہ اختلاف دیکھ کر ان لوگوں سے اٹھ جانے کو کہا اور فرمایا اب قریشی مہاجرین فح کو بلاؤ، وہ آئے تو سب کے سب لوٹ جانے کے حق میں تھے، اس بنا پر حضرت عمرؓ نے واپسی کا قصد کیا، مگر حضرت ابو عبیدہؓ نے اس سے اختلاف ظاہر کیا۔ حضرت عمرؓ اور دوسرے لوگ اسی حیض بیض میں تھے کہ حضرت عبدالرحمنؓ بن عوفؓ آپہنچے، وہ پہلے مشورہ میں شریک نہ ہو سکے تھے اور ان کو کچھ معلوم نہ تھا، اس لئے انہوں نے پوچھا کیا قصہ ہے، جب ان کو بتایا گیا تو انہوں نے فرمایا میرے پاس اس باب میں ایک علم ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ صاحب امانت اور قابل تصدیق ہیں، بتائیے وہ کیا علم ہے؟ انہوں نے کہا میں نے رسول خدا ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ:

جب تم سنو کہ کسی سر زمین میں وبا پھیلی ہوئی ہے تو وہاں جاؤ مت، اور جب تمہارے جائے قیام میں وبا پھیل جائے تو بقصد فرار اس جگہ سے نکلو مت

یہ سنت ہی سب اختلاف مٹ گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سب کو لے کر مدینہ لوٹ آئے۔

(۱۰) تاریخ کامل و تاریخ خلفاء وغیرہ تمام کتب تاریخ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عبدالرحمنؓ بن عوفؓ اور تمام صحابہؓ نے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ منتخب کرنے کے بعد بائیں الفاظ بیعت کی تھی:

نبايعك على كتاب الله وسنة
رسوله وسنة الخلفيتين بعده
ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت اس شرط پر کرتے
ہیں کہ آپ کتاب اللہ، رسول کی سنت اور
دونوں سابق خلفاء کی روش پر عمل کریں گے۔

یہ دس مثالیں بلا مبالغہ مشتبہ نمونہ از خروارے ہیں، اس سے زیادہ کی ہم اس لئے ضرورت نہیں سمجھتے کہ ایک منصف مزاج کے لئے یہی کافی سے زیادہ ہیں اور ان کو سامنے رکھنے کے بعد

کوئی بھی منصف اس بات کا انکار نہیں کر سکتا کہ مومنین اولین کا راستہ حدیث و سنت کے ساتھ احتجاج اور ہر باب میں اُس کو مشعل راہ قرار دینا تھا۔

اگر کوئی یہ خیال کرے کہ اوپر ”سبیل المومنین“ کے بیان کے سلسلہ میں جو کچھ کہا گیا اس کا ماخذ حدیث و تاریخ کی کتابیں ہیں جو صحابہ رضوان اللہ علیہم کے بعد لکھی گئی ہیں اور وہ قابل اعتماد نہیں ہیں تو گذارش ہے کہ یہ تو ممکن نہیں کہ قرآن پاک نیز اس کے احکام اور اس پر ایمان و عمل کا حکم باقی ہو اور ”سبیل المومنین“ کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ اور اس کی کوئی صورت موجود نہ ہو، ایسا کہنا تو قرآن کو ناقابل عمل اور معطل قرار دینا ہے جس کی جرأت کوئی مومن تو مومن کوئی صاحب علم و انصاف غیر مومن بھی نہیں کر سکتا، قرآن پاک پر عمل کا دروازہ جب تک کھلا رہے گا اس وقت تک یہ راستہ بھی کھلا رہے گا اور اس راستہ کے پورے معلومات حاصل کرنے کے ذرائع بھی موجود رہیں گے، اور جب ایسا ہے تو بتایا جائے کہ بجز مجامع احادیث و کتب طبقات و اسماء الرجال اور کتب سیر و تاریخ کے اور کون سا ذریعہ ہے جس سے مومنین اولین کی راہ و روش کا تفصیلی علم حاصل ہو سکے، اگر کوئی دوسرا ذریعہ بھی ہے تو بتایا جائے، اور اگر نہیں ہے تو مذکورہ بالا چیزوں کو بالکل جعلی، بے بنیاد اور بے اعتبار کہنا درحقیقت قرآن پاک پر عمل کا دروازہ بند کرنا ہے، اس کے علاوہ اسلام اور مسلم قوم کو دوسرے مذاہب و اقوام عالم پر جو مخصوص تفوق و امتیاز حاصل ہے اس کو بھی برباد کرنا ہے اس لئے کہ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ مسلم قوم کی نہ کوئی تاریخ ہے، نہ اس کے علمی و عملی کارنامے ہیں اور نہ ان کارناموں کا کوئی ذریعہ علم دنیا میں موجود ہے، کیا ایسی بات کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے؟

اس سلسلہ میں بعض منکرین حدیث کا یہ رویہ کس قدر عجیب و غریب اور کیسا ناقابل فہم ہے کہ وہ تاریخ پر تو اعتماد کرتے ہیں اور روایات حدیث کو قابل اعتماد نہیں سمجھتے حالانکہ کتب تاریخ کے تمام مصنفوں نے ہر ہر واقعہ کی نسبت نہ تو یہ بتانے کا التزام کیا ہے کہ وہ ان کو کس واسطہ اور کس سلسلہ سے معلوم ہوا، نہ ان واسطوں کی عدالت و ثقاہت وغیرہ ان شرائط کی سختی سے پابندی کی ہے جن کی محدثین نے کی ہے، بایں ہمہ تاریخ تو قابل قبول اور لائق اعتماد ہو لیکن مجامع احادیث جن میں ہر ہر قول و فعل رسول ﷺ یا آثار و احوال صحابہ کے لئے پورا پورا التزام ہے کہ مصنف کو جن واسطوں سے علم ہوا کہ ان کو سلسلہ وار اس طرح بتائے کہ کہیں انقطاع نہ ہو اور یہ واسطے بھی ایسے ہوں کہ ان کے معتبر، عادل اور ثقہ ہونے کا ثبوت موجود ہو غرض اس التزام و

احتیاط کے باوجود حدیث کے مجموعے قابل اعتبار نہ ہوں، یہ کتنی عجیب اور کیسی ستم ظریفی ہے۔ علاوہ ازیں پختہ اور کھری سندوں کے ساتھ بھی حدیثوں کے نہ ماننے اور ان کو بے اعتبار کہنے کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہی تو ہے کہ کتب احادیث کے مصنفوں نے محض بے بنیاد باتوں کو بالکل جعلی اور فرضی سندوں کے ساتھ کتابوں میں درج کر دیا ہے۔

ان حضرات کو خالص علمی طور پر کبھی تو سوچنا چاہئے کہ ایسا ممکن کیونکر ہے؟ کیا جب احادیث کے یہ مجموعے لکھے گئے اُس وقت دنیا میں ایک بھی صحیح قسم کا مسلمان نہیں تھا جو اس ساری جعل سازی اور افتر پردازی کا مقابلہ کرتا؟ یا کم از کم اُس پر نکیر ہی کرتا۔

مثال کے طور پر میں مؤطا کا نام لیتا ہوں، حدیث کا یہ مجموعہ بقول ابوطالب کی ۱۲۰ یا ۱۳۰ کے بعد یعنی رسول خدا ﷺ کی وفات کے ایک سو دو یا ایک سو تیس برس بعد وجود میں آیا (مقدمہ تنویر الموالک ص ۶) اور اس کے وجود میں آنے سے چند برس (تقریباً ۱۳، یا ۲۳ برس) پہلے تک آنحضرت ﷺ کے دیدار و گفتار سے شرف اندوز ہونے والے اصحاب رسول اُس دنیا میں موجود تھے، اور ان لوگوں کا تو کوئی شمار ہی نہیں جنہوں نے صحابہ رسول ﷺ کی صحبت کی سعادت پائی تھی اور بلاد اسلام مثلاً بلاد حجاز، شام، عراق اور مصر وغیرہ کا ذکر اس وقت چھوڑیے صرف مدینہ منورہ ہی کو لیجئے جہاں یہ کتاب وجود میں آئی اُسی میں اتنی کثرت سے تابعین (جنہوں نے صحابہ کی صحبت پائی تھی) موجود تھے جن کا شمار مشکل ہے، مثال کے طور پر چند نام سنئے:

- | | |
|---|---|
| (۱) اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ التوفی ۱۳۶ھ | (۲) اسماعیل بن محمد بن زہری التوفی ۱۳۴ھ |
| (۳) ربیعہ بن ابی عبد الرحمن التوفی ۱۲۹ھ | (۴) زید بن اسلم التوفی ۱۳۶ھ |
| (۵) سالم بن ابی امیہ التوفی ۱۲۹ھ | (۶) سعد بن اسحاق التوفی بعد ۱۴۰ھ |
| (۷) سعید بن ابی سعید المقبری التوفی ۱۲۳ھ | (۸) سلمہ بن دینار التوفی بعد ۱۴۰ھ |
| (۹) شریک بن عبد اللہ بن ابی نمر التوفی بعد ۱۴۰ھ | (۱۰) صالح بن کیسان التوفی بعد ۱۴۰ھ |
| (۱۱) صفوان بن سلیم التوفی ۱۲۴ھ | (۱۲) عبد اللہ بن ابی بکر بن ابی حزم التوفی ۱۳۵ھ |
| (۱۳) عبد اللہ بن دینار التوفی ۱۲۷ھ | (۱۴) ابوالزناد التوفی ۱۳۰ھ |
| (۱۵) عبد ر بن سعید التوفی ۱۳۹ھ | (۱۶) محمد بن الاسکندر التوفی ۱۳۱ھ |
| (۱۷) مخزومہ بن سلیمان التوفی ۱۳۰ھ | (۱۸) موسیٰ بن عقبہ التوفی ۱۴۱ھ |
| (۱۹) وہب بن کیسان التوفی ۱۲۷ھ | (۲۰) یحییٰ بن سعید قاضی مدینہ التوفی ۱۴۳ھ |

- (۲۱) یزید بن رومان التونی ۱۳۰ھ (۲۲) یزید بن عبد اللہ بن لیث التونی ۱۳۹ھ
 (۲۳) ہشام بن عروہ التونی ۱۴۵ھ (۲۴) مسور بن رفاع التونی ۱۳۸ھ
 (۲۵) ابوطوالہ قاضی مدینہ التونی آخریام بنی امیہ (و آخریام بنی امیہ ۱۳۲ھ)

علمی سلسلہ کے علاوہ ترتیب زمانی کے لحاظ سے بھی تابعین کی حیثیت آنحضرت ﷺ کی نسبت سے وہی تھی جو نسبی سلسلہ میں پوتوں کی حیثیت دادا کی نسبت سے ہوتی ہے، اس لئے اگر سلسلہ اخذ و تعلیم نہ ہو تا تب بھی جس طرح دادا کے حالات اور کارنامے پوتوں کو اپنے گھروں میں معلوم ہو جاتے ہیں اسی طرح اس عہد کے لوگوں کو باقاعدہ تعلیم کے بدون ہی آنحضرت کے بکثرت حالات اور کارناموں کا علم حاصل ہونا ایک بدیہی بات ہے۔

اب غور کیجئے کہ ایسے عہد اور ایسی حالت میں اور ایسے لوگوں کی موجودگی میں پھر ایسی جگہ پر جہاں آنحضرت ﷺ کی زندگی کے آخری دس سال گزرے ہیں اور جہاں کا کوئی گھر اور کوئی خاندان ایسا نہ تھا جس کو آنحضرت سے وابستگی اور آپ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل نہ ہو، اس سر زمین میں ایک شخص (امام مالک) آپ کی حدیثوں اور سنتوں کے بیان میں ایک مجموعہ تیار کر کے اسی سر زمین میں اس کو علی الاطلاق سناتا ہے اور ہزاروں آدمی تمام بلاد اسلامیہ سے رخصت سفر باندھ کر مدینہ آتے اور اس مجموعہ کو سن کر اور بہت سے لوگ اس کی نقلیں لے کر اپنے اپنے وطن واپس جاتے ہیں اور وہاں پہنچ کر ان کا ہر آدمی اس کو پیکڑوں اور ہزاروں مسلمانوں میں پھیلاتا ہے مگر مدینہ مقدسہ یا کسی جگہ کا ایک تنفس بھی یہ نہیں کھتا کہ یہ ساری حدیثیں یا ان میں سے بہت سی جعلی ہیں۔۔۔ کوئی صاحب عقل بتائے کہ اولاً ایسی حالت میں امام مالک کو اگر (معاذ اللہ وہ مفتری ہوتے) اس کی ہمت ہی کیسے ہوتی، اور اگر بالفرض ہوتی بھی تو سارے اہل مدینہ اس "افتر پردازی" اور دین میں جعلی چیز کے اضافہ اور اس کی اشاعت کا خاموشی سے تماشہ دیکھتے رہ جاتے!

مالکم کیف تحکمون

مزید براں یہ کہ اس مجموعہ میں امام مالک مذکورہ بالا کچھ اشخاص اور ان کے علاوہ کچھ دوسرے باشندگان مدینہ کا نام لے کر فرماتے ہیں کہ انہیں لوگوں نے ہم سے یہ حدیثیں اور سننیں بیان کی ہیں اگر بالفرض امام مالک نے غلط بیانی سے کام لیا ہو تا تو ناممکن ہے کہ جو لوگ اس وقت زندہ تھے ان کی تکذیب نہ کرتے۔

حاصل کلام یہ کہ موطایا دوسرے مجامع حدیث اور ان کی اسنادوں کا بالکل بے سروپا کہنا صرف ضلالت ہی نہیں بلکہ قابل عبرت جہالت و حماقت بھی ہے۔ ومن لم يجعل الله له نوراً فما له من نور۔

یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ سے پہلے کسی نے یہ کہنے کی جرأت نہیں کی، بلکہ اس کے برخلاف ان مجموعوں کے زمانہ تصنیف سے لے کر آج تک ہر دور میں اصولی طور پر ان کو صحیح و ثابت اور واقعی چیز تسلیم کیا گیا اور ہر دور میں ان مجموعوں کو سیکڑوں ہزاروں اہل علم نے اپنے بڑوں سے سنا اور روایت کیا، خود امام مالک سے موطا کو تقریباً ایک ہزار آدمیوں نے سنا جیسا کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بستان المحدثین ص ۹ میں تحریر فرمایا ہے۔ اور سیوطی نے تنویر الحوالک کے مقدمہ میں تقریباً پچاس ایسے آدمیوں کا نام بنام ذکر کیا ہے جنہوں نے امام مالک سے موطا کو سن کر روایت کیا ہے، پھر ان لوگوں سے آج تک اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ تواتر کے ساتھ اس کی روایت ہوتی آئی ہے۔

پھر حیرت ہے کہ یہ منکرین حدیث اس دیدہ دلیری سے حدیث کا انکار کرتے وقت یہ کیوں نہیں سوچتے اور کیوں اس پر غور نہیں کرتے کہ اپنے بزرگوں اور اکابر کے آثار کی حفاظت اور ان کے کارناموں کو زندہ اور ان کے سوانح کو یاد رکھنے کا جذبہ فطری طور پر ہر قوم میں ہوتا ہے اور دنیا میں ہر زندہ قوم اپنے بزرگوں کے آثار، بہادریوں کے کارناموں اور شاعروں کے کلام کو باقی اور محفوظ رکھنے کی ہر ممکن تدبیر عمل میں لاتی ہے، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلم قوم جو دنیا کی سب سے بہتر اور سب سے زیادہ علم دوست، اور سب سے زیادہ محاسن کمالات اور زرین خصوصیات کی حامل ہے، اس نے اور تو اور خود اپنے پیغمبر و رسول ہی کی روایات انکے سیر و مغازی اور ان کے اخلاق و عادات کو نہ محفوظ رکھا ہو نہ دوسروں تک پہنچایا ہو، دنیا میں کون صاحب عقل ایسا کہہ سکتا ہے اور کون اس کو باور کر سکتا ہے؟

قرآن مجید کی بہت سی آیات کا مطلب بھی روایات کے بغیر نہیں سمجھا جاسکتا

پھر اس بات پر بھی دھیان دینا چاہئے کہ اگر قرآن پاک کے علاوہ اور کوئی مستند ذریعہ معلومات نہ ہو اور احادیث و آثار کی روایات کو قابل اعتبار نہ سمجھا جائے تو خود قرآن پاک کی بہت سی آیات کا مفہوم و مطلب مبہم اور بڑی حد تک تشہ رہ جائے گا مثلاً قرآن پاک میں ہے:

فَلَمَّا قُضِيَ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرَا
 زَوْجُهَا (احزاب ع ۵)
 غرض ہم نے وہ تیرے نکاح میں دی
 کیا روایات کو یکسر نظر انداز کر دینے کے بعد قرآن مجید کے صرف ان الفاظ سے اُس واقعہ کو پوری طرح سمجھا جاسکتا ہے جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے اور کیا صرف قرآن سے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ یہ زید کون تھے اور اُن کی بی بی کون تھیں اور قصہ کیا پیش آیا تھا۔ یا مثلاً ارشاد ہے:

عَبَسَ وَتَوَلَّى اَنْ جَاءَ هُ الْاَعْمٰى
 وَمَا يَذْرٰىكَ لَعَلَّهٗ يَزَّغٰى (عبس)
 تیوری چڑھائی اور منہ موڑا اس پر کہ آیا اس کے پاس نابینا اور تجھ کو کیا خبر کہ شاید وہ سنور تا اور پاک صاف ہوتا۔

بتایا جائے کیا صرف قرآن سے یہ پتہ چلایا جاسکتا ہے کہ یہ آنے والے الاعمیٰ کون تھے، اور وہ کون لوگ تھے جن کی طرف آنحضرت ﷺ کے آنے کے وقت متوجہ تھے؟ اسی طرح غزوہ احزاب و حنین وغیرہ کے جن واقعات کا ذکر قرآن پاک میں ہے بتائیے کہ روایات کے سارے ذخیرہ کو نامعتبر قرار دے کر ان واقعات کی ضروری تفصیل بھی کہاں سے معلوم کی جائے یا مثلاً قرآن پاک میں ہے:

وَ اِذْ يَبْعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدٰى الطّٰفَتَيْنِ
 اَنْتُمْ لَكُمْ (انفال ع ۱)
 اور جب اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا دو جماعتوں میں سے ایک کا کہ وہ تمہارے قبضہ میں آئیں۔

کیا کوئی صرف قرآن سے یہ بتلا سکتا ہے کہ یہ دو جماعتیں کون تھیں؟ اور اللہ جس وعدہ کو یہاں یاد دلارہا ہے وہ وعدہ قرآن میں کہاں ہے؟ اگر قرآن میں نہیں ہے تو ماننا پڑے گا کہ کوئی دوسری قسم کی وحی بھی آنحضرت پر آتی تھی۔

یا مثلاً قرآن پاک میں ہے:

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدُوِّ الدُّنْيَا وَهُمْ
 بِالْعُدُوِّ الْقُصُوٰى وَالرُّكْبُ اَسْفَلِ
 مِنْكُمْ (انفال ع ۵)
 جس وقت تم تھے درے کے ناکے اور وہ پرے کے ناکے اور قافلہ نیچے اتر گیا تم سے

کوئی مدعی صرف قرآن سے بتائے کہ یہ کہاں کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور کس جگہ کے قریب و دور کے ناکے مراد ہیں؟ اور کس قافلہ کا نیچے اترنا بیان ہوا ہے؟

اسی طرح قرآن پاک میں ہے:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ
(توبہ ع ۴)

مدد کر چکا ہے اللہ تمہاری بہت سے میدانوں میں

کیا روایات کا انکار کرنے کے بعد ان بہت سے میدانوں کی تفصیل کہیں سے معلوم ہو سکتی ہے؟

اسی طرح قرآن پاک میں ہے:

إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا

اگر تم نہ مدد کرو گے رسول کی تو اس کی مدد کی ہے اللہ نے جس وقت نکالا اس کو کافروں نے دو جان سے، جب دونوں تھے غار میں، جب کہنے لگا اپنے رفیق کو نہ غم کھا اللہ ہمارے ساتھ

(توبہ ع ۶) ہے۔

آنحضرت ﷺ کہاں سے نکالے گئے، یہ دوسرا آپ کا رفیق کون تھا؟ اور کس غار میں آپ اپنے رفیق کے ساتھ روپوش تھے؟ کیا صرف قرآن سے ان سوالات کا جواب مل سکتا ہے؟ کیا روایات کی طرف رجوع کے سوا کوئی دوسری صورت بھی ان باتوں کو معلوم کرنے کی ہے؟

علیٰ ہذا القیاس قرآن پاک میں ہے:

لَمَسْجِدَ أُسَسَ عَلَى الثَّقْوَى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ، فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا

جس مسجد کی بنیاد دھری پر بیڑ گاری پر پہلے دن سے وہ لائق ہے کہ تو کھڑا ہو اس میں اس میں وہ مرد ہیں جن کو چاہت ہے پاک رہنے

کی۔

(توبہ ع ۱۳)

یہ کس مسجد کا ذکر ہے؟ اور وہ کون لوگ ہیں جنکی اس آیت میں مدح ہو رہی ہے؟ اور ان کی طہارت پسندی کا کیا خاص معیار تھا جس کو اس آیت میں سراہا گیا ہے؟ کیا ان باتوں کا جواب صرف قرآن سے مل سکتا ہے؟

اسی طرح قرآن پاک میں ہے:

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِفُوا

اور اللہ کی مہربانی ہوئی ان تین شخصوں پر جن کے معاملہ کو ملتوی رکھا گیا تھا۔

(توبہ ع ۱۴)

یہ کون تین شخص ہیں اور ان کا کیا قصہ تھا۔ اور کیوں ان کا معاملہ ملتوی رکھا گیا؟ کیا روایات کے بغیر یہ باتیں حل ہو سکتی ہیں؟

اسی طرح قرآن پاک میں ہے:

وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُمْ مِنْ أَهْلِ
الْكِتَابِ مِنْ صَيَاصِيهِمْ وَقَذَفَ
فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ
وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا وَأَوْرَثَكُمْ
أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ
وَأَرْضًا لَمْ تَطُورُهَا (احزاب ع ۳)

اور اُتار دیا اُنکو جو اُنکے رفیق ہوئے تھے اہل
کتاب میں سے اُن کی گڑھیوں سے اور ڈالا
اُنکے دلوں میں رعب، کتنوں کو تم مارنے لگے
اور کتنوں کو قید کیا، اور وارث کیا تم کو ان کی
زمین اور ان کے گروں اور اُنکے مالوں کا اور
ایک زمین جس پر نہیں ڈالے تم نے قدم۔

یہ مظاہرین کون تھے؟ اور ان کی زمین و جائیداد کہاں تھی؟ نیز وہ دوسری زمین جہاں مسلمانوں
کے قدم نہیں پہنچے تھے مگر اس کے وارث بنائے گئے کون سی تھی، کیا روایات سے قطع نظر کر کے
ان باتوں کا جواب دیا جاسکتا ہے۔

یہ صرف چند مثالیں بلا قصد استیعاب بیان کی گئی ہیں اس طرح کی ابھی بہت سی مثالیں ذکر
کی جاسکتی ہیں، مقصود یہ ہے کہ روایات کا انکار کر دینے کے بعد قرآن کی مذکورہ بالا آیات کا واضح
اور متعین مفہوم سمجھنا اور سمجھانا قریباً ناممکن ہے۔

الغرض جو شخص قرآن پاک کو اللہ کی کتاب مانے اور اُس کا سمجھنا اور اُس پر عمل کرنا ہر زمانہ
کے اہل ایمان کے لئے ضروری سمجھے، اُس کو احادیث و سیر کے اُس ذخیرہ کو بھی ماننا پڑے گا جس
کو پوری طرح جانچ پرکھ کے ائمہ محدثین و اہل سیر نے محفوظ کیا ہے، اور جس کے بہت بڑے
حصے کی حیثیت یقیناً قرآن کے ضروری توضیحی ضمیمہ کی ہے۔

حدیث و سنت کے مثبت احکام

ہونے پر ایک اور قرآنی دلیل

یہاں پہنچ کر حدیث و سنت کے مثبت احکام ہونے پر ایک اور قرآنی دلیل ذہن میں آگئی اُس کو
بھی یہیں عرض کرتا ہوں۔

جو حضرات واقعہ کسی علمی مغالطہ نبی کی وجہ سے یہ بات کہتے ہیں کہ دینی حجت بس قرآن ہی
ہے اور قرآن کے سوا کسی اور ذریعہ سے شریعت کا کوئی حکم اور کوئی دینی مسئلہ ثابت نہیں ہو سکتا
اور رسول کا کام بس قرآن پہنچانا ہی تھا، وہ اگر ایک طالب حق اور جو یائے ہدایت کی طرح قرآن
مجید ہی کو غور سے دیکھیں تو اس میں اُن کو اس کی بہت سے مثالیں ملیں گی کہ بطور حکایت اور واقعہ

وَلَعَبَا ذَلِكْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ (مانندہ ع ۹) اسی طرح سورہ جمعہ میں ایک دوسرے حکم کے بیان کے سلسلہ میں جمعہ کی اذان کا ضمنی ذکر آیا ہے (إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ (جمعہ ع ۲) بہر حال ان آیات سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے کہ عہد نبوی میں ان آیات کے نازل ہونے سے بھی پہلے سے اذان ایک دینی عمل کی حیثیت سے مروج تھی، اور قرآن میں ایسی کوئی آیت نہیں بتائی جاسکتی جس کے ذریعہ اذان کا حکم دیا گیا ہو اس لئے ماننا پڑے گا کہ اذان کا حکم قرآن کے ذریعے نہیں بلکہ سنت کے ذریعہ ملا تھا۔

اس کی مثالیں قرآن مجید سے اور بھی بہت سی پیش کی جاسکتی ہیں لیکن اس مقدمہ کے محدود صفحات میں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں۔

حدیث و سنت کے حجت دینی اور واجب الاتباع ہونے پر یہاں تک جو کچھ لکھا گیا اگرچہ الحمد للہ ایک طالب حق خدا ترس کے لیے وہ بھی بالکل کافی ہے لیکن آخر میں ایک اصولی بات عرض کر کے سلسلہ کلام ختم کیا جاتا ہے۔

رَسُولُ ﷺ کا صحیح مقام

ہمارے خیال میں حدیث و سنت کے منکرین کی اصل غلطی یہ ہے کہ انہوں نے رسول کی اصل حیثیت اور اُس کے صحیح مقام کو نہیں سمجھا ہے، اگر وہ مقام نبوت کو سمجھنے اور نبی و رسول کی معرفت حاصل کرنے کے لئے صرف قرآن ہی میں تدبر کریں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی حیثیت صرف ایک پیغامبر اور پیام رساں ہی کی نہیں ہے، بلکہ آپ مطاع، متبوع، امام، بادی، قاضی، حاکم، حکم وغیرہ وغیرہ بھی ہیں اور قرآن ہی نے آپ کی ان حیثیتوں کو بھی بیان کیا ہے۔

(۱) رسول مطاع ہے اور اس کی اطاعت اہل ایمان پر فرض ہے۔

قرآن مجید میں جا بجا اہل ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے:

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو

اس حکم میں ”اطيعوا الرسول“ کو ”اطيعوا الله“ سے الگ مستقل جملہ کی شکل میں قرآن

مجید میں جس طرح مختلف مقامات پر ذکر کیا گیا ہے اُس سے ہر وہ شخص جس کو عربی زبان کا کچھ

بھی ذوق ہو یہی سمجھے گا کہ اللہ کی اطاعت کی طرح اہل ایمان پر رسول کی اطاعت بھی مستقلاً فرض ہے، یعنی اس کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ اللہ کی طرف سے جو کتاب رسول لائے ہیں اُس کو مانا جائے اور اُس کے حکموں پر چلا جائے کیونکہ اگر صرف اتنی ہی بات کہنی ہوتی تو یہ ”اطیعوا اللہ“ میں کہی جا چکی تھی پھر امر اطاعت کے مستقل اعادہ کے ساتھ ”اطیعوا الرسول“ کے اضافہ کی کیا ضرورت تھی۔

علاوہ ازیں خود قرآن مجید کی بعض دوسری آیات سے بھی یہ بات اور زیادہ صاف اور واضح ہو جاتی ہے۔ سورہ نساء کے پانچویں رکوع کے آخر میں اللہ و رسول کی اطاعت کا حکم دینے کے بعد ان منافقین کی مذمت کی گئی ہے جو اپنی غرض پرستی اور منافقت کی وجہ سے اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت میں کوتاہی کرتے تھے اسی سلسلہ بیان میں اُن کے متعلق فرمایا گیا ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَىٰ الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا
اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اُس کتاب کی طرف جس کو اللہ نے نازل کیا ہے اور رسول کی طرف تو اے رسول! تو دیکھ گمان (نساء ع ۹)

منافقوں کو کہ اعراض اور روگردانی کرتے ہیں تیری طرف سے۔

اس آیت میں ”ما انزل اللہ“ یعنی کتاب اللہ کی طرف بلانے کے ساتھ ”رسول“ کی طرف بلانے کا جس طرح ذکر کیا گیا ہے وہ اس بات کی نہایت روشن دلیل ہے کہ اوپر کی آیتوں میں اطاعت رسول کا جو حکم دیا گیا ہے اُس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ کی طرف سے اُس پر نازل ہونے والی کتاب کی اطاعت کرو بلکہ رسول کی اطاعت اُن سے الگ اور مستقل چیز ہے۔

اور اسی سورہ کے اسی رکوع میں دو ہی آیتوں کے بعد اللہ کی طرف سے آنے والے ہر رسول کے متعلق فرمایا گیا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ (نساء ع ۹)
اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس واسطے کہ اُسکے حکم پر چلا جائے اللہ کے فرمان سے۔

(۲) رسول منجانب اللہ ہادی اور امام ہوتے ہیں، ارشاد ہے:

وَجَعَلْنَا هُمْ أَيْمَةً يَهْتَدُونَ بِأَمْرِنَا
اور ہم نے بنایا اُن کو امام و پیشوا، وہ ہدایت و رہنمائی کرتے تھے ہمارے حکم سے (انبیاء ع ۵)

(۳) رسول اللہ ﷺ منجانب اللہ حاکم و حکم بھی قرار دیئے گئے تھے اور ہر اختلاف و نزاع میں

آپ کو حکم بنانا اور آپ کا فیصلہ دل و جان سے ماننا تمام اہل ایمان کے لئے فرض بلکہ شرط ایمان قرار دیا گیا تھا۔۔۔ سورہ نساء کی یہ آیت جو پہلے بھی ایک جگہ درج ہو چکی ہے (پھر پڑھئے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ
يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا
يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا
قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (نساء ع ۹)

فیصلہ دیدے تو) کوئی تنگی اور
ناگواری نہ پائیں اپنے دلوں میں تیرے فیصلہ سے اور تسلیم کر لیں اس کو پوری طرح مان کر۔

اسی طرح سورہ احزاب کی آیت:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا
قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ
لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ

اور کسی ایمان والے مرد اور ایمان والی عورت
کی یہ شان نہیں ہے کہ جب حکم دیدے اللہ
اور اس کا رسول کسی بات کا تو رہے ان کا کچھ
اختیار اپنے معاملہ میں۔

(احزاب ع ۵)

اور سورہ نور کی آیت:

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا
إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ
يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (نور ع ۷)

ایمان والوں کو جب بلایا جائے اللہ کی طرف اور
اس کے رسول کی طرف تاکہ وہ فیصلہ دیں ان
کے درمیان تو ان کا

جواب اس کے سوا کچھ نہیں ہو تاکہ وہ کہیں ”سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا“ (یعنی ہم نے سن لیا اور مان لیا)

الغرض یہ سب آیتیں اس باب میں نص صریح ہیں کہ مسلمانوں کے جس معاملہ میں رسول جو
فیصلہ کریں وہ واجب التسلیم ہے اور کسی مسلمان کو اس میں چوں و چرا کی گنجائش نہیں ہے۔

(۴) کسی شخص کی کامیابی اور فوز و فلاح کے لئے جس طرح اللہ کی اطاعت ضروری ہے اسی طرح
رسول کی اطاعت بھی ضروری ہے اور جس طرح اللہ کی نافرمانی گمراہی اور بد بختی ہے اسی طرح
رسول کی نافرمانی بھی موجب ضلالت و شقاوت ہے۔

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ
فَوْزًا عَظِيمًا (احزاب ع ۸)

جس نے اطاعت کی اللہ کی اور اللہ کے رسول

کی اس نے بڑی مرا دپائی
اور جس نے نافرمانی کی اللہ کی اور اس کے
رسول کی وہ بڑی کھلی گمراہی میں جا پڑا

وَمَنْ يُعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ
ضَلَالًا مُّبِينًا (احزاب ع ۵)

نیز قرآن ہی میں بتایا گیا ہے کہ کفار و دوزخ میں ڈالے جانے کے بعد جس طرح خدا کی نافرمانی

کرنے پر کفِ افسوس ملیں گے اور اپنا ماتم کریں گے اسی طرح رسول کی نافرمانی پر بھی افسوس کریں گے۔

وَيَوْمَ تَقْلُبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَلَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَ (احزاب ع ۸)

جس دن اوندھے ڈالے جائیں گے ان کے منہ آگ میں کہیں گے کاش! ہم نے کہا مانا ہوتا اللہ کا اور کہا مانا ہوتا رسول کا۔

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ (النساء ع ۶)

اُس دن آرزو کریں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور رسول کی نافرمانی کی کہ برابر کر دیئے جائیں زمین کے (یعنی خاک ہو کر زمین کا جزو بن جائیں اور عذاب سے بچ جائیں)

نیز مسلمانوں کو نصیحت کی گئی ہے کہ رسول کی نافرمانی کی کوئی بات بھی آپس میں نہ کریں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَا جَيْتُمْ فَلَا تَنَّا جُوا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُولِ (مجادلہ ع ۲)

اے ایمان والو! جب تم چپکے چپکے آپس میں باتیں کرو تو گناہ اور ظلم و زیادتی کی اور رسول کی نافرمانی کی کوئی بات نہ کرو۔

(۵) رسول اللہ ﷺ جو دیں اُس کو قبول کرنا اور جس چیز سے روکیں اُس سے رُک جانا واجب ہے

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (حشر ع ۱)

جو تم کو رسول دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اُس سے رُک جاؤ۔

اگر اس آیت کا تعلق صرف اموال سے بھی مانا جائے تب بھی ہمارے مدعا کے لئے مضر نہیں کیونکہ اس صورت میں بھی اتنی بات تو آیت سے ثابت ہی ہوگی کہ رسول اللہ ﷺ اپنی صوابدید سے جو تقسیم کریں وہ اہل ایمان کے لئے واجب التسلیم ہے اور کسی کو اُس میں چوں و چرا کی گنجائش نہیں ہے

(۶) ایک مومن کا اپنی جان پر جتنا حق ہے اُس سے زیادہ اُس کی جان پر نبی کا حق ہے۔

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ (احزاب ع ۱)

نبی زیادہ حقدار ہے مومنوں کا ان کی جانوں سے

حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ نے اس آیت پر جو دو سطریں لکھی ہیں اُن کے نقل کرنے کو بے اختیار جی چاہتا ہے:

”نبی نائب ہے اللہ کا، اپنی جان مال میں اپنا تصرف نہیں چلتا جتنا نبی کا، اپنی جان دکھتی آگ میں

ڈالنی روا نہیں، اور نبی حکم کرے تو فرض ہے۔“

(۷) اللہ کے ساتھ اُس کے رسول کو بھی راضی کرنا ضروری اور شرط ایمان ہے۔

وَاللّٰهُ وَرَسُولُهُ اَحَقُّ اَنْ يُرْضَوْهُ اِنْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ (توبہ ع ۸)

اور اللہ کو اور اُس کے رسول کو راضی کرنا ان کیلئے بہت زیادہ ضروری ہے اگر وہ ایمان رکھتے ہیں

(۸) اللہ کی طرح اُس کے رسول کو بھی دنیا کی ساری چیزوں سے زیادہ محبوب رکھنا ضروری ہے جو ایسا نہ کریں وہ فاسقین اور اللہ کی ہدایت سے محروم رہنے والے ہیں۔

قُلْ اِنْ كَانَ اَبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَاَمْوَالٌ اقْرَبَتْكُمْوَهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا احَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنْ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهِ فَتَرْيَبُوا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرٍ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (توبہ ع ۳)

اے پیغمبر کہو (مسلمانوں کو) اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہاری برادری اور تمہارا کمایا ہوا مال اور تمہاری تجارت جس کے بند ہو جانے سے تم ڈرتے ہو اور تمہارے رہنے کے مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو (اگر یہ ساری چیزیں) تم کو زیادہ پیاری ہیں اللہ سے اور اُس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جدوجہد کرنے سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ

کرے اللہ اپنا فیصلہ اور (یاد رکھو کہ) اللہ ہدایت نہیں دیتا فاسق لوگوں کو۔

(۹) اللہ کے رسول جب کسی کام کے لئے دعوت دیں اور پکاریں تو اس پر لبیک کہنا ہر مومن پر فرض ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (انفال ع ۳)

اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور اُس کے رسول کا جب بلاوے تم کو اُس کام کی طرف جس میں تمہاری حیات ہو۔

(۱۰) رسول اللہ ﷺ جب کسی کام کے لئے لوگوں کو بلائیں تو بلا اجازت اٹھ کر چلا جانا کسی مومن کے لئے جائز نہیں اور جو ایسا کریں گے اُن کے لئے ”عذاب الیم“ کا اندیشہ ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَاِذَا كَانُوْا مَعًا عَلٰى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ (النور ع ۹)

ایمان والے وہی ہیں جنہوں نے مانا ہے اللہ کو اور اُس کے رسول کو اور جن کا طریقہ یہ ہے کہ جب وہ کسی اجتماعی کام میں اُس کے رسول کے ساتھ ہوتے ہیں تو کہیں نہیں جاتے تا وقتیکہ

اُس سے اجازت نہ لے لیں۔

آگے اسی سلسلہ میں اُن لوگوں کے بارے میں جو بلا اجازت چپکے سے سرک جاتے تھے فرمایا گیا ہے:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ يُدْرِكَهُمْ عَذَابُ الْيَوْمِ أَوْ يُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ اُسکے حکم سے اس بات سے کہ بتلا ہوں وہ کسی سخت فتنہ میں یا پہنچے اُن کو دردناک عذاب۔ (النور ع ۹)

رسول کے مقام و منصب کا بیان ایک مستقل موضوع ہے اور اگر اس پر شرح و بسط سے لکھا جائے تو جتنا کچھ لکھا جا چکا ہے اس سے بہت زیادہ لکھا جاسکتا ہے اور بلا مبالغہ سیکڑوں آیتیں اس سلسلہ میں پیش کی جاسکتی ہیں لیکن یہاں اس وقت ان ہی اشارات پر اکتفا کر کے میں کہنا چاہتا ہوں کہ جب قرآن مجید سے آپ کا مطاع، متبوع، امام و ہادی، آمر و نای، حاکم و حکم وغیرہ وغیرہ ہونا ثابت ہو گیا تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ دین کے سلسلہ میں آپ کا ہر امر و نہی، ہر حکم و فیصلہ اور ہر قول و عمل واجب التسلیم اور لازم القبول ہے۔

آنحضرت ﷺ جب تک اس دنیا میں رونق افروز رہے امت نے آپ کی اور آپ کے ارشادات اور اسوۂ حسنہ کی یہی حیثیت سمجھی اور آپ کے ارشادات کو بلا واسطہ سننے والے اور آپ کے اعمال و افعال کو پیچشم خود دیکھنے والے صحابہ کرام نے علم و ہدایت کے اس پورے خزانہ کی غیر معمولی اہتمام اور شغف کے ساتھ حفاظت کی اور پوری امانت کے ساتھ بعد والوں کو پہنچایا، پھر بعد کے قرونوں میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کے بہترین افراد کو احادیث و سنن کے اس بے پایاں دفتر کی تدوین و ترتیب، تحقیق و تنقید، تعلیم و تعلم، ترجمہ و تشریح، حفظ و اشاعت اور اُس سے متعلق بہت سے مستقل علوم و فنون کی ایجاد اور پھر ہر فن میں بہتر سے بہتر تالیف و تصنیف وغیرہ سیکڑوں قسم کی خدمات کی ایسی توفیق دی جو کبھی کسی قوم اور کسی امت کو نہیں ملی --- اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ اگر خاتم الانبیاء ﷺ کو اس دنیا سے گئے ساڑھے تیرہ سو سال سے زیادہ کی مدت گزر چکی ہے لیکن آپ کے ارشادات اور اسوۂ حسنہ کی روشنی ہر راہرو کیلئے آج بھی ایسی ہی موجود ہے جیسی کہ قرن اول میں تھی۔

اور حقیقت یہ ہے کہ سلسلہ نبوت ختم کر دیئے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاتم النبیین ﷺ کی ہدایات و تعلیمات اور آپ کے اسوۂ حسنہ کی حفاظت کا یہ انتظام ہونا ضروری

— حدیث و سنت سے متعلق ساڑھے اوپر مستقل علوم و فنون ہیں جن میں سے بعض بعض پر بلا مبالغہ ہزاروں تصانیف ہیں اگر صرف علوم حدیث سے متعلق تصانیف کی کوئی کمل فہرست تیار کی جائے تو کئی ہزار صفحات پر آئے گی۔ ۱۲

بھی تھا جبکہ آپ کے بعد کوئی نیا پیغمبر اب قیامت تک آنے والا نہیں ہے اور آپ ہی اس دینا کی آخری نسل تک کے لئے جب نبی ہیں تو ضروری ہے کہ آپ کی تعلیمات و ہدایات اور آپ کا اسوۂ حسنہ اس دنیا کے آخری دن تک محفوظ رہے تاکہ ہر زمانہ کے طالبان ہدایت اُس سے وہ روشنی اور وہ نور حاصل کر سکیں جو آپ کے زمانہ میں آپ پر ایمان لانے والے خوش نصیب آپ کی مقدس اور منور ہستی سے حاصل کیا کرتے تھے --- آج کوئی دشمن بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ پچھلی ساڑھے تیرہ صدیوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلسل یہ انتظام رہا ہے، اور ہمارا ایمان ہے کہ آئندہ بھی یہ خداوندی انتظام یوں ہی رہے گا اور اُس مقصد کے لئے جب جس خدمت کی ضرورت ہوگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ بندوں کو اس کی توفیق ملتی رہے گی۔

”معارف الحدیث“ کی تالیف جس کی توفیق عزیز گرامی مولانا محمد منظور نعمانی سلمہ اللہ تعالیٰ و ابلا کو ملی ہے اسی سلسلہ کی ایک تازہ خدمت اور محنت ہے۔

مقدمہ کو ختم کرتے ہوئے کتاب پر کسی رسمی تبصرہ کے بجائے میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور اپنے بندوں کو اس سے نفع پہنچائے اور جو حصے ابھی باقی ہیں ان کی تکمیل کی مؤلف کو جلد توفیق عطا فرمائے۔

حبیب الرحمن الاعظمی

۱۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۳ھ
لکھنؤ

معارف الحديث

جلد اول

کتابُ الایمان

بسم الله الرحمن الرحيم

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ
وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ
سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضِلِّهِ
فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا
شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ
وَرَسُولُهُ بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالَى بِشِيرَاءٍ وَنَذِيرٍ أَم بَيْنَ يَدَيِ
السَّاعَةِ ، مَنْ يُطِيعِ اللّٰهُ وَرَسُولَهُ فَقَدْ رَشَدَ وَاهْتَدَى
وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهُ وَرَسُولَهُ فَإِنَّهُ لَا يَضُرُّهُ إِلَّا نَفْسُهُ
وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشَّاكِرِينَ ۝

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ اٰلِ سَيِّدِنَا
مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ وَعَلَىٰ اٰلِ
سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ اٰلِ سَيِّدِنَا
مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ وَعَلَىٰ اٰلِ
سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝

(١) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ
إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِامْرَأٍ مَا نَوَتْ فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ
فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ مَرْءَةٍ
يَتَزَوَّجُهَا فَهِيَ هِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ (رواه البخاري ومسلم)

(تشریح) حدیث کا جو ترجمہ اوپر کیا گیا ہے وہ خود مطلب خیر ہے اور نفس مفہوم کے بیان کے لئے اس کے بعد کسی مزید تشریح کی حاجت نہیں، لیکن اس کی خصوصی اہمیت کا تقاضہ ہے کہ اس کے مطالب و فوائد پر کچھ اور بھی لکھا جائے۔

حدیث کا اصل منشاء امت پر اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ تمام اعمال کے صلاح و فساد اور مقبولیت و مردودیت کا مدار نیت پر ہے، یعنی عمل صالح وہی ہوگا اور اُسی کی اللہ کے یہاں قدر و قیمت ہوگی جو صالح نیت سے کیا گیا ہو۔ اور جو ”عمل صالح“ کسی بُری غرض اور فاسد نیت سے کیا گیا ہو وہ صالح اور مقبول نہ ہوگا، بلکہ نیت کے مطابق فاسد اور مردود ہوگا، اگرچہ ظاہری نظر میں ”صالح“ ہی معلوم ہو۔۔۔ حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ عمل کے ساتھ نیت کا اور ظاہر کے ساتھ باطن کا بھی دیکھنے والا ہے اس کے یہاں ہر عمل کی قدر و قیمت عمل کرنے والے کی نیت کے حساب سے لگائی جائیگی۔

ایک غلط فہمی

کسی کو اس سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ جب دار و مدار نیت ہی پر ہو تو اگر برے کام بھی کسی اچھی نیت سے کئے جائیں تو وہ اعمال صالحہ ہو جائیں گے اور ان پر بھی ثواب ملے گا مثلاً، اگر کوئی شخص اس نیت سے چوری اور ڈاکہ زنی کرے کہ جو مال اس سے حاصل ہوگا اُس سے وہ غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرے گا تو وہ بھی ثواب کا مستحق ہو سکے گا۔

اس بات یہ ہے کہ جو کام فی نفسہ بُرے ہیں اور جن سے اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا ہے اُن میں حسن نیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، وہ تو بہر حال قبیح اور موجب غضب الہی ہیں، بلکہ ان کے ساتھ اچھی نیت کرنا اور اُن پر ثواب کی امید رکھنا شاید ان کی مزید قباحت کا اور سزا میں زیادتی کا باعث ہو، کیونکہ یہ اللہ کے دین کے ساتھ ایک قسم کا تلاعب (کھیل) ہوگا، بلکہ حدیث کا منشا ”اعمال صالحہ“ کے متعلق یہ جتنا ناہے کہ وہ بھی اگر کسی بُری نیت سے کئے جائیں گے تو پھر ”اعمال صالحہ“ نہیں رہیں گے، بلکہ بُری نیت کی وجہ سے ان کا انجام بُرا ہی ہوگا۔ مثلاً جو شخص نماز نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھتا ہے جس کو ہم اعلیٰ درجہ کا عمل صالح سمجھتے ہیں وہ اگر یہ خشوع و خضوع اس لئے کرتا ہے کہ لوگ اس کی دینداری اور خدا پرستی کے متعلق اچھی رائے قائم کریں اور اس کا اعزاز و اکرام کیا جائے، تو اس حدیث کی رو سے اس کی یہ خشوع و خضوع والی نماز اللہ کے یہاں کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتی، یا مثلاً ایک شخص دار الکفر سے دار الایمان کی طرف ہجرت کرتا ہے، اور اس کے لئے ہجرت کی ساری مشقتیں اور مصیبتیں سہتا ہے لیکن اس کی غرض اس ہجرت سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی نہیں بلکہ کوئی اور دنیاوی غرض پوشیدہ ہے، مثلاً دارالہجرت میں رہنے والی کسی عورت سے نکاح کی خواہش اس ہجرت کیلئے محرک ہوئی ہے تو یہ ہجرت ہجرت اسلام نہ ہوگی اور اللہ کے ہاں اس کا کوئی اجر نہ ہوگا، بلکہ الٹا نگاہ ہوگا، بس یہی ہے اس حدیث کا اصل منشاء۔

بڑے سے بڑا عمل بھی اگر اخلاص اور للہیت

سے خالی ہوگا تو وہ جہنم ہی میں لے جائے گا

ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے تین شخصوں کے متعلق عدالت الہیہ سے جہنم کا فیصلہ سنایا جائے گا۔ سب سے پہلے ایسے شخص کی پیشی ہوگی جو جہاد میں

شہید ہوا ہوگا۔ وہ جب حاضر عدالت ہوگا تو اللہ تعالیٰ پہلے اس کو اپنی نعمتیں جتنائے گا اور یاد دلانے گا وہ اس کو یاد آجائیں گی پھر اس سے فرمایا جائے گا بتلا تو نے ان نعمتوں کا کیا حق ادا کیا؟ اور کیا عمل کئے؟ وہ عرض کرے گا خداوند! میں نے تیری راہ میں جہاد کیا اور تیری رضا طلبی میں جان عزیز تک قربان کر دی، حق تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے تو نے تو صرف اس لئے جہاد کیا تھا کہ تو بہادر مشہور ہو، تو دنیا میں تیری بہادری کا چرچا ہو چکا، پھر اللہ کے حکم سے اس کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا، اسی طرح ایک ”عالم دین“ اور ”عالم قرآن“ حاضر عدالت کیا جائے گا اور اس سے بھی اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ تو نے کیا اعمال کیے؟ وہ کہے گا میں نے تیرے دین اور تیری کتاب کے علم کو پڑھا اور پڑھایا، اور یہ سب تیری رضا کے لئے کیا، حق تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے، تو نے تو عالم، قاری، اور مولانا کہلانے کے لئے یہ سب کچھ کیا تھا پھر بحکم خداوندی اس کو بھی دوزخ میں ڈال دیا جائے گا..... پھر اس کے بعد ایک شخص پیش ہوگا جس کو اللہ نے بہت کچھ مال و دولت دیا ہوگا، اس سے بھی سوال کیا جائے گا کہ تو نے کیا کیا؟ وہ عرض کرے گا کہ خداوند! میں نے خیر کا کوئی شعبہ ایسا نہیں چھوڑا جس میں تیری رضا جوئی کے لئے اپنا مال نہ خرچ کیا ہو، حق تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے تو نے تو صرف اس لئے مال خرچ کیا تھا کہ دنیا تجھ کو سخی کہے تو دنیا میں تیری سخاوت کا خوب چرچا ہو لیا۔ پھر اس کو بھی اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

(مسلم) ————— (اللہ پناہ میں رکھے نیتوں کے فساد بالخصوص ریاء و نفاق سے۔ آمین)

الغرض اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی عمل کام آئے گا جو صالح نیت سے یعنی محض رضائے الہی کے لئے کیا گیا ہو، دین کی خاص اصطلاح میں اسی کا نام اخلاص ہے۔

قرآن مجید میں مخلصوں اور غیر مخلصوں کی ایک مثال

قرآن پاک کی ذیل کی دو آیتوں میں صدقات و خیرات کرنے والے دو قسم کے آدمیوں کا ذکر کیا گیا ہے، ایک وہ لوگ جو مثلاً دنیا کے دکھاوے کیلئے اپنا مال مصارفِ خیر میں صرف کرتے ہیں اور دوسرے وہ جو محض اللہ کی رضا جوئی کی نیت سے غریبوں، مسکینوں اور حاجت مندوں کی مدد کرتے ہیں، ان دونوں گروہوں کے ظاہری عمل میں قطعی یک رنگی ہے، اور ظاہر ہے کہ آنکھ ان کے درمیان کسی فرق کا حکم نہیں کر سکتی لیکن قرآن پاک بتلاتا ہے کہ چونکہ ان کی نیتیں مختلف ہیں اسلئے ان دونوں کے عمل کے نتیجے بھی مختلف ہیں، ایک کا عمل سراسر برکت ہے اور

دوسرے کا بالکل اکارت:

كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا
يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ
كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ
فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا ط لَا
يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا ط
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ط

اس کو بالکل عارف نہ دے، تو ایسے ریاکار لوگ اپنی کمائی کا کچھ بھی پھل نہ لے سکیں گے اور ان
مسئلہ کو کہ ان کو اللہ اپنی ہدایت اور اس کے پیچھے پھنسے نہ محروم ہی رکھے گا۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ
ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ
أَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ مِّنْ بَرْنِوَةٍ
أَصَابَهَا وَابِلٌ فَاتَتْ أَكْطُلَهَا ضَعْفَيْنِ
(بقرہ ۲۶۷)

اُس پر جب زوروں کی بارش ہو تو وہ گونا گونا پھل لائے۔

تو اگرچہ ان دونوں نے بظاہر یکساں طور پر اپنا مال غریبوں، مسکینوں اور حاجت مندوں پر
خرچ کیا، مگر چونکہ ایک کی نیت محض دکھاوے کی تھی اس لئے لوگوں کے دیکھ لینے یا زیادہ سے
زیادہ اُن کی وقتی داد و تحسین کے سوا اس کو کچھ حاصل نہ ہوا، کیونکہ اس کی غرض اس اتفاق سے
اس کے سوا کچھ اور تھی ہی نہیں۔۔۔ لیکن دوسرے نے چونکہ اس ایثار و اتفاق سے صرف اللہ کی
رضا مندی اور اس کا فضل و کرم چاہا تھا اس لئے اللہ نے اس کو اس کی نیت کے مطابق پھل دیا۔
بس یہی وہ سنت اللہ اور قانون خداوندی ہے جس کا اعلان رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث
میں فرمایا ہے۔

اس دنیا میں صرف ظاہر پر تمام فیصلے کئے جاتے
ہیں اور آخرت میں نیتوں پر کئے جائیں گے
یہ عالم جس میں ہم ہیں اور ہم کو جس میں کام کرنے کا موقع دیا گیا ہے ”عالم ظاہر“ اور ”عالم

شہادت“ ہے اور ہمارے حواس و ادراکات کا دائرہ بھی یہاں صرف ظاہر اور مظاہر ہی تک محدود ہے، یعنی یہاں ہم ہر شخص کا صرف ظاہری چال چلن دیکھ کر ہی اس کے متعلق اچھی یا بُری رائے قائم کر سکتے ہیں۔ اور اسی کی بنیاد پر اس کے ساتھ معاملہ کر سکتے ہیں، ظاہری اعمال پر سے ان کی نیتوں، دل کے بھیدوں اور سینوں کے رازوں کے دریافت کرنے سے ہم قاصر ہیں اسی لئے حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا نَحْنُ تَحْكُمُ بِالظَّاهِرِ وَاللّٰهُ يَتَوَلَّى السَّرَائِرَ (یعنی ہمارا کام ظاہر پر حکم لگانا ہے اور مخفی راز اللہ کے سپرد ہیں) لیکن عالم آخرت میں فیصلہ کرنے والا اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہو گا اور وہاں اس کا فیصلہ نیتوں اور دل کے ارادوں کے لحاظ سے ہو گا، گویا احکام کے بارے میں جس طرح یہاں ظاہری اعمال اصل ہیں اور کسی کی نیت پر یہاں کوئی فیصلہ نہیں کیا جاتا، اسی طرح وہاں معاملہ اس کے برعکس ہو گا، اور حق تعالیٰ کا فیصلہ نیتوں پر ہو گا، اور ظاہری اعمال کو ان کے تابع رکھا جائے گا۔

حدیث کی خصوصی اہمیت

یہ حدیث اُن ”جوامع الکلم“ میں سے یعنی رسول اللہ ﷺ کے اُن مختصر، مگر جامع اور وسیع المعنی ارشادات میں سے ہے جو مختصر ہونے کے باوجود دین کے کسی بڑے اہم حصہ کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں۔ اور ”دریا کبوزہ“ کے مصداق ہیں۔ یہاں تک کہ بعض آئمہ نے کہا ہے کہ ”اسلام“ کا ایک تہائی حصہ اس حدیث میں آگیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ جو کچھ ان آئمہ نے فرمایا مبالغہ نہیں ہے بلکہ عین حقیقت ہے، کیونکہ اصولی طور پر اسلام کے تین ہی شعبے ہیں۔ ایمان (یعنی اعتقادات)، اعمال اور اخلاص۔ چونکہ یہ حدیث اخلاص کے پورے شعبہ پر حاوی ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ اسلام کا ایک تہائی حصہ اس میں آگیا ہے۔۔۔ اور پھر اخلاص وہ چیز ہے جس کی ضرورت ہر کام میں اور ہر قدم پر ہے، خاص کر جب بندہ کوئی اچھا سلسلہ شروع کرے خواہ وہ علمی ہو یا عملی تو وہ اس کا حاجتمند ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد اس کے سامنے ہو، اسی لئے بعض اکابر نے اپنی مؤلفات کو اسی حدیث سے شروع کرنا بہتر سمجھا ہے چنانچہ امام بخاری نے اپنی ”جامع صحیح“ کو اور ان کے بعد امام بغوی نے ”مصابیح“ کو اسی حدیث سے شروع کیا ہے، گویا اسی کو ”فاتحہ الکتاب“ بنایا ہے اور حافظ الحدیث ابن مہدی سے منقول ہے کہ جو شخص کوئی دینی کتاب تصنیف کرے اچھا ہو کہ وہ اسی حدیث سے اپنی کتاب کا آغاز کرے (آگے فرمایا) اور اگر میں کوئی کتاب لکھوں تو اس کے ہر باب کو اسی حدیث سے شروع کروں گا۔ (فتح الباری)

راقم السطور عرض کرتا ہے کہ اس ناچیز نے بھی اسی لئے اس حدیث پاک سے اپنی اس کتاب کا آغاز کیا ہے، اللہ تعالیٰ بخیر اتمام کی توفیق دے اور قبول فرمائے نیز اس ناچیز کو اور کتاب کے تمام ناظرین کو اخلاص و حسن نیت نصیب فرمائے۔

[اسکے بعد ایک خاص ترتیب سے وہ حدیثیں درج ہوں گی جن میں رسول اللہ ﷺ نے ایمان و اسلام کا ایمان کے ارکان اور شعبوں کا ایمان کے لوازم و شرائط کا ایمان کے برکات و ثمرات کا ایمان کے مفسدات و مناقضات کا ذکر فرمایا ہے۔۔۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے ”حدیث جبریل“ درج کی جا رہی ہے جو اصولی طور پر دین کے سارے شعبوں پر حاوی ہونے کی وجہ سے ”ام السنہ“ کہی جاتی ہے۔]

اسلام، ایمان اور احسان

(حدیث جبریل)

(۲) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَا يُرَى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ حَتَّى جَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى فَخْذَيْهِ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَتَصُومَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنْ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا، قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَعَجَبْنَا لَهُ يَسْأَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ؟ قَالَ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ قَالَ صَدَقْتَ، قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ؟ قَالَ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ، قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ؟ قَالَ مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ، قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنْ إِمَارَتِهَا قَالَ أَنْ تَلِدَ الْأُمَّةُ رَبَّتَهَا وَأَنْ تَرَى الْخُفَاةَ الْعَرَاةَ الْعَالَةَ رَعَاةَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبَنِيَانِ قَالَ ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ لِي يَا عُمَرُ أَتَدْرِي مِنَ السَّائِلِ؟ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّهُ جِبْرِيلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ

(رواه مسلم)

(ترجمہ) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے (اسی حدیث کی ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مجلس مبارک میں صحابہ کا ایک مجمع تھا اور حضرت اُن سے خطاب فرما رہے تھے (فتح) کہ اچانک ایک شخص سامنے سے نمودار ہوا، جس کے کپڑے نہایت سفید اور بال بہت ہی زیادہ سیاہ تھے۔ اور اُس شخص پر سفر کا کوئی اثر بھی معلوم نہیں ہوتا تھا، (جس سے خیال ہوتا تھا کہ یہ کوئی بیرونی شخص نہیں ہے) اور اسی کے ساتھ یہ بات بھی تھی کہ ہم میں سے کوئی شخص اس نووارد کو پہچانتا نہ تھا (جس سے خیال ہوتا تھا کہ یہ کوئی باہری آدمی ہے، تو یہ حاضرین کے حلقہ میں سے گزرتا ہوا آیا) یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آکر دوڑا اور اس طرح بیٹھ گیا کہ اپنے گھٹنے آنحضرت کے گھٹنوں سے ملا دیئے۔ اور اپنے ہاتھ حضور کی رانوں پر رکھ دیئے اور کہا اے محمد! مجھے بتلائیے کہ ”اسلام“ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ”اسلام“ یہ ہے (یعنی اس کے ارکان یہ ہیں کہ دل و زبان سے) تم یہ شہادت ادا کرو کہ ”اللہ“ کے سوا کوئی ”الہ“ (کوئی ذات عبادت و بندگی کے لائق) نہیں اور محمد اس کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور ماہ رمضان کے روزے رکھو، اور اگر حج بیت اللہ کی تم استطاعت رکھتے ہو تو حج کرو،۔۔۔ اس نووارد سائل نے آپ کا یہ جواب سن کر کہا، آپ نے سچ کہا۔۔۔ راوی حدیث حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم کو اس پر تعجب ہوا کہ یہ شخص پوچھتا بھی ہے اور پھر خود تصدیق و تصویب بھی کرتا جاتا ہے،۔۔۔ اس کے بعد اس شخص نے عرض کیا اب مجھے بتلائیے کہ ”ایمان“ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تم اللہ کو اور اُس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور یوم آخر یعنی روز قیامت کو حق جانو، اور حق مانو اور ہر خیر و شر کی تقدیر کو بھی حق جانو اور حق مانو، (یہ سن کر بھی) اس نے کہا، آپ نے سچ کہا۔۔۔ اس کے بعد اس شخص نے عرض کیا، مجھے بتلائیے کہ احسان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت و بندگی تم اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، کیونکہ اگرچہ تم اس کو نہیں دیکھتے ہو پر وہ تو تم کو دیکھتا ہی ہے، پھر اُس شخص نے عرض کیا مجھے قیامت کی بابت بتلائیے (کہ وہ کب واقع ہوگی) آپ نے فرمایا کہ جس سے یہ سوال کیا جا رہا ہے وہ اس کو سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ پھر اس نے عرض کیا تو مجھے اس کی کچھ نشانیاں ہی بتلائیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا (اس کی ایک نشانی تو یہ ہے کہ) لو نڈی اپنی مالکہ اور آقا کو جنے گی، (اور دوسری نشانی یہ ہے کہ) تم دیکھو گے کہ جن کے پاؤں میں جو تا اور تن پر کپڑا نہیں ہے، اور جو تہی دست اور بکریاں چرانے والے ہیں وہ بڑی بڑی عمارتیں بنانے لگیں گے اور اس میں ایک

دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کریں گے۔۔۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ یہ باتیں کر کے یہ نووارد شخص چلا گیا، پھر مجھے کچھ عرصہ گزر گیا، تو حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا، اے عمر! کیا تمہیں پتہ ہے کہ وہ سوال کرنے والا شخص کون تھا؟ میں نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں، آپ نے فرمایا کہ وہ جبریل تھے، تمہاری اس مجلس میں اس لئے آئے تھے کہ تم لوگوں کو تمہارا دین سکھادیں۔

(یہ حدیث صحیح مسلم کی ہے اور صحیح بخاری و مسلم میں یہی واقعہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بھی مروی ہے)

(تشریح) اس حدیث میں سائل کے سوال کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے پانچ امور کا بیان فرمایا ہے، اسلام، دوسرے ایمان، تیسرے احسان، چوتھے قیامت کے متعلق انتباہ کہ اس کا وقت خاص اللہ کے سوا کسی کے علم میں نہیں، اور پانچویں قیامت سے پہلے ظاہر ہونے والی بعض علامات۔۔۔۔۔ ان پانچوں چیزوں کے متعلق جو کچھ اس حدیث میں بیان فرمایا ہے وہ تشریح طلب ہے۔

(۱) اسلام کے اصل معنی ہیں اپنے کو کسی کے سپرد کر دینا، اور بالکل اسی کے تابع فرمان ہو جانا۔۔۔ اور اللہ کے بھیجے ہوئے اور اس کے رسولوں کے لئے ہوئے ”دین“ کا نام اسلام اسی لئے ہے کہ اُس میں بندہ اپنے آپ کو بالکل مولا کے سپرد کر دیتا ہے، اور اس کی مکمل اطاعت کو اپنا دستور زندگی قرار دے لیتا ہے، اور یہی اصل حقیقت ”دین اسلام“ کی اور اسی کا مطالبہ ہے ہم سے۔ فرمایا گیا ”وَاللّٰهُمَّ اِلٰهَ وَاَحَدٌ فَلَهٗ اَسْلَمُوْا“ (حج ع ۵) (تمہارا اللہ وہی الہ واحد ہے، لہذا تم اسی کے ”مسلم“ یعنی مطیع ہو جاؤ) اور اسی اسلام کے متعلق فرمایا گیا ہے ”وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ“ (نساء ع ۱۸) (اور اس سے بہتر کون ہو سکتا ہے جس نے اپنے کو خدا کے سپرد کر دیا اور وہ اس طرح ”مسلم بندہ“ ہو گیا) اور اسی اسلام کے متعلق اعلان فرمایا گیا ہے ”وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ“ (آل عمران ع ۹) (یعنی جس نے ”اسلام“ کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہا تو وہ ہرگز قبول نہ ہوگا، اور وہ آدمی آخرت میں بڑے گھائے اور ٹوٹے والوں میں سے ہوگا)۔۔۔ بہر حال ”اسلام“ کی اصل روح اور حقیقت یہی ہے کہ بندہ اپنے کو کلی طور پر اللہ کے سپرد کر دے اور ہر پہلو سے اس کا مطیع فرمان بن جائے۔

پھر انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی شریعتوں میں اس ”اسلام“ کے لئے کچھ مخصوص ارکان بھی ہوتے ہیں جن کی حیثیت اس ”حقیقت اسلام“ کے ”پیکر محسوس“ کی سی ہوتی ہے، اور اس

حقیقت کا نشوونما اور اس کی تازگی بھی انہی سے ہوتی ہے، اور وہ صرف تعبدی امور ہوتے ہیں، اور ظاہری نظر انہی ”ارکان“ کے ذریعہ فرق و امتیاز کرتی ہے۔ ان لوگوں کے درمیان جنہوں نے اپنا دستور حیات ”اسلام“ کو بنایا ہے، اور ان کے درمیان جنہوں نے نہیں بنایا۔

تو خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ”اسلام“ کا جو آخری اور مکمل دستور ہمارے پاس آیا ہے اس میں تو تحید خداوندی اور رسالت محمدی کی شہادت --- نماز --- زکوٰۃ --- روزہ اور حج بیت اللہ کو ”ارکان اسلام“ قرار دیا گیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں وارد ہوا ہے ”بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ الْخ“ (یعنی اسلام کی بنیاد ان پانچ چیزوں پر ہے)

بہر حال یہ پانچ چیزیں جن کو آپ نے یہاں اس حدیث میں ”اسلام“ کے جواب میں بیان فرمایا ”ارکان اسلام“ ہیں اور یہی گویا ”اسلام“ کے لئے ”پیکر محسوس“ ہیں۔ اسی واسطے اس حدیث میں انہی کے ذریعہ اسلام کا تعارف کرایا گیا ہے۔

(۲) ”ایمان“ کے اصل معنی کسی کے اعتبار اور اعتماد پر کسی بات کو سچ ماننے کے ہیں۔^۱ اور دین کی خاص اصطلاح میں ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے پیغمبر ایسی حقیقتوں کے متعلق جو ہمارے حواس اور آلات اور اک کے حدود سے ماوراء ہوں جو کچھ بتلائیں اور ہمارے پاس جو علم اور جو ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائیں ہم ان کو سچا مان کر اس میں ان کی تصدیق کریں اور اس کو حق مان کر قبول کر لیں۔ بہر حال شرعی ایمان کا تعلق اصولاً امور غیب ہی سے ہوتا ہے جن کو ہم اپنے آلات احساس و ادراک (آنکھ، ناک، کان وغیرہ) کے ذریعہ معلوم نہیں کر سکتے۔ مثلاً اللہ اور اس کی صفات اور اس کے احکام اور رسولوں کی رسالت اور ان پر وحی کی آمد، اور مہدباء و معاد کے متعلق ان کی اطلاعات، وغیرہ وغیرہ تو اس قسم کی جتنی باتیں اللہ کے رسول نے بیان

۱۔ فی التنبیل وما انت بمومن لنا ولو كنا صادقین سورۃ یوسف ع ۱۲ اسی واسطے ”ایمان“ کے ساتھ بالغیب کی قید بھی لگائی جاتی ہے۔ کما قال تعالیٰ یومنون بالغیب ۳ جو لوگ اللہ کے کسی پیغمبر کی حیات مقدمہ میں براہ راست ان کی زبان سے ان کی ہدایت اور تعلیم سنیں ان کے لیے تو ان کی ہر اس بات کی تصدیق شرط ایمان ہے جو پیغمبر ان کے سامنے اللہ کی طرف سے بیان کریں۔ اگر وہ ان کی ایسی ایک بات کا بھی انکار کریں گے تو مومن نہ رہیں گے لیکن جب پیغمبر اس و نیامی نہ رہیں تو صرف ان باتوں کی تصدیق کرنا شرط ایمان ہے جن کا ثبوت ان پیغمبر سے ایسے یقینی قطعی اور بدیہی طریقہ سے ہو جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ دین کی ایسی تعلیمات کو خاص علمی اصطلاح میں ضروریات دین کہتے ہیں، ان سب پر ایمان لانا شرط ایمان ہے، اگر ان میں سے کسی کا بھی کوئی انکار کرے تو مومن نہیں رہے گا اور اگر وہ پہلے مسلمان تھا تو اسلام سے اس کا رشتہ کٹ جائے گا۔ ۱۲

فرمائیں ان سب کو ان کی سچائی کے اعتماد پر حق جان کر ماننے کا نام اصطلاح شریعت میں ایمان ہے، اور پیغمبر کی اس قسم کی کسی ایک بات کو نہ ماننا یا اس کو حق نہ سمجھنا ہی اس کی تکذیب ہے، جو آدمی کو ایمان کے دائرہ سے نکال کر کفر کی سرحد میں داخل کر دیتی ہے۔ کئے پس آدمی کے مومن ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ”كُلُّ مَا جَاءَ بِهِ الرَّسُولُ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ“ کی (یعنی تمام ان چیزوں اور حقیقتوں کی جو اللہ کے پیغمبر اللہ کی طرف سے لائے) تصدیق کی جائے اور ان کو حق مان کر قبول کیا جائے۔۔۔ لیکن ان سب چیزوں کی پوری تفصیل معلوم ہونی ضروری نہیں ہے، بلکہ نفس ایمان کے لئے یہ اجمالی تصدیق بھی کافی ہے، البتہ کچھ خاص اہم اور بنیادی چیزیں ایسی بھی ہیں کہ ایمانی دائرہ میں آنے کے لئے ان کی تصدیق تعین کے ساتھ ضروری ہے۔ چنانچہ حدیث زیر تشریح میں ایمان سے متعلق سوال کے جواب میں جن امور کا ذکر فرمایا گیا ہے (یعنی اللہ، ملائکہ، اللہ کی کتابیں، اللہ کے رسول، روز قیامت اور ہر خیر و شر کی تقدیر) تو ایمانیات میں سے یہ وہی اہم اور بنیادی امور ہیں جن پر تعین کے ساتھ ایمان لانا ضروری ہے، اور اسی واسطے آنحضرت ﷺ نے ان کا ذکر صراحتاً اور تعین کے ساتھ فرمایا، اور قرآن پاک میں بھی یہ ایمانی امور اسی تفصیل اور تعین کے ساتھ مذکور ہیں۔ سورۃ بقرہ کے آخری رکوع میں ارشاد ہے:

۱۔ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلُّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ

(بقرہ ع ۳۰)

۲۔ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا

(نساء ع ۲۰)

ان امور ششگانہ میں سے ”تقدیر خیر و شر“ کا ذکر قرآن پاک میں اگرچہ ان ایمانیات کے ساتھ ان آیات میں نہیں آیا ہے، لیکن دوسرے موقع پر قرآن پاک نے اس کو بھی صراحتاً بیان فرمایا ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

(نساء ع ۱۰)

۳۔ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ

۱۔ (ترجمہ) رسول پر جو ہدایت اور تعلیم نازل ہوئی خود رسول کا بھی اس پر ایمان ہے اور سب مومنوں کا بھی، یہ سب ایمان رکھتے ہیں اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ۱۲
۲۔ (ترجمہ) جو بھی اللہ اور اس کے ملائکہ اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور یوم آخر سے کفر کرتے یعنی ان پر ایمان نہ لائے وہ بہت ہی زیادہ گمراہ ہو گیا اور گمراہی میں بہت دور نکل گیا ۱۲ ۳۔ اے پیغمبر! (بقیہ اگلے صفحے پر)

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

لَمْ يَرْدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحَ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ
صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا آيَةً“
(انعام ع ۱۵)

اب مختصر یہ بھی معلوم کرنا چاہئے کہ ان سب پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟

سوال اللہ پر ایمان لانے کا مطلب تو یہ ہے کہ اس کے موجود وحدۃ لاشریک خالق کائنات اور رب العالمین ہونے کا یقین کیا جائے، عیب و نقص کی ہر بات سے پاک، اور ہر صفت کمال سے اس کو متصف سمجھا جائے۔

اور ملائکہ پر ایمان لانا یہ ہے کہ مخلوقات میں ایک مستقل نوع کی حیثیت سے ان کے وجود کو حق مانا جائے اور یقین کیا جائے کہ وہ اللہ کی ایک پاکیزہ اور محترم مخلوق ہے۔ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ (انبیاء ۲) جس میں شر اور شرارت اور عصیان و بغاوت کا عنصر ہی نہیں بلکہ ان کا کام صرف اللہ کی بندگی اور اطاعت ہے (لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ) (تحریم ۱) ان کے متعلق کام ہیں اور ان کی ذیونیاں (فرائض) ہیں جن کو وہ خوبی سے انجام دیتے ہیں۔

ملائکہ کے متعلق ایک شبہ اور اس کا جواب

ملائکہ کے وجود پر یہ شبہ کہ اگر وہ موجود ہوتے تو نظر آتے سخت جاہلانہ شبہ ہے۔ دنیا میں کتنی ہی چیزیں ہیں جو باوجود موجود ہونے کے ہم کو نظر نہیں آتیں، کیا زمانہ حال کی خوردبینوں کی ایجاد سے پہلے کسی نے پانی میں، ہوا میں اور خون کے قطرہ میں وہ جراثیم دیکھے تھے جن کو خوردبین سے آج ہر آنکھ والا دیکھ سکتا ہے۔ اور کیا کسی آلہ سے بھی ہم اپنی روح کو دیکھ پاتے ہیں۔ تو جس طرح ہماری آنکھ خود اپنی روح کو دیکھنے سے اور بغیر خوردبین کے پانی وغیرہ کے جراثیم دیکھنے سے عاجز ہے، اسی طرح فرشتوں کو دیکھنے سے بھی وہ قاصر ہے۔۔۔ اور پھر کیا اس کی کوئی دلیل ہے کہ جس چیز کو ہم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے وہ موجود نہیں ہو سکتی؟ کیا ہماری آنکھوں اور ہمارے حواس نے کل عالم موجودات کا احاطہ کر لیا ہے؟ ایسی بات خاص کر اس زمانہ میں جب کہ

(۱)۔۔۔ گزشتہ سے پیوستہ) آپ اعلان فرما دیجئے کہ ہر چیز خدا کی طرف سے اور اس کے حکم سے ہے ۱۲

۱۔ اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے ”اسلام“ کے ماننے اور قبول کرنے کے لئے اس کے سینے کو کھول دیتا

ہے اور جس کے متعلق اس کا فیصلہ ضلالت کا ہو تا ہے اس کے سینے کو بھینچا ہوا اور تنگ کر دیتا ہے ۱۲

۲۔ بلکہ وہ محترم اور باعزت بندے ہیں ۱۲ ۳۔ وہ اللہ کے احکام کی نافرمانی نہیں کرتے، جو ظلم ان کو دیا

جاتا ہے وہ اس کے مطابق ہی کرتے ہیں ۱۲

روز روز نئے انکشافات ہو رہے ہیں، کوئی بڑا حتمی ہی کہہ سکتا ہے، دراصل انسان کا علم اور اس کے علمی ذرائع بہت ہی ناقص اور محدود ہیں۔ اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا (بنی اسرائیل ع ۱۰)

اور اللہ کی کتابوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ یقین کیا جائے کہ اللہ پاک نے اپنے رسولوں کے ذریعہ و قنایہ قنایہ ناسے بھیجے، ان میں سب سے آخر اور سب کا خاتم قرآن مجید ہے۔ جو پہلی سب کتابوں کا مصدق اور منہمکن بھی ہے، یعنی ان کتابوں میں جتنی ایسی باتیں تھیں جن کی تعلیم و تبلیغ ہمیشہ اور ہر زمانہ میں ضروری ہوتی ہے وہ سب اس قرآن میں لے لی گئی ہیں، گویا یہ تمام کتب سماویہ کے ضروری مضامین پر حاوی اور سب سے مستغنی کر دینے والی خدا کی آخری کتاب ہے، اور چونکہ وہ کتابیں اب محفوظ بھی نہیں رہیں اس لئے اب صرف یہی کتاب ہدایت ہے جو سب کے قائم مقام اور سب سے زیادہ مکمل ہے۔ اور زمانہ آخر تک اس کی حفاظت کی ذمہ داری اسی لئے خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (حجر ع ۱)

اور ”اللہ کے رسولوں“ پر ایمان لانا یہ ہے کہ اس واقعہ حقیقت کا یقین کیا جائے کہ اللہ نے اپنے بندوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے و قنایہ قنایہ مختلف علاقوں میں اپنے برگزیدہ بندوں کو اپنی ”ہدایت“ اور اپنی رضامندی کا دستور دے کر بھیجا ہے، اور انہوں نے پوری امانت و دیانت کے ساتھ خدا کا وہ پیغام بندوں کو پہنچا دیا، اور لوگوں کو راہ راست پر لانے کی پوری پوری کوششیں کیں، یہ سب پیغمبر اللہ کے برگزیدہ اور صادق بندے تھے (ان میں سے چند کے نام اور کچھ حالات بھی قرآن کریم میں ہم کو بتلائے گئے ہیں اور بہت سوں کے نہیں بتلائے گئے مِنْهُمْ مَنْ قَضٰصْنَا عَلَیْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَّمْ نَقْضْصْ عَلَیْكَ (مومن ع ۸)

بہر حال خدا کے ان سب رسولوں کی تصدیق کرنا اور بحیثیت پیغمبری ان کا پورا پورا احترام کرنا ایمان کے شرائط میں سے ہے، اور اسی کے ساتھ اس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ اللہ نے اس سلسلہ نبوت و رسالت کو حضرت محمد ﷺ پر ختم کر دیا، آپ خاتم الانبیاء اور خدا کے آخری رسول ہیں اور اب قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کے لئے نجات و فلاح آپ ہی کی اتباع اور آپ ہی کی ہدایت کی پیروی میں ہے۔ صَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّمْ عَلَیْهِ وَعَلٰی سَابِغِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی كُلِّ مَنْ اَتَّبَعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔

اور ”ایمان بالیوم الآخر“ یہ ہے کہ اس حقیقت کا یقین کیا جائے کہ یہ دنیا ایک دن قطعی طور

پر فنا کر دی جائے گی اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی خاص قدرت سے پھر سارے مردوں کو جلانے لگا اور یہاں جس نے جیسا کچھ کیا ہے اسی کے مطابق جزایا سزا اس کو دی جائے گی۔

معلوم ہونا چاہئے کہ چونکہ دین و مذہب کے سارے نظام کی بنیاد اس حیثیت سے جزا و سزا ہی کے عقیدہ پر ہے کہ اگر آدمی اس کا قائل نہ ہو تو پھر وہ کسی دین و مذہب اور اسکی تعلیمات و ہدایات کو ماننے اور اس پر عمل کرنے ہی کی ضرورت کا قائل نہ ہوگا، اس لئے ہر مذہب میں خواہ وہ انسانوں کا خود ساختہ ہو یا اللہ کا بھیجا ہوا، ”جزا و سزا“ کو بطور بنیادی عقیدہ کے تسلیم کیا گیا ہے۔ پھر انسانی دماغوں کے بنائے ہوئے مذاہب میں اس کی شکل تنازع و غیرہ تجویز کی گئی ہے، لیکن خدا کی طرف سے آئے ہوئے ادیان و مذہب کُل کے کُل اس پر متفق ہیں کہ اس کی صورت وہی حشر و نشر کی ہوگی جو اسلام بتلاتا ہے اور قرآن پاک میں اُس پر اس قدر استدلالی روشنی ڈالی گئی ہے کہ کوئی اعلیٰ درجہ کا حشر اور انتہائی قسم کا ناسمجھ ہی ہوگا جو ان قرآنی دلائل و براہین کے سامنے آجانے کے بعد بھی حشر و نشر اور بعث بعد الموت کو ناممکن اور محال یا مستبعد بھی کہے۔

اور ”ایمان بالقدر“ یہ ہے کہ اس بات پر یقین لایا جائے اور مانا جائے کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے (خواہ وہ خیر ہو یا شر) وہ سب اللہ کے حکم اور اس کی مشیت سے ہے۔ جس کو وہ پہلے ہی طے کر چکا ہے، ایسا نہیں ہے کہ وہ تو کچھ اور چاہتا ہو اور دُنیا کا یہ کارخانہ اُس کی منشاء کے خلاف اور اس کی مرضی کے علی الرغم چل رہا ہو، ایسا ماننے میں خدا کی انتہائی عاجزی اور بیچارگی لازم آئے گی۔

(۳) ”احسان“ اسلام و ایمان کے بعد سائل نے تیسرا سوال رسول اللہ ﷺ سے ”احسان“

۱۔ یہاں اسی ایک خط کشیدہ فقرہ میں مسئلہ تقدیر کے مشکل ترین پہلو کو سمجھانے کیلئے سمجھ سکے والوں کے واسطے ایک مختصر مگر کافی وافی اشارہ کر دیا گیا ہے۔ امام غزالیؒ نے اس مضمون کو پورے شرح و بسط سے بیان فرمایا ہے۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے صحیح مسلم کی شرح ”فتح الملہم“ میں اسی ”حدیث جبرئیل“ کے ذیل میں امام غزالیؒ کا وہ کلام اور اس کے علاوہ امام ابن القیمؒ ”اور شاہ ولی اللہ سے جو کچھ اس مسئلہ کے متعلق نقل کیا ہے اہل علم کے لئے وہ سب قابل دید اور لائق استفادہ ہے۔ اس مسئلہ پر اس سے زیادہ جامع اور طمانیت بخش کلام جس سے مسئلہ کی تمام مشکل گریں کھل جاتی ہوں، کہیں اور راقم السطور کی نظر سے نہیں گزرا۔ جو اہل علم اس مسئلہ کے بارے میں اطمینان اور تشفی حاصل کرنا چاہیں وہ ”فتح الملہم“ ہی کی طرف رجوع فرمائیں۔ چونکہ عام اردو خواں حضرات کے لئے ان دقیق مباحث کا سمجھنا مشکل ہوتا ہے اس لئے ہم نے یہاں ان کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا، اور جتنا کچھ سمجھنا ان کے لئے آسان ہو سکتا ہے وہ انشاء اللہ آئندہ تقدیر سے متعلق احادیث کی تشریح میں لکھا جائے گا ۱۲۔

کے متعلق کیا تھا کہ ”مَا الْإِحْسَانُ؟“ یعنی ”احسان“ کی کیا حقیقت ہے؟

یہ ”احسان“ بھی ایمان و اسلام کی طرح خاص و بیانی اور بالخصوص قرآنی اصطلاح ہے۔ فرمایا گیا ہے ”بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ“ (ہاں جس نے اپنے کو خدا کے سپرد کر دیا اور اس کے ساتھ ”احسان“ کا وصف بھی اس میں ہوا تو اس کے رب کے پاس اس کے لئے خاص اجر ہے)۔ اسی طرح دوسری جگہ فرمایا گیا ہے: ”وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ“ (اور اس سے اچھا دین میں کون ہو سکتا ہے جس نے اپنے کو خدا کے سپرد کر دیا اور ساتھ ہی وہ محسن (یعنی صاحب احسان بھی ہے)۔

ہماری زبان اور ہمارے محاورہ میں تو ”احسان“ کے معنی کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے ہیں، لیکن یہاں جس ”احسان“ کا ذکر ہے وہ اس کے علاوہ ایک خاص اصطلاح ہے اور اس کی حقیقت وہی ہے جو حدیث زیر تشریح میں آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائی یعنی خدا کی بندگی اس طرح کرنا جیسے کہ وہ قہار و قدوس اور ذوالجلال و الجبروت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور گویا ہم اس کو دیکھ رہے ہیں۔

اس کو یوں سمجھئے کہ غلام ایک تو اپنے آقا کے احکام کی تعمیل اس وقت کرتا ہے جبکہ وہ اس کے سامنے موجود ہو اور اس کو یقین ہو کہ وہ مجھے اچھی طرح دیکھ رہا ہے اور ایک رویہ اس کا اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ آقا کی غیر موجودگی میں کام کرتا ہے، عموماً ان دونوں وقتوں کے طرز عمل میں فرق ہوتا ہے، اور عام طور سے یہی ہوتا ہے کہ جس قدر دلی دھیان اور محنت اور خوبصورتی کے ساتھ وہ آقا کی آنکھوں کے سامنے کام کرتا اور جس خوش اسلوبی سے اس وقت وظائف خدمت کو انجام دیتا ہے، مالک کی عدم موجودگی میں اس کا حال وہ نہیں ہوتا، یہی حال بندوں کا اپنے حقیقی مولیٰ کے ساتھ بھی ہے جس وقت بندہ یہ محسوس کرے کہ میرا وہ مولیٰ حاضر ناظر ہے، میرے ہر کام بلکہ میری ہر حرکت اور ہر ہر سکون کو وہ دیکھ رہا ہے، تو اس کی ایک خاص کیفیت اور اس کی بندگی میں ایک خاص شان نیاز مندی ہوگی، جو اس وقت میں نہیں ہو سکتی جب کہ اس کا دل اس تصور و اس احساس سے خالی ہو۔۔۔ تو ”احسان“ یہی ہے کہ اللہ کی بندگی اس طرح کی جائے گویا کہ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے، اور ہم اس کے سامنے ہیں اور وہ ہم کو دیکھ رہا ہے۔ یہی مطلب ہے اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا کہ:

۱۔ حدیث کے اس ٹکڑے کا ایک اور مطلب بھی بیان کیا گیا ہے (بلکہ وہی زیادہ مشہور ہے) (بقیہ اگلے صفحے پر)

(الاحسان) اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ
احسان اس کا نام ہے کہ تم اللہ کی بندگی اس طرح کرو گویا کہ اس کو دیکھ رہے ہو۔ کیونکہ

اگرچہ تم اس کو نہیں دیکھتے ہو مگر وہ تو تم کو دیکھتا ہی ہے۔

(ایک انتباہ) حدیث کے اس ٹکڑے کی تقریر و توضیح بہت سے حضرات اس طرح کرتے ہیں کہ گویا اس کا تعلق خاص ”نماز“ ہی سے ہے، اور گویا اس کا مطلب بس یہ ہے کہ نماز پورے خضوع و خشوع سے پڑھی جائے۔ حالانکہ حدیث کے الفاظ میں اس خصوصیت کے لئے کوئی قرینہ موجود نہیں ہے، حدیث میں تو ”تَعْبُدُ“ کا لفظ ہے جس کے معنی مطلق عبادت اور بندگی کے ہیں لہذا نماز کے ساتھ آنحضرت کے اس ارشاد کو مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ بلکہ اسی حدیث کی ایک اور روایت میں بجائے ”تَعْبُدُ“ کے ”تَخْشَى“ کا لفظ بھی آیا ہے یعنی (الاحسان) اَنْ تَخْشَى اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ الخ جس کا ترجمہ یہ ہو گا کہ ”احسان“ یہ ہے کہ تم خدا سے اس طرح ڈرو کہ گویا اس کو دیکھ رہے ہو۔ الخ اور اسی واقعہ کی ایک روایت میں اس موقع پر یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ الْإِحْسَانُ أَنْ تَعْمَلَ لِلَّهِ كَأَنَّكَ تَرَاهُ الخ جس کا ترجمہ یہ ہو گا کہ ”احسان“ اس کا نام ہے کہ تم ہر کام اللہ کے لئے اس طرح کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ الخ ان دونوں

(..... گزشتہ سے پیوستہ) اور وہ یہ ہے کہ عبادت کرو اللہ کی اس طرح کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، پس اگر یہ مقام (مشاہدہ حق کا) تمہیں حاصل نہ ہو تو پھر عبادت کرو اس طرح اور اس تصور کے ساتھ کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ جو حضرات رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا یہ مطلب لیتے ہیں اُن کے نزدیک اس میں عبادت کے دوسروں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، ایک یہ کہ عبادت ”مشاہدہ حق“ کے ساتھ جو (جو مقام ہے عرفاء کا ملین کا) اور دوسرے یہ کہ عابد عبادت اس تصور کے ساتھ کرے کہ میں اللہ کے سامنے ہوں اور وہ مجھے دیکھ رہا ہو (یہ مقام ہے درجہ دوم کے عابدوں اور عارفوں کا)۔

یہ مطلب اگرچہ بعض بڑے اور مشہور ترین شارحین حدیث نے بھی بیان کیا ہے، لیکن بخیال ناقص حدیث کے الفاظ اس کو ادانہیں کرتے اور اقرب وہی مطلب ہے جس کو اس ناچیز نے ترجمہ میں اختیار کیا ہے اور امام نووی نے ”شرح مسلم“ میں، نیز علامہ سندی نے ”حواشی صحیح بخاری“ میں اسی کو اختیار کیا ہے اور اس کی بنا پر رسول اللہ ﷺ کے اس اثر کا حاصل یہ ٹھہرا ہے کہ: ”احسان“ یہ ہے کہ تم اللہ کی بندگی اس طرح کرو جیسے کہ اس کو دیکھ رہے ہو، کیونکہ اگرچہ تم اس کو دیکھتے نہیں ہو، مگر وہ تو تم کو دیکھتا ہی ہے۔ اور جب وہ تم کو دیکھ رہا ہو تو پھر عبادت اور بندگی ایسی ہی ہونی چاہئے جیسے کہ مولیٰ کے سامنے ہوتے ہوئے ہونی چاہئے۔ کیونکہ غلام آقا کے سامنے ہوتے ہوئے اسی لئے تو کام اچھی طرح کرتا ہے کہ وہ آقا اس کو دیکھتا ہوتا ہے۔ بہر حال حسن عبادت میں اصل موثر مولیٰ کا بندہ کو دیکھنا ہے اور وہ متحقق ہی ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم

روایتوں سے یہ بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے کہ ”احسان“ کا تعلق صرف نماز ہی سے نہیں ہے، بلکہ انسان کی پوری زندگی سے ہے۔ اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی ہر عبادت و بندگی اور اس کے ہر حکم کی اطاعت و فرمانبرداری اس طرح کی جائے اور اس کے مواخذہ سے اس طرح ڈرا جائے کہ گویا وہ ہمارے سامنے ہے اور ہماری ہر حرکت و سکون کو دیکھ رہا ہے۔

(۴) ”السَّاعَةُ“ یعنی ”قیامت“، اسلام، ایمان اور احسان کے متعلق سوالوں کے بعد آنحضرت ﷺ سے سائل نے عرض کیا تھا ”فَاغْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ؟“ یعنی مجھے قیامت کی بابت بتلائیے کہ کب آئیگی؟ آپ نے جواب دیا ”مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِاعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ“ (یعنی جس سے سوال کیا جا رہا ہے اسکو خود اس بارہ میں سائل سے زیادہ علم نہیں ہے) یعنی قیامت کے وقت خاص کا علم جس طرح سائل کو نہیں ہے مجھے بھی نہیں ہے۔ اس حدیث کی ابو ہریرہؓ والی روایت میں (جو صحیح بخاری میں بھی ہے) اس موقع پر یہ الفاظ اور ہیں ”فِي خَمْسٍ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ“ (یعنی رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمانے کے بعد کہ قیامت کے بارے میں (یہ فرمانے کے بعد کہ میرا علم سائل سے زیادہ نہیں ہے) یہ مزید افادہ فرمایا کہ یہ (وقت قیامت تو) ان پانچ چیزوں میں سے ہے جنکے متعلق قرآن کریم کی اس آیت (إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ الْخ) میں اعلان کر دیا گیا ہے کہ انکا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے اسکے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا۔

شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قیامت کے سوال کے جواب میں بجائے یہ فرمانے کے کہ ”مجھے اس کا علم نہیں“ یہ پیرایہ بیان (کہ اس بارے میں مسئول عنہ کا علم سائل سے زیادہ نہیں ہے) اس لئے اختیار فرمایا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ کسی سائل اور کسی مسئول کو بھی اس کا علم نہیں ہے، اور آیت قرآنی تلاوت کر کے آپ نے اس کو اور زیادہ محکم فرمادیا۔

۱۔ (ترجمہ) قیامت کا وقت ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا (جیسا کہ اس آیت میں فرمایا گیا ہے) یقیناً صرف اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کے وقت خاص کا علم اور وہی نازل کرتا ہے بارش (یعنی اسکے علم میں ہے کہ بارش کب اور کہاں ہوگی) اور وہ جانتا ہے اس کو جو رحموں میں ہوتا ہے اور کسی نفس کو پتہ نہیں کہ وہ کل کیا کرے گا۔ اور کسی نفس کو خبر نہیں کہ کس زمین میں اس کو موت آئے گی یقیناً اللہ ہی ان باتوں کا پورا جاننے والا ہے اور ان کی پوری خبر رکھنا والا ہے۔ ۱۲

(۵) علامات قیامت: وقت قیامت کے متعلق مذکورہ بالا جواب پانے کے بعد سائل نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تھا کہ ”فَاخْبِرْنِي عَنْ اَمَارَاتِهَا“ (مجھے قیامت کی کچھ نشانیاں ہی بتلائیے!) اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے دو خاص نشانیاں بیان فرمائیں۔

ایک یہ کہ ”لو نڈی اپنی مالکہ اور آقا کو جنے گی“ اور دوسری یہ کہ نادار اور ننگے اور بھوکے لوگ جن کا کام بکریاں چرانا ہو گا وہ بھی بڑی بڑی شاندار عمارتیں بنائیں گے۔

پہلی جو نشانی آپ نے بیان فرمائی اس کا مطلب شارحین حدیث نے کئی طرح سے بیان کیا ہے، راقم کے نزدیک سب سے زیادہ رائج توجیہ یہ ہے کہ قرب قیامت میں ماں باپ کی نافرمانی عام ہو جائے گی حتیٰ کہ لڑکیاں جنگلی سرشت میں ماؤں کی اطاعت اور وفاداری کا عنصر بہت غالب ہوتا ہے اور جن سے ماں کے مقابلہ میں سرکشی بظاہر بہت ہی مشکل اور مستبعد ہے، وہ بھی نہ صرف یہ کہ ماؤں کے مقابلہ میں نافرمان ہو جائیں گی بلکہ الٹی اس طرح ان پر حکومت چلائیں گی جس طرح ایک مالکہ اور سیدہ اپنی زر خرید باندی پر حکومت کرتی ہے۔ اسی کو حضرت نے اس عنوان سے تعبیر فرمایا ہے کہ ”عورت اپنی مالکہ اور آقا کو جنے گی۔“ یعنی عورت سے جو لڑکی پیدا ہوگی وہ بڑی ہو کر خود اس ماں پر اپنی حکومت چلائے گی اور کوئی شک نہیں کہ اس نشانی کے ظہور کی ابتدا ہو چکی ہے۔

اور دوسری جو نشانی حضرت نے بیان فرمائی کہ ”بھوکے ننگے اور بکریوں کے چرانے والے اونچے اونچے محل بنوائیں گے۔“ تو یہ اس طرف اشارہ ہے کہ قرب قیامت میں دنیوی دولت و بالاتری ان اراذل کے ہاتھوں میں آئے گی جو ان کے اہل نہ ہوں گے۔ اور ان کو بیس اونچے اونچے شاندار محل بنوانے سے شغف ہو گا اور اسی کو وہ سرمایہ فخر و مباہات سمجھیں گے اور اس میں اپنی اولوالعزمی دکھائیں گے اور ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کریں گے۔

ایک دوسری حدیث میں اسی مضمون کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے ”اِذَا وَسَدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَيْرِ اَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ“ (یعنی جب حکومتی اختیارات اور مناصب و معاملات نااہلوں کے سپرد ہونے لگیں تو پھر قیامت کا انتظار کرو۔)

زیر تشریح حدیث کے آخر میں ہے کہ اس سائل کے چلے جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بتلایا کہ یہ سائل جبریل امین تھے اور اس لئے سائل بن کر آئے تھے کہ اس سوال و جواب کے ذریعے صحابہ کو دین کی تعلیم و تذکیر ہو جائے۔

اس حدیث کی بعض روایات میں یہ تصریح بھی ہے کہ حضرت جبرئیل کی یہ آمد اور گفتگو رسول اللہ ﷺ کی عمر شریف کے آخری حصہ میں ہوئی تھی۔ (فتح الباری و عمدۃ القاری)
گویا تینیس سال کی مدت میں جس دین کی تعلیم مکمل ہوئی تھی اللہ تعالیٰ کی رحمت نے چاہا کہ جبرئیل کے ان سوالات کے جواب میں رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے پورے دین کا خلاصہ اور لب لباب بیان کرا کے صحابہؓ کے علم کی تکمیل کر دی جائے اور ان کو اس امانت کا امین بنادیا جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ دین کا حاصل بس تین ہی باتیں ہیں: (۱) یہ کہ بندہ اپنے کو بالکل اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار بنادے اور اس کی بندگی کو اپنی زندگی بنالے، اور اسی کا نام اسلام ہے اور ارکان اسلام اسی حقیقت کے مظاہر ہیں۔ (۲) اُن اہم غیبی حقیقتوں کو مانا جائے اور اُن پر یقین کیا جائے جو اللہ کے پیغمبروں نے بتلائیں اور جن کو ماننے کی دعوت دی اور اسی کا نام ایمان ہے۔ (۳) اور اللہ نصیب فرمائے تو اسلام و ایمان کی منزلیں طے کر لینے کے بعد تیسری اور آخری تکمیلی منزل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ایسا استحضار اور دل کو مراقبہ حضور و شہود کی ایسی کیفیت نصیب ہو جائے کہ اس کے احکام کی تعمیل اور اُس کی فرمانبرداری و بندگی اس طرح ہونے لگے کہ گویا اپنے پورے جمال و جلال کے ساتھ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور ہم کو دیکھ رہا ہے اور اسی کیف و حال کا نام احسان ہے۔

اسی طرح اس سوال و جواب میں گویا پورے دین کا خلاصہ اور عطر آگیا، اور اسی لئے اس حدیث کو علما نے ”ام السنہ“ بھی کہا ہے، گویا جس طرح قرآن مجید کے تمام اہم مطلب اور مضامین پر بالاجمال حاوی ہونے کی وجہ سے سورۃ فاتحہ کا نام ”ام الکتاب“ ہے اسی طرح یہ حدیث اپنی اس جامع حیثیت کی وجہ سے ”ام السنہ“ کہی جانے کی مستحق ہے اور اس کی اسی خصوصیت کی وجہ سے امام مسلم نے اپنی جلیل القدر کتاب صحیح مسلم کو مقدمہ کے بعد اسی حدیث سے شروع کیا ہے، اور امام بغوی نے بھی اپنی دونوں تالیفوں ”مصانح“ اور ”شرح السنہ“ کا آغاز اسی حدیث سے کیا ہے۔

یہ حدیث حضرت عمرؓ کی روایت سے جس طرح کہ یہاں نقل کی گئی صحیح مسلم میں ہے اور صحیح مسلم اور صحیح بخاری دونوں میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بھی یہ واقعہ مروی ہے اور دوسری کتب حدیث میں اور بھی چند صحابہ کرام سے یہ واقعہ روایت کیا گیا ہے۔

ارکان اسلام

(۳) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْإِسْلَامِ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةٌ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَاةِ الزَّكَاةَ وَالْحَجَّ وَصَوْمَ رَمَضَانَ (رواه البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر قائم کی گئی ہے، ایک اس حقیقت کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں (کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں) اور چھ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔۔۔ دوسرے نماز قائم کرنا۔۔۔ تیسرے زکوٰۃ ادا کرنا۔۔۔ چوتھے حج کرنا۔۔۔ پانچویں رمضان کے روزے رکھنا۔“ (بخاری و مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے استعارہ کے طور پر اسلام کو ایسی عمارت سے تشبیہ دی ہے جو چند ستونوں پر قائم ہو اور بتلایا ہے کہ عمارت اسلام ان پانچ ستونوں پر قائم ہے، لہذا کسی مسلمان کے لئے اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ وہ ان ارکان کے ادا کرنے اور قائم کرنے میں غفلت کرے، کیونکہ یہ اسلام کے بنیادی ستون ہیں۔ واضح رہے کہ اسلام کے فرائض ان ارکانِ خمسہ ہی میں منحصر نہیں ہیں، بلکہ ان کے علاوہ اور بھی ہیں، مثلاً جہاد فی سبیل اللہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وغیرہ، لیکن جو اہمیت اور جو خصوصیت ان پانچ کو حاصل ہے وہ چونکہ اوروں میں نہیں ہے اس لئے اسلام کا رکن صرف ان ہی کو قرار دیا گیا ہے اور خصوصیت و اہمیت وہی ہے جو پچھلے اوراق میں ”حدیث جبریل“ کی تشریح کے ضمن میں لکھی جا چکی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ ”ارکانِ خمسہ“ اسلام کے لئے بمنزلہ پیکر محسوس کے ہیں نیز یہی وہ خاص تعبدی امور ہیں جو بالذات مطلوب و مقصود ہیں اور ان کی فرضیت کسی عارض کی وجہ سے اور کسی خاص حال سے وابستہ نہیں ہے، بلکہ یہ مستقل اور دوامی فرائض ہیں، بخلاف جہاد اور امر بالمعروف کے، کہ ان کی یہ حیثیت نہیں ہے اور وہ خاص حالات میں اور خاص موقعوں پر فرض ہوتے ہیں۔

ارکانِ اسلام پر جنت کی بشارت!

(۴) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ نَهَيْتُنَا أَنْ نَسْأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ فَكَانَ يُعْجِبُنَا أَنْ يَجِيءَ الرَّجُلُ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ الْعَاقِلُ فَيَسْئَلُهُ وَنَحْنُ نَسْمَعُ فَيَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ! إِنَّا نَا رَسُولَكَ فَرَعَمَ لَنَا أَنْتَ تَرَعَمُ أَنَّ اللَّهَ أَرْسَلَكَ قَالَ صَدَقَ قَالَ فَمَنْ خَلَقَ السَّمَاءَ قَالَ اللَّهُ قَالَ فَمَنْ خَلَقَ الْأَرْضَ قَالَ اللَّهُ قَالَ فَمَنْ نَصَبَ هَذِهِ الْجِبَالِ وَجَعَلَ فِيهَا مَا جَعَلَ قَالَ اللَّهُ قَالَ فَبِالَّذِي خَلَقَ السَّمَاءَ وَخَلَقَ الْأَرْضَ وَ نَصَبَ هَذِهِ الْجِبَالِ اللَّهُ أَرْسَلَكَ؟ قَالَ نَعَمْ وَرَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا خُمْسَ صَلَوَاتٍ فِي يَوْمِنَا وَلَيْلَتِنَا قَالَ صَدَقَ قَالَ فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ اللَّهُ أَمَرَكَ بِهِذَا قَالَ نَعَمْ قَالَ وَرَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا زَكَاةً فِي أَمْوَالِنَا قَالَ صَدَقَ قَالَ فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ اللَّهُ أَمَرَكَ بِهِذَا؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَرَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا صَوْمَ شَهْرِ رَمَضَانَ فِي سَنَتِنَا قَالَ صَدَقَ قَالَ فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ اللَّهُ أَمَرَكَ بِهِذَا؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَرَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا حُجَّ الْبَيْتِ مَنْ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا قَالَ صَدَقَ قَالَ ثُمَّ وَلِيَّيْ وَلَقَالَ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا أُرِيدُ عَلَيْهِمْ وَلَا أَنْقُصُ مِنْهُمْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْتَ صَدَقَ لَيْدُ خُلُقِ الْجَنَّةِ

(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت انس بن مالک سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم کو ممانعت کر دی گئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (با) خاص ضرورت کے) کچھ پوچھیں تو ہم کو اس بات سے خوشی ہوتی تھی کہ کوئی سمجھدار بدوی حضرت کی خدمت میں آئے اور آپ سے کچھ پوچھے اور ہم سنیں۔ تو ان ہی ایام میں ایک بدوی خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کیا: ”اے محمد! تمہارا قاصد (یا مبلغ) ہمارے پاس پہنچا تھا اس نے ہم سے بیان کیا کہ تمہارا کہنا ہے کہ اللہ نے تم کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے؟“ حضور نے فرمایا: ”اے تم سے ٹھیک کہا۔“ اُس کے بعد اُس بدوی نے کہا: ”تو بتاؤ کہ آسمان کس نے بنایا ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”اللہ نے!“ اُس نے کہا: ”زمین کس نے بنائی۔“ آپ نے فرمایا: ”اللہ نے۔“ اس نے کہا زمین پر یہ پہاڑ کس نے کھڑے کئے ہیں اور ان پہاڑوں میں اور جو کچھ بنا ہے وہ کس نے بنایا ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”اللہ نے!“ اُس کے بعد اُس بدوی سائل نے آپ سے کہا: ”پس قسم ہے اُس ذات کی جس نے

آسمان بتایا زمین بنائی اور اس پر پہلا نصب کئے، کیا اللہ ہی نے تم کو بھیجا ہے؟“ آپؐ نے فرمایا: ”بیشک مجھے اللہ ہی نے بھیجا ہے۔“ پھر اُس نے کہا: ”تمہارے اُس قاصد نے ہم سے یہ بھی بیان کیا تھا، کہ ہم پر دن رات میں پانچ نمازیں بھی فرض ہیں؟“ حضورؐ نے فرمایا: ”یہ بھی اُس نے تم سے ٹھیک کہا!“ اُس بدوی نے کہا: ”تو قسم ہے آپؐ کے بھیجنے والے کی، کیا اللہ نے ہی آپؐ کو ان نمازوں کا بھی حکم کیا ہے؟“ آپؐ نے فرمایا: ”ہاں! یہ اللہ ہی کا حکم ہے!“ پھر بدوی نے کہا: ”اور آپؐ کے قاصد نے بیان کیا تھا کہ ہمارے مالوں میں زکوٰۃ بھی مقرر کی گئی ہے؟“ آپؐ نے فرمایا: ”یہ بھی اُس نے تم سے سچ کہا!“ اعرابی نے کہا: ”تو قسم ہے آپؐ کو بھیجنے والے کی، کیا اللہ نے آپؐ کو اس کا حکم کیا ہے؟“ آپؐ نے فرمایا: ”ہاں! یہ بھی اللہ ہی کا حکم ہے!“ پھر اُس اعرابی نے کہا، کہ: ”آپؐ کے قاصد نے بیان کیا تھا کہ سال میں ماہ رمضان کے روزے بھی ہم پر فرض ہوئے ہیں؟“ آپؐ نے فرمایا: ”یہ بھی اُس نے سچ کہا۔“ اعرابی نے عرض کیا: ”تو قسم ہے آپؐ کے بھیجنے والے کی، کیا اللہ نے آپؐ کو اس کا حکم دیا ہے؟“ آپؐ نے فرمایا: ”ہاں! یہ بھی اللہ ہی کا حکم ہے!“ اُس کے بعد اعرابی نے کہا: ”اور آپؐ کے قاصد نے ہم سے یہ بھی بیان کیا، کہ ہم میں سے جو حج کے لئے مکہ پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو اُس پر بیت اللہ کا حج بھی فرض ہے؟“ آپؐ نے فرمایا: ”یہ بھی اُس نے سچ کہا۔“ (راوی کا بیان ہے، کہ) یہ سوال وجواب ختم کر کے وہ اعرابی چل دیا، اور چلتے ہوئے اُس نے کہا: ”اُس ذات کی قسم! جس نے آپؐ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں ان میں نہ کوئی زیادتی کروں گا، اور نہ کوئی کمی۔“ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ”اگر یہ صادق ہے، تو ضرور جنت میں جائے گا!“

(تشریح) شروع حدیث میں ”سوال کی ممانعت“ کا جو ذکر آیا ہے، اُس کا اشارہ قرآن پاک کی آیت: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنۡ اٰثِمِيَّاءۡ تُبَدِّلُكُمْ تَسْنُوْكُمْ“ کی طرف سے، بات یہ ہے کہ نئے نئے سوالات کرنا انسان کی فطرت ہے، لیکن اس عادت کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طبائع کار، حجان، مویشا گفیوں، ہی کی طرف زیادہ بڑھ جاتا ہے اور ان میں باتوں کی کھود کرید زیادہ پیدا ہو جاتی ہے، اور عمل اسی نسبت سے کم، نیز اس میں وقت بھی ضائع ہوتا ہے، اور بالخصوص پیغمبر وقت سے زیادہ سوال کرنے میں ایک خرابی یہ بھی ہوتی ہے کہ اُس کی جانب سے جواب ملنے کے بعد اُمت کی پابندیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے، غرض ان ہی وجوہ سے غیر ضروری سوالات کرنے کی صحابہ کرامؓ کو بھی ممانعت فرمادی گئی تھی جس کے بعد وہ بہت ہی کم

سوال کرتے تھے، اور اس کے آرزو مند رہا کرتے تھے، کہ کوئی بدوی آئے اور وہ آپ سے کچھ پوچھے، تو ہم کو بھی کچھ سننے کو مل جائے، کیونکہ پیارے بدویوں کے لئے حضور ﷺ کے یہاں بڑی وسعت تھی، اور اسی حدیث کی ایک روایت میں حضرت انسؓ ہی کی یہ تصریح بھی اس بارے میں مروی ہے کہ ”بدوی آپ کے یہاں سوالات میں بڑے جری تھے، اور جو چاہتے تھے بے دھڑک پوچھتے تھے۔“ (فتح الباری بحوالہ صحیح ابی عوانہ)

صحیح بخاری کی اسی حدیث کی روایت میں ہے کہ آخر میں چلتے ہوئے سائل نے یہ بھی بتلایا کہ میں قبیلہ بنی سعد بن بکر کا ایک فرد ہوں میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے، اور میں اپنی قوم کی طرف سے نمائندہ ہو کر آیا ہوں۔

نیز بخاری ہی کی روایت میں ہے کہ انہوں نے آکر پہلے ہی آنحضرت ﷺ سے عرض کر دیا تھا کہ:

اِنِّیْ سَاۤلِیْکَ فَمُسَدِّدٌ عَلَیْکَ فِی الْمَسْئَلَةِ فَلَا تَجِدْ عَلَیَّ فِیْ نَفْسِکَ فَقَالَ سَلْ عَمَّا بَدَا لَکَ

میں آپ سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں، مگر سوال میں میرا رویہ سخت ہو گا تو آپ ﷺ مجھ پر خفا نہ ہوں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”پوچھو جو تمہارے جی میں آئے۔“

اس کے بعد وہ سوال و جواب ہوئے جو حدیث میں مذکور ہوئے۔ اس سائل نے چلتے ہوئے آخر میں قسم کھا کر جو یہ کہا کہ:

لَا اَزِیْدُ عَلَیْہُمْ وَلَا اَنْقُصُ مِنْہُمْ

کہ میں ان میں کوئی کمی بیشی نہیں کروں گا

تو غالباً اس سے اُس کا مطلب یہی تھا کہ میں آپ کی اس تعلیم و ہدایت کا پورا پورا اتباع کروں گا اور اپنی طبعیت اور اپنے جی سے اُس میں کوئی زیادتی کمی نہیں کروں گا، اور دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں آپ کا یہ پیغام جوں کا توں ہی اپنی قوم کو پہنچاؤں گا، اور اپنی طرف سے اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کروں گا۔

دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے اپنی قوم میں پہنچ کر بڑے جوش اور سرگرمی کے ساتھ تبلیغ شروع کی، بُت پرستی کے خلاف اتنی کھل کر تقریریں کیں کہ اُن کے بعض عزیزوں نے ان سے کہا کہ:

یَا ضِمَامُ اِنِّی الْبُرْصَ وَالْجَدَامَ اَتِّی الْجُنُوْنَ

اے ضمام! برص، کوڑھ اور جنون سے ڈر (دیوتاؤں کی مخالفت سے کہیں تو کوڑھی اور

(دیوانہ نہ بن جائے)

مگر اللہ پاک نے ان کی تبلیغ میں اتنی برکت دی کہ صبح کو جو لوگ ضمام کو کوڑھ اور دماغ کی خرابی سے ڈرا رہے تھے شام کو وہ بھی بُت پرستی سے بیزار اور توحید کے حلقہ بگوش ہو گئے، اور سارے قبیلے میں ایک تنفس بھی غیر مومن نہیں رہا۔ فرضی اللہ عنہم وعنا اجمعین۔

(۵) عَنْ أَبِي أَيُّوبَ أَنَّ أَعْرَابِيًّا عَرَضَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي سَفَرٍ فَأَخَذَ بِحِطَامِ نَاقَتِهِ (أَوْ بِزِمَامِهَا) ثُمَّ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ (أَوْ يَا مُحَمَّدَ) أَخْبِرْنِي بِمَا يُقَرِّبُنِي مِنَ الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُنِي مِنَ النَّارِ؟ قَالَ فَكَفَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ نَظَرَ فِي أَصْحَابِهِ ثُمَّ قَالَ لَقَدْ وَفَّقَ (أَوْ لَقَدْ هَدَى) قَالَ كَيْفَ قُلْتَ؟ فَأَعَادَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْبُدُ اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَتَقِيْمُ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ وَتَصِلُ الرَّحِمَ دَعِ النَّاقَةَ (رواه مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ایوبؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے، کہ ایک بدوی سامنے آکھڑا ہوا، اور اُس نے آپ کے ناکہ کی مہار پکڑ لی پھر کہا اے اللہ کے رسول! (یا آپ کا نام لے کر کہا کہ اے محمد!) مجھے وہ بات بتاؤ جو جنت سے مجھے قریب اور آتش دوزخ سے دور کر دے؟ راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ رک گئے (یعنی آپ نے اس سوال کا جواب دینے کیلئے اپنی ناکہ کو روک لیا) پھر اپنے رفقاء کی طرف آپ نے دیکھا اور (اُن کو متوجہ کرتے ہوئے) فرمایا کہ اس کو اچھی توفیق ملی (یا فرمایا کہ اس کو خوب ہدایت ملی) پھر آپ نے اس اعرابی سائل سے فرمایا کہ ”ہاں! اور پھر کہنا تم نے کس طرح کہا؟ سائل نے اپنا وہی سوال پھر دہرایا (مجھے وہ بات بتاؤ، جو جنت سے مجھے نزدیک اور دوزخ سے دور کر دے) حضور ﷺ نے فرمایا ”عبادت اور بندگی کرتے رہو صرف اللہ کی اور کسی چیز کو اُس کے ساتھ کسی طرح بھی شریک نہ کرو، اور نماز قائم کرتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو، اور صلہ رحمی کرو۔ (یعنی اپنے اہل قربات کے ساتھ حسبِ مراتب اچھا سلوک رکھو، اور اُنکے حقوق ادا کرو) یہ بات ختم فرما کر حضرت نے اُس بدوی سے فرمایا کہ ”اب ہماری ناکہ کی مہار چھوڑ دو۔“ (مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جنت سے قریب اور جہنم سے بعید کرنے والے اعمال میں سے صرف اللہ کی خالص عبادت، اقامتِ صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ اور صلہ رحمی ہی کا ذکر فرمایا۔ حتیٰ کہ روزہ اور حج کا بھی ذکر نہیں کیا، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی کے لئے بس یہی چار باتیں کافی ہیں، اور ان کے علاوہ جو فرائض و واجبات ہیں وہ غیر ضروری یا غیر اہم ہیں۔

ایسا سمجھنا اور احادیث میں اس قسم کی موٹگافیاں پیدا کرنا فی الحقیقت سلامتِ فہم اور خوش مذاقی سے بہت دور ہے۔ حدیث کے طالب علم کو یہ اصول ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ امت کے لئے ایک شفیق معلم اور مشفق مربی ہیں آپ کوئی مصنف اور مؤلف نہیں ہیں۔ اور شفیق معلم کا طریقہ یہی ہوتا ہے اور یہی اُس کے لئے صحیح بھی ہے کہ وہ جس موقع پر جس بات کی تلقین و تعلیم زیادہ مناسب سمجھتا ہے بس اُس وقت اتنی ہی بات بتلاتا ہے۔ یہ طریقہ ”مصنفوں“ کا ہے کہ جہاں وہ جس موضوع پر کلام کرتے ہیں اُس کے تمام اطراف و جوانب اور مالہ و معالیہ کو اُسی جگہ بیان کرتے ہیں کسی شفیق و معلم مربی کی تعلیم و تلقین میں بھی مصنفین و ارباب فنون کا یہی طرز بیان تلاش کرنا درحقیقت خود اپنی بدذوقی ہے۔ پس روزہ، حج اور جہاد وغیرہ کا اس حدیث میں جو ذکر نہیں ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ اُس وقت اس سائل کو ان ہی چار باتوں کی تذکیر و ترغیب کی خاص ضرورت تھی، اور شاید اس کا سبب یہ ہو کہ عموماً ان ہی چار چیزوں میں لوگوں سے کوتاہی زیادہ ہوتی ہے، یعنی اقامتِ صلوٰۃ ادائے زکوٰۃ اور صلہ رحمی میں غفلت و کوتاہی اور اللہ کے ساتھ شرک کا خطرہ دوسری قسم کی کوتاہیوں سے زیادہ رہتا ہے۔ آج بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ روزہ اور حج جن پر فرض ہے ان میں ان کے تارک اتنے نہیں ہیں جتنے نماز و زکوٰۃ اور صلہ رحمی وغیرہ حقوق العباد کی ادائیگی میں غفلت کرنے والے ہیں یا جو کسی قسم کے جلی یا خفی شرک میں ملوث ہیں۔۔۔ ایسے آدمی تو شاید تلاش کرنے سے بھی نہ مل سکیں جو نماز و زکوٰۃ اور حقوق العباد کی ادائیگی کے تو کما حقہ پابند ہوں لیکن روزہ اور حج باوجود فرضیت کے ادا نہ کرتے ہوں، لیکن آپ ایسوں کو گن بھی نہیں سکتے جو رمضان آنے پر روزے تو رکھ لیتے ہیں، مگر نماز کے پابند نہیں، یا اگرچہ حج تو انہوں نے کر لیا ہے لیکن زکوٰۃ اور صلہ رحمی جیسے حقوق عباد کے معاملے میں وہ سخت کوتاہ کار ہیں۔۔۔ الغرض بہت ممکن ہے کہ اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے اُس وقت صرف ان ہی چار باتوں کی تلقین پر اکتفا فرمایا ہو۔ واللہ اعلم۔

صحیح مسلم ہی کی اسی حدیث کی دوسری روایت کے آخر میں ایک فقرہ یہ بھی ہے کہ جب وہ اعرابی چلا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اگر یہ مضبوطی سے ان احکام پر عمل کر تارہا تو یقیناً جنت میں جائے گا۔“

اس حدیث کی روایت میں تین جگہ راوی نے اپنے شک کو ظاہر کیا ہے:

۱۔ ایک یہ کہ ناٹہ کی مہار کے لئے اوپر کے راوی نے ”خطام“ کا لفظ بولا تھا یا ”زمام“ کا۔

۲۔ دوسرے یہ کہ سائل نے آنحضرت ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے ”یا رسول اللہ“ کہا تھا یا ”یا محمد!“۔

۳۔ تیسرے یہ کہ حضور ﷺ نے اُس کی بابت صحابہؓ سے ”لَقَدْ وَفَّقَ“ کہا تھا یا ”لَقَدْ هُدِيَ“۔

راوی کے اس اظہار شک سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے راویان حدیث نقل حدیث و روایت میں کس درجہ محتاط اور خدا ترس تھے، کہ تین جگہ صرف لفظوں میں اُن کو شک ہے کہ اوپر کے راوی نے یہ لفظ بولا تھا یا یہ لفظ، تو اپنے اس شک کو بھی ظاہر کر دیا، حالانکہ تینوں جگہ معنی میں خفیف سی کوئی تبدیلی بھی نہیں ہوتی تھی۔

(ف) اس حدیث سے آنحضرت ﷺ کی شفقتِ پیغمبرانہ کا بھی کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے، کہ آپ ﷺ سفر میں ہیں، ناکہ پر سوار چلے جا رہے ہیں (اور ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کا سفر یقیناً کسی دینی مهم ہی کے سلسلے کا سفر ہوگا) اثناءِ راہ میں ایک بالکل نا آشنا بدوی سامنے آکر ناکہ کی مہار پکڑ کے کھڑا ہو جاتا ہے اور پوچھتا ہے کہ ”مجھے جنت سے قریب اور دوزخ سے دُور کرنے والی بات بتلاؤ۔“ آپ ﷺ اُس کے اس طرزِ عمل سے ناراض نہیں ہوتے، بلکہ اُس کی دینی حرص کی ہمت افزائی فرماتے ہیں، اور اپنے رفقاء سفر کو متوجہ کر کے ارشاد فرماتے ہیں کہ ”اس کو اچھی توفیق ملی۔“ پھر اپنے ان رفیقوں کو بھی سائل کی زبان ہی سے اس کا سوال سنانے کے لئے اُس سے فرماتے ہیں۔ ”ذرا پھر کہو، تم نے کیسے کہا؟“ اس کے بعد جواب دیتے ہیں اور آخر میں فرماتے ہیں ”ذِعِ النَّاقَةَ“ (اچھا اب ہماری ناکہ کی مہار چھوڑ دو) اللہ اکبر! پیغمبری کیا ہے، شفقت و رحمت کا ایک مجسم پیکر ہے۔ (فصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سعة رحمته ورافته) مگر یہاں یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ یہ سائل ایک ”اعرابی“ تھا۔ ع ”موسیا آداب دانا دیگر اند“

(۶) عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدٍ أَنَّ اللَّهَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ ثَائِرِ الرِّاسِ نَسَمَعُ دَوَى صَوْتِهِ وَلَا نَفْقَهُ مَا يَقُولُ حَتَّى دَنَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا هُوَ يَسْأَلُ عَنِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ فَقَالَ هَلْ عَلَى غَيْرِ هُنَّ فَقَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ فَقَالَ هَلْ عَلَى غَيْرِهِ فَقَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ قَالَ وَذَكَرَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الذَّكُورَةَ فَقَالَ هَلْ عَلَى غَيْرِهَا فَقَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطْوَعَ قَالَ
فَادْبَرَ الرَّجُلُ وَهُوَ يَقُولُ وَاللَّهِ لَا أَزِيدُ عَلَى هَذَا وَلَا أَنْقُصُ مِنْهُ فَقَالَ أَفْلَحَ
الرَّجُلُ إِنَّ صَدَقَ (رواه البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ ایک شخص جو علاقہ نجد کا رہنے والا تھا، اور اُسکے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے (کچھ کہتا ہوا) رسول اللہ ﷺ کی طرف کو آیا، ہم اُس کی ہنسنابٹ (گونج) تو سنتے تھے مگر (آواز صاف نہ ہونے کی وجہ سے اور شاید فاصلے کی زیادتی بھی اس کی وجہ ہو) ہم اُس کی بات کو سمجھ نہیں رہے تھے، یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے قریب آگیا، اب وہ سوال کرتا ہے اسلام کے بارے میں (یعنی اُس نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ ”مجھے اسلام کے وہ خاص احکام بتلائیے جن پر عمل کرنا بحیثیت مسلمان کے میرے لئے اور ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے“) آپ ﷺ نے فرمایا ”پانچ تو نمازیں ہیں دن رات میں (جو فرض کی گئی ہیں اور اسلام میں یہ سب سے اہم اور اول فریضہ ہے)“ اُس نے عرض کیا کہ ”کیا ان کے علاوہ کوئی نماز بھی میرے لئے لازم ہوگی؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں! (فرض تو بس یہی پانچ نمازیں ہیں) مگر تمہیں حق ہے کہ اپنی طرف سے اور اپنے دل کی خوشی سے (ان پانچ فرضوں کے علاوہ) اور بھی زائد نمازیں پڑھو (اور مزید ثواب حاصل کرو)۔“ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ”اور سال میں پورے مبینہ رمضان کے روزے فرض کئے گئے ہیں (اور یہ اسلام کا دوسرا عمومی فریضہ ہے)۔“ اُس نے عرض کیا ”کیا رمضان کے علاوہ کوئی اور روزہ بھی میرے لئے لازم ہوگا؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں! (فرض تو بس رمضان ہی کے روزے ہیں) مگر تمہیں حق ہے کہ اپنے دل کی خوشی سے تم اور نقلی روزے رکھو (اور اللہ تعالیٰ کا مزید قرب اور ثواب حاصل کرو)۔“ راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اُس شخص سے فریضہ زکوٰۃ کا بھی ذکر فرمایا، اُس پر بھی اُس نے یہی کہا، کہ ”کیا زکوٰۃ کے علاوہ کوئی اور صدقہ ادا کرنا بھی میرے لئے ضروری ہوگا؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں! (فرض تو بس زکوٰۃ ہی ہے) مگر تمہیں حق ہے کہ اپنے دل کی خوشی سے تم نقلی صدقے دو (اور مزید ثواب حاصل کرو)۔“ راوی حدیث طلحہ بن عبید اللہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد وہ سوال کرنے والا شخص واپس لوٹ گیا اور وہ کہتا جا رہا تھا کہ (مجھے جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے بتلایا ہے) میں اُس میں (اپنی طرف سے) کوئی زیادتی کمی نہیں کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے (اُس کی یہ بات سن کر) فرمایا: ”فلاح پالی اس نے اگر یہ سچا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں بھی ارکان اسلام میں سے آخری رکن ”حج“ کا ذکر نہیں ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ واقعہ حج فرض ہونے سے پہلے کا ہو، حج کی فرضیت کا حکم بنا بر قول مشہور ۸ھ یا ۹ھ میں آیا ہے، پس ممکن ہے کہ یہ واقعہ اس سے پہلے کا ہو۔ اور دوسری بات یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تو اس موقع پر حج کا اور اسلام کے دوسرے اہم احکام کا بھی ذکر فرمایا ہو، مگر روایت کے وقت صحابیؓ نے اختصار کر دیا ہو، اور واقعہ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، چنانچہ اسی حدیث کی صحیح بخاری کی ایک روایت میں نماز، اور زکوٰۃ کے ذکر کے بعد راوی حدیث طلحہ بن عبید اللہ کی طرف سے یہ الفاظ بھی روایت کئے گئے ہیں کہ ”فَاخْبِرْهُ عَنْ شَرَائِعِ الْإِسْلَامِ“ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو اسلام کے احکام بتلائے۔

ارکان اسلام کی دعوت میں ترتیب و تدریج

(۷) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ حِينَ بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ إِنَّكَ سَتَأْتِي قَوْمًا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ فَإِذَا جَنَّتْهُمْ فَأَذْعُهُمْ إِلَى أَنْ يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لَكَ بِذَلِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْكُمْ خُمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لَكَ بِذَلِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْكُمْ صَدَقَةً تَوْخِذُ مِنْ أَغْيَانِهِمْ

فَقُرْدُ عَلَى فُقَرَائِهِمْ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لَكَ بِذَلِكَ فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ وَأَتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ حِجَابٌ. (رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب معاذ بن جبلؓ کو یمن کی طرف بھیجا، تو (رخصت کرتے ہوئے) اُن سے فرمایا:

”تم وہاں اہل کتاب میں سے ایک قوم کے پاس پہنچو گے، پس جب تم اُن کے پاس جاؤ، تو (سب سے پہلے) اُن کو اس کی دعوت دینا، کہ وہ شہادت دیں (یعنی دل و زبان سے قبول کریں) کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، پس اگر وہ تمہاری یہ بات مان لیں، اور یہ شہادت ادا کریں، تو پھر تم اُن کو بتلانا، کہ اللہ نے دن رات میں تم پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں؟ پھر جب وہ اس میں بھی تمہاری اطاعت کریں، تو اس کے بعد تم اُن کو بتلانا، کہ

اللہ نے تم پر زکوٰۃ بھی فرض کی ہے، جو قوم کے مالداروں سے لی جائے گی، اور اسی کے فقراء و مساکین کو دے دی جائے گی، پھر اگر وہ تمہاری یہ بات بھی مان لیں، تو پھر (زکوٰۃ وصول کرتے وقت چھانٹ چھانٹ کے) ان کے نفیس نفیس اموال نہ لینا، اور مظلوم کی بددعا سے بہت بچنا، کیونکہ اُسکے اور اللہ درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔“ (بخاری: مسلم)

(تشریح) امام بخاری وغیرہ بعض علماء کی تحقیق کے مطابق صحابہؓ میں، اور اکثر علماء سیر و اہل مغازی کے نزدیک ۹ھ میں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تھا، اور رخصت کرتے وقت، اہل یمن کو اسلام کی دعوت دینے کے متعلق آپ نے ان کو یہ ہدایات دی تھیں۔۔۔ بعض لوگوں کو اس حدیث میں بھی یہ اشکال ہوا ہے کہ اس میں حضور ﷺ نے صرف نماز اور زکوٰۃ کا ذکر فرمایا، حالانکہ اُس وقت روزہ اور حج کی فرضیت کا حکم بھی آچکا تھا۔ شارحین نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اس کی مختلف توجہیں کی ہیں، اس ناچیز کے نزدیک ان میں سب سے زیادہ قرین قیاس توجہ یہ ہے کہ حضرت معاذ کو آپ ﷺ نے جو یہ ہدایت دی، اس سے آپ کا مقصد اسلام کے ان تمام احکام و فرائض کو بتلانا تھا جو اسلام لانے کے بعد ایک مسلمان پر عائد ہوتے ہیں، بلکہ آپ کا مقصد و مطلب صرف یہ تھا کہ دین کی دعوت اور اسلام کی تعلیم میں داعی اور معلم کو جو ترتیب اور تدریج اختیار کرنی چاہئے وہ حضرت معاذ کو بتلادیں، اور وہ یہ ہے کہ ایک دم سارے اسلامی احکام و مطالبات اور شریعت کے تمام اوامر و نواہی لوگوں کے سامنے نہ رکھے جائیں، اس صورت میں اسلام کو قبول کرنا ان کے لئے بڑا مشکل ہوگا، بلکہ سب سے پہلے اُن کے سامنے توحید و رسالت کو پیش کیا جائے، جب وہ اس کو مان لیں، تو انہیں بتلایا جائے کہ اللہ تعالیٰ جو ہمارا اور تمہارا واحد رب اور لا شریک مالک و مولیٰ ہے، اس نے ہم سب پر پانچ وقت کی نماز فرض کی ہے، پھر جب وہ اس کو مان لیں، تو ان کو بتلایا جائے، کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مالوں میں زکوٰۃ بھی فرض کی ہے، جو قوم کے مالداروں سے وصول کی جائے گی، اور اُس کے حاجت مند طبقہ میں تقسیم کر دی جائے گی۔

بہر حال حضرت معاذ کو یہ ہدایت دینے سے حضور ﷺ کا مقصد دعوت و تعلیم میں ترتیب و تدریج کا حکیمانہ اصول ان کو بتلانا تھا، باقی اسلام کے ضروری احکام اور ارکان حضرت معاذ کو معلوم ہی تھے، اس لئے اس موقع پر سب کے بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

علاوہ ازیں اس میں بھی شبہ نہیں، کہ اسلام کے ارکان و فرائض میں نماز اور زکوٰۃ ہی سب سے زیادہ اہم ہیں، اور قرآن مجید میں انہی دو پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے۔ جس کی ایک وجہ یہ بھی

ہو سکتی ہے، کہ جو شخص ان دو کو ادا کرنے لگے، اُس کے لئے باقی تمام ارکارِ نوافل و فرائض کا ادا کرنا آسان ہو جاتا ہے، جیسا کہ تجربہ اور مشاہدہ بھی ہے، نیز نفسِ انسانی کی طبیعت میں ان دونوں کو بہت خاص دخل ہے۔ اور غالباً اسی واسطے کتاب و سنت میں بہت سے مقامات پر صرف ان ہی دو ترکوں کا ذکر کیا جاتا ہے..... مثلاً سورہ پینہ میں فرمایا گیا: وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ خُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقِيَمَةِ... اور سورہ توبہ میں فرمایا گیا: فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخِوْا أَنْفُسَكُمْ فِي الدِّينِ..... اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی یہ حدیث آگے آنے والی ہے: أُمِرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ.... پس ان آیات و احادیث میں ارکانِ اسلام میں سے صرف نماز اور زکوٰۃ ہی کے ذکر کی ایک توجیہ یہ بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

اسلام کی دعوت و تعلیم کے متعلق یہ ہدایت دینے کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ کو ایک نصیحت فرمائی، کہ جب زکوٰۃ کی وصولی کا وقت آئے، تو ایسا نہ کیا جائے کہ لوگوں کے اموال (مثلاً پیدوار، اور چوپایوں) میں سے بہتر بہتر زکوٰۃ میں لینے کے لئے چھانٹ لئے جائیں، بلکہ جیسا مال ہو اسی کے اوسط سے زکوٰۃ وصول کی جائے۔

سب سے آخری نصیحت آپ نے یہ فرمائی کی دیکھو! مظلوم کی بددعا سے بچنا (مطلب یہ ہے کہ تم ایک علاقے کے حاکم بن کر جا رہے ہو، دیکھو کبھی کسی پر ظلم اور زیادتی نہ کرنا) کیونکہ مظلوم کی دعا اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے، وہ قبول ہو کے رہتی ہے۔

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن

اجابت از در حق بہر استقبال می آید

بلکہ مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے:-

دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ مُسْتَجَابَةٌ وَإِنْ مَظْلُومٌ كِي دَعَا قَبُولَ هِيَ هُوتِي هِ، اَلرَّحْمَةُ وَهْ بَدَكَار

كَانَ فَاجِرًا فَفَجَّرَهُ عَلَى نَفْسِهِ هِ هِ، تُوَا س كِي بَدَكَارِي كَا دِبَالِ اسْكِي ذَاتِ پَر

ہے۔ (فتح و عمدہ)

(یعنی فسق و فجور کے باوجود ظالم کے حق میں اُس کی بددعا قبول ہوتی ہے)۔

اور مسند احمد ہی میں حضرت انسؓ کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں:-

دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ مُسْتَجَابَةٌ وَإِنْ كَانَ كَافِرًا لَيْسَ ذُوهُ جَحَابٌ
مظلوم کی بددعا قبول ہوتی ہے، اگرچہ وہ کافر
ہی کیوں نہ ہو، اس کے لئے کوئی روک نہیں
ہے۔ (عمدہ)

(ف) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا، اور آپ کی لائی ہوئی شریعت پر چلنا اگلے پیغمبروں اور اگلی کتابوں کے ماننے والے اہل کتاب کے لئے بھی ضروری ہے۔ اور اپنے سابقہ ادیان پر قائم رہنا اب ان کی نجات کے لئے کافی نہیں۔ ہمارے اس زمانہ میں مسلمان کہلانے والوں میں سے بعض لکھے پڑھے جو اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ ”یہود و نصاریٰ جیسی امتیں ان پرانی شریعتوں پر چل کر بھی اللہ کی رضا اور نجات حاصل کر سکتی ہیں اور ان کے لئے شریعت اسلام کا اتباع ضروری نہیں۔“ وہ یا تو دین اور اصول دین سے جاہل ہیں یا دراصل منافق ہیں، آئندہ حدیث میں یہی مسئلہ اور زیادہ صراحت اور وضاحت سے بیان فرمایا گیا ہے۔

اللہ کے رسول پر جو شخص ایمان نہ لائے،
اور اُن کے لئے ہوئے دین کو
اپنا دین نہ بنائے، وہ نجات نہیں پاسکتا!

(۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ (ﷺ) بِيَدِهِ لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِنْ هَذِهِ الْأُمَمَةِ يَهُودِيٍّ وَلَا نَصْرَانِيٍّ ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَّا كَانَ مِنَ أَصْحَابِ النَّارِ. (رواہ مسلم)
(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”قسم اُس ذات پاک کی، جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے، اس امت کا (یعنی اس دور کا) جو کوئی بھی یہودی یا نصرانی میری خبر سن لے (یعنی میری نبوت و رسالت کی دعوت اُس تک پہنچ جائے) اور پھر وہ مجھ پر اور میرے لئے ہوئے دین پر ایمان لائے بغیر مر جائے، تو ضرور وہ دوزخیوں میں ہوگا۔“

(تشریح) اس حدیث میں یہودی اور نصرانی کا ذکر صرف تمثیل کے طور پر اور یہ ظاہر کرنے کے واسطے کیا گیا ہے کہ جب یہود و نصاریٰ جیسے مُسَلَّمِ اہل کتاب بھی خاتم الانبیاء ﷺ پر ایمان

لائے بغیر اور ان کی شریعت کو قبول کئے بغیر نجات نہیں پاسکتے، تو دوسرے کافروں، مشرکوں کا انجام اسی سے سمجھ لیا جائے۔

بہر حال حدیث کا مضمون عام ہے، اور مطلب یہ ہے، کہ اس دور محمدی میں (جو حضور صلعم کی بعثت سے شروع ہوا ہے، اور قیامت تک جاری رہے گا) جس شخص کو آپ کی نبوت و رسالت کی دعوت پہنچ جائے، اور وہ آپ پر ایمان نہ لائے، اور آپ کے لائے ہوئے دین کو اپنا دین نہ بنائے، اور اسی حال میں مر جائے، تو وہ دوزخ میں جائے گا، اگرچہ وہ کسی سابق پیغمبر کے دین اور اُس کی کتاب و شریعت کا ماننے والا کوئی یہودی یا نصرانی ہی کیوں نہ ہو، الغرض خاتم الانبیاء ﷺ کی بعثت کے بعد آپ پر ایمان لائے، اور آپ کی شریعت کو قبول کئے بغیر نجات ممکن نہیں، ہاں جس پیچارہ کو آپ کی نبوت کی اطلاع اور اسلام کی دعوت ہی نہ پہنچی وہ، معذور ہے۔ یہ مسئلہ دین اسلام کے قطعیات اور بدیہیات میں سے ہے جس میں شک و شبہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کی حیثیت کو نہ سمجھنے ہی سے ہو سکتا ہے۔

(۹) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ رَجُلًا مِنَ النَّصَارَى مُتَمَسِّكًا بِالْإِنْجِيلِ وَرَجُلًا مِنَ الْيَهُودِ مُتَمَسِّكًا بِالتَّوْرَةِ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَتَّبِعْكَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ سَمِعَ بَنِي مِنْ يَهُودِيٍّ أَوْ نَصْرَانِيٍّ ثُمَّ لَمْ يَتَّبِعْنِي فَهُوَ فِي النَّارِ. (آخر جہ الدار قطنی فی الافراد)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے، کہ انہوں نے بیان کیا، کہ ایک شخص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اسنے سوال کیا، کہ ”یا رسول اللہ! ایک نصرانی شخص ہے جو انجیل کے موافق عمل کرتا ہے، اور اسی طرح ایک یہودی شخص ہے، جو تورات کے احکام پر چلتا ہے، اور وہ اللہ پر اس کے رسول پر ایمان بھی رکھتا ہے، مگر اسکے باوجود وہ آپ کے دین اور آپ کی شریعت پر نہیں چلتا، تو فرمائیے کہ اس کا کیا حکم ہے؟“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس یہودی یا نصرانی نے میری بات کو سُن لیا (یعنی میری دعوت اُس تک پہنچ گئی) اور اسکے بعد بھی اسنے میری پیروی اختیار نہیں کی، تو وہ دوزخ میں جانے والا ہے۔“

(دار قطنی)

(تشریح) حضرت عبد اللہ بن مسعود کی یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ والی اوپر کی حدیث سے

۱۔ یہ حدیث مولانا بدر عالم صاحب نے ”ترجمان السنہ“ جلد دوم میں نقل فرمائی ہے، اس ناچیز نے نظر ثانی کے وقت وہیں سے اس کا اضافہ کیا ہے۔

بھی زیادہ واضح ہے، اس میں تصریح ہے کہ اگر کوئی یہودی یا نصرانی اللہ کو اور اُس کے رسول کو ماننا بھی ہو (یعنی توحید کا قائل، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تصدیق کرتا ہو) مگر پیروی آپ کی لائی ہوئی شریعت کے بجائے تورات اور انجیل ہی کی کرتا ہو، اور اسی کو اپنی نجات کے لئے کافی سمجھتا ہو، تو وہ نجات نہیں پاسکے گا۔

اسی حقیقت کا اعلان قرآن مجید کی اس آیت میں بھی کیا گیا ہے: "قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ" (ال عمران - ع- ۴)

(ترجمہ) اے نبی (جو لوگ آپ کی شریعت کا اتباع اختیار کئے بغیر اللہ کو چاہتے ہیں، اور اُسکی بخشش حاصل کر سکنے کی خام خیالی میں مبتلا ہیں، اُن سے) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم واقعۃً اللہ کو چاہتے ہو، تو (اسکے سوا اب اُس کا کوئی راستہ نہیں ہے کہ) میری شریعت کی پیروی اختیار کرو (اگر ایسا کرو گے، تو) اللہ تم سے محبت کرے گا، اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ (اور اگر تم میری پیروی اختیار نہیں کرو گے، تو اللہ کی محبت اور مغفرت کے تم مستحق نہیں ہو سکو گے)۔

سچا ایمان و اسلام نجات کی ضمانت ہے

(۱۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَوْعَنَ أَبِي سَعِيدٍ (شَكَ الْأَعْمَشُ) قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ غَزْوَةِ تَبُوكَ أَصَابَ النَّاسَ مَجَاعَةٌ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ لَوْ أَدْنَيْتَ لَنَا فَتَحَرْنَا نَوَاضِحَنَا فَأَكَلْنَا وَادْهَنَّا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) اِفْعَلُوا، قَالَ فَجَاءَ عُمَرُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنْ فَعَلْتُ قُلُ الظَّهْرُ وَلَكِنْ ادْعُهُمْ بِفَضْلِ أَزْوَادِهِمْ ثُمَّ ادْعُ اللَّهُ لَهُمْ عَلَيْهَا بِالْبَرَكَةِ لَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يُجْعَلَ فِي ذَلِكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) نَعَمْ قَدْ عَا بِنِطْعٍ فَبَسِطْ ثُمَّ دَعَى بِفَضْلِ أَزْوَادِهِمْ قَالَ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِئُنِي بِكَفِّ ذَرَّةٍ قَالَ وَجَعَلَ وَيَجِئُنِي الْأَخْرَبُ يَكْفُ تَمْرٍ قَالَ وَيَجِئُنِي الْأَخْرَبُ بِكُسْرَةٍ حَتَّى اجْتَمَعَ عَلَى النِّطْعِ مِنْ ذَلِكَ شَيْئٌ يَسِيرٌ قَالَ ثُمَّ دَعَا رَسُولُ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) بِالْبَرَكَةِ، ثُمَّ قَالَ خُذُوا فِي أَوْعِيَتِكُمْ قَالَ فَآخَذُوا فِي أَوْعِيَتِهِمْ حَتَّى مَاتَرَكُوا فِي الْعَسْكَرِ وَعَاءَ الْأَمْلَتُوهُ قَالَ فَآكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا وَفَضَلَتْ فَضْلَةً فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ، لَا يَلْقَى اللَّهُ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرُ شَاكٍ فَيُحْبَبُ عَنِ الْجَنَّةِ.

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) (اعمش تابعی نے اپنے استاذ ابو صالح سے اس شک کے ساتھ نقل کیا کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا تھا، (ابو سعید خدریؓ سے) کہ غزوہ تبوک کے دنوں میں (جب سامانِ خوراک ختم ہو گیا، اور) لوگوں کو بھوک نے ستایا، تو انہوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کیا کہ: ”حضرت! اگر اجازت دیں، تو ہم پانی لانے والے اپنے اونٹوں کو ذبح کر لیں، پھر ان کو کھا بھی لیں، اور ان سے روغن بھی حاصل کر لیں۔“ حضور نے فرمایا: ”اچھا کرو۔“ راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت عمرؓ آئے اور انہوں نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! اگر آپ نے ایسا کیا (یعنی لوگوں کو اگر اونٹ ذبح کرنے کی اجازت دیدی، اور لوگوں نے ذبح کر ڈالے) تو سواریاں کم ہو جائیں گی (لہذا ایسا تو نہ کیا جائے) البتہ لوگوں کو آپ ان کے بچے کچھ سامانِ خوراک کے ساتھ بلا لیجئے، پھر ان کے واسطے اللہ سے اسی میں برکت کر دینے کی دعا کیجئے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی میں برکت فرمادے گا۔“ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ”ہاں ٹھیک ہے۔“ چنانچہ آپ نے چمڑے کا بڑا ستر خوان طلب فرمایا، پس وہ بچھا دیا گیا، پھر آپ نے لوگوں سے اُن کا بچا کچھ سامانِ خوراک منگولیا، پس کوئی آدمی مٹھی چینا کے دانے ہی لئے آ رہا ہے، کوئی ایک مٹھی کھجوریں لا رہا ہے، اور کوئی روٹی کا ایک ٹکڑا ہی لئے چلا آ رہا ہے، حتیٰ کہ ستر خوان پر تھوڑی سی مقدار میں یہ چیزیں جمع ہو گئیں، راوی کہتے ہیں، کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پھر برکت کی دعا فرمائی، اس کے بعد فرمایا: اب تم سب اس میں سے اپنے اپنے برتنوں میں بھر لو۔“ چنانچہ سب نے اپنے اپنے برتن بھر لئے، حتیٰ کہ (قریباً ۳ ہزار کے لشکر میں) لوگوں نے ایک برتن بھی بغیر بھرے ہوئے نہیں چھوڑا، راوی کہتے ہیں، کہ پھر سب نے کھلیا، حتیٰ کہ خوب سیر ہو گئے، اور کچھ فاضل بھی بچ رہا، اس پر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ”میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں اللہ کا رسول ہوں، نہیں ہے کوئی بندہ جو بغیر کسی شک شبہ کے کامل یقین و اذعان کے ساتھ ان دو شہادتوں کے ساتھ اللہ کے سامنے جائے، پھر وہ جنت سے روکا جائے۔“

(تشریح) حدیث کا مضمون ظاہر ہے، جس مقصد سے اس حدیث کو یہاں درج کیا گیا ہے اس کا تعلق حدیث کے صرف آخری جز سے ہے، جس میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اللہ کی توحید اور اپنی رسالت کی شہادت ادا کر کے اعلان فرمایا ہے کہ جو شخص بھی ان دو شہادتوں کو مخلصانہ طور پر ادا کرے، اور شک شبہ کی کوئی بیماری اُسکے دل دماغ کو نہ ہو، اور اسی ایمانی حال میں اُس کو موت آئے، تو وہ جنت میں ضرور جائے گا۔

جو لوگ قرآن حدیث کے محاورہ اور طرزِ بیان سے کچھ واقف ہیں وہ جانتے ہیں، کہ ایسے

موقعوں پر ”اللہ کی توحید اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کی شہادت“ ادا کرنے کا مطلب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت ایمان کو قبول کر لینا، اور آپ کے لائے ہوئے دین اسلام کو اپنا دین بنالینا ہوتا ہے اور اسی لئے ان دو شہادتوں کے ادا کرنے کا مطلب ہمیشہ سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس شخص نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایمانی دعوت کو قبول کر لیا، اور اسلام کو اپنا دین بنالیا۔ پس رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہی ہے، کہ جو شخص ”لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ“ کی شہادت ادا کر کے میری ایمانی دعوت کو قبول کر لے، اور اسلام کو اپنا دین بنالے، اور اس بارے میں وہ مخلص اور صاحب یقین ہو، تو اگر اسی حال میں وہ مر جائے گا، تو جنت میں ضرور جائے گا۔

پس اگر کوئی شخص ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ کا اقرار کرے لیکن اسلام کو اپنا دین نہ بنائے، بلکہ کسی اور دین و مذہب پر قائم رہے، یا توحید و رسالت کے علاوہ دوسرے ایمانیات کا انکار کرے مثلاً قیامت کو یا قرآن مجید کو نہ مانے تو وہ ہرگز اس بشارت کا مستحق نہ ہوگا۔

الغرض اس حدیث میں توحید و رسالت کی شہادت ادا کرنے کا مطلب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایمانی دعوت کو قبول کرنا اور اسلام کو اپنا دین بنانا ہے، اسی طرح جن حدیثوں میں صرف توحید پر، اور صرف ”لا الہ الا اللہ“ کے اقرار پر جنت کی بشارت دی گئی ہے، ان کا مطلب بھی یہی ہے، دراصل یہ سب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت ایمان کو قبول کر لینے اور اسلام کو اپنا دین بنالینے کے بعد مشہور و معروف عنوانات ہیں، انشاء اللہ اس کی کچھ مزید تفصیل اگلی حدیثوں کی تشریح میں بھی کی جائیگی۔

اس حدیث سے ضمنی طور پر اور بھی چند سبق ملتے ہیں:

(۱) اگر کوئی بڑا، خسی کہ اللہ کا نبی و رسول بھی کسی معاملہ میں اپنی رائے ظاہر کرے، اور کسی صاحب رائے خادم کو اس میں مضرت کا کوئی پہلو نظر آئے، تو وہ ادب کے ساتھ اپنی رائے اور اپنا مشورہ پیش کرنے سے دریغ نہ کرے، اور اس بڑے کو چاہئے کہ وہ اس پر غور کرے، اور اگر وہی رائے بہتر اور انسب معلوم ہو، تو اپنی رائے سے رجوع کرنے اور اُس کو اختیار کرنے میں ادنیٰ تاثر نہ کرے۔

(۲) دعا کا قبول ہونا، اور بالخصوص اس قبولیت کا خرق عادت کی شکل میں ظاہر ہونا اللہ کی

نشانیوں اور مقبولیت اور تعلق باللہ کی خاص علامتوں میں سے ہے، جس سے مومنین کے انشراح صدر اور اطمینان قلبی میں ترقی ہونا برحق بلکہ نبوت کی میراث ہے (جیسا کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمہ شہادت پڑھنے سے ظاہر ہے) پس جن لوگوں کو اس طرح کے علاماتِ اُلمیہ کے تذکرہ سے بجائے انشراح کے انقباض ہوتا ہے، یا جو اس قسم کے خوراق کو طنز و تضحیک اور استخفاف و استحقار کے لائق سمجھتے ہیں، اُن کے دل ایک بڑی بیماری کے بیمار ہیں۔

(۱۱) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ النَّارَ.

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ ارشاد فرماتے تھے کہ: ”جو کوئی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت و بندگی کے لائق نہیں ہے، اور محمد اُسکے رسول ہیں، تو اللہ نے اُس شخص پر دوزخ کی آگ حرام کر دی ہے۔“

(تشریح) جیسا کہ اس سے پہلی حدیث کی تشریح میں تفصیل سے بتلایا جا چکا ہے، اس حدیث میں بھی ”توحید و رسالت کی شہادت“ مراد، دعوتِ اسلام کو قبول کرنا اور اُس پر چلنا ہے، اسی کو دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ: ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“۔ کی شہادت پورے اسلام کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ جس نے یہ شہادت سوچ سمجھ کے ادا کی، درحقیقت اس نے پورے اسلام کو اپنا دین بنالیا، اب اگر بالفرض اس سے بہ تقاضائے بشریت کوئی کوتاہی بھی ہوگی تو اس کا ایمانی شعور، کفارہ اور توبہ وغیرہ کے مقررہ طریقوں سے اس کی تلافی کرنے پر اس کو مجبور کرے گا، اور اسلئے انشاء اللہ وہ عذابِ دوزخ سے محفوظ ہی رہے گا۔

(۱۲) عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ كُنْتُ رِذْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ إِلَّا مَوْخَرَةٌ الرَّحْلِ فَقَالَ يَا مَعَاذُ بْنُ جَبَلٍ فَقُلْتُ لَيْتَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ

۱ واضح رہے کہ خوراق کا ظہور، تعلق باللہ اور مقبولیت عند اللہ کی نشانی جب ہے کہ صاحبِ واقعہ مومن اور صاحبِ صلاح و تقویٰ ہو، ورنہ اگر کسی کھلے کافر یا فاسق و فاجر یا کسی داعیِ ضلال سے ایسی کسی چیز کا ظہور ہو، تو وہ دینی اصطلاح میں ”استدراج“ ہے، اور ”کرامت“ اور ”استدراج“ میں بھی سہل الادراک اور ظاہری فرق ہے، اسی ناچیز نے اپنی کتاب ”دین و شریعت“ میں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے۔ ۱۲

وَسَعْدِيكَ ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ يَا مَعَاذَ بْنِ جَبَلٍ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ
وَسَعْدِيكَ ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ يَا مَعَاذَ بْنِ جَبَلٍ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ
وَسَعْدِيكَ قَالَ هَلْ تَذَرُنِي مَاحِقُ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ عَلَى الْعِبَادِ قَالَ قُلْتُ اللَّهُ
وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّ حَقَّ اللَّهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، ثُمَّ
سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ يَا مَعَاذَ بْنِ جَبَلٍ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَسَعْدِيكَ قَالَ هَلْ
تَذَرُنِي مَاحِقُ اللَّهِ عَلَى الْعِبَادِ إِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ أَنْ لَا
يُعْبَدَ بِهِمْ.

(رواه البخاری ومسلم واللفظ له)

(ترجمہ) حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے، کہ ایک دفعہ میں حضور ﷺ کے ساتھ
ایک ہی سمت میں سفر تھا، اور میرے اور آپ کے درمیان کجاوے سے پچھلے حصے کے سوا اور کوئی
چیز حاصل نہ تھی (یعنی میں حضور کے پیچھے بالکل ملا ہوا بیٹھا تھا کہ چلتے ہی چلتے) آپ نے مجھے
پکارا، اور فرمایا: معاذ بن جبل!۔۔۔ میں نے عرض کیا: ”لبیک یا رسول اللہ وسعدیک“
(یعنی میں حاضر ہوں، ارشاد فرمائیں)۔۔۔ پھر کچھ دیر چلنے کے بعد آپ نے فرمایا: ”معاذ بن
جبل!۔۔۔ میں نے عرض کیا: ”لبیک یا رسول اللہ وسعدیک“۔۔۔ پھر کچھ دیر چلنے کے
بعد آپ نے فرمایا: ”معاذ بن جبل!“۔۔۔۔۔ میں نے عرض کیا ”لبیک یا رسول اللہ
وسعدیک“۔۔۔۔۔ (اس تیسری دفعہ میں) آپ نے ارشاد فرمایا: ”تم جانتے ہو، کہ بندوں پر
اللہ کا کیا حق ہے؟“۔۔۔۔۔ میں نے عرض کیا: ”اللہ ورسول کو ہی زیادہ علم ہے“۔۔۔۔۔ ارشاد
فرمایا: ”اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ اس کی عبادت و بندگی کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک
نہ کریں“۔۔۔۔۔ پھر کچھ دیر چلنے کے بعد آپ نے فرمایا: ”معاذ بن جبل!“۔۔۔۔۔ میں نے
عرض کیا ”لبیک یا رسول اللہ وسعدیک“۔۔۔۔۔ آپ نے فرمایا: ”تم جانتے ہو کہ جب
بندے اللہ کا یہ حق ادا کریں، تو پھر اللہ پر ان کا کیا حق ہے؟“۔۔۔۔۔ میں نے عرض کیا: ”اللہ
و رسول ہی کو زیادہ علم ہے“۔۔۔۔۔ آپ نے فرمایا: ”یہ کہ انہیں عذاب میں نہ ڈالے۔“

(تشریح) اس حدیث میں چند چیزیں قابلِ توجہ ہیں:

(۱) حضرت معاذ نے اصل حدیث بیان کرنے سے پہلے حضور ﷺ کیساتھ ایک ہی سواری پر
سوار ہونے، اور آپ کے پیچھے بالکل آپ سے مل کر بیٹھنے کو جس خاص انداز سے بیان کیا ہے، اس
کی چند وجہیں ہو سکتی ہیں:

ایک یہ کہ حضور ﷺ کی جو خاص شفقت اور عنایت حضرت معاذؓ پر تھی، اور بارگاہِ نبوی میں

جو خاص مقام قرب ان کو حاصل تھا، وہ سامعین کے پیش نظر رہے، تاکہ وہ یہ سمجھ سکیں، کہ حضور نے حضرت معاذؓ سے ایک ایسی بات کیوں فرمائی، جس کی عوام مسلمین میں اشاعت کے آپ روادار نہ تھے، جیسا کہ اگلی روایت میں تصریح ہے۔

دوسری بات اس کی توجیہ میں یہ بھی کہی جاسکتی ہے، کہ ممکن ہے حضرت معاذؓ کا مقصد اس تفصیل کے بیان کرنے سے اس حدیث کے بارے میں اپنا اتفاق بھی ظاہر کرنا ہو، یعنی لوگوں پر یہ واضح کرنا ہو کہ مجھے یہ حدیث ایسی یاد ہے، کہ اُس وقت کی یہ جزئی باتیں بھی مجھے محفوظ ہیں۔ اور تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے، کہ جس طرح عشاق و محبین کی عادت ہوتی ہے کہ وہ محبت کی یادگار صحبتوں کو والہانہ انداز میں اور مزے لے لے کر تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں، اسی جذبے کے ماتحت حضرت معاذؓ نے حضور کے ساتھ اپنے سوار ہونے کی یہ تفصیل بیان کی ہو۔

(۲) حضور ﷺ نے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد حضرت معاذؓ کو تین دفعہ مخاطب کیا، اور پھر جو کچھ آپ فرماتا چاہتے تھے اُس کا ایک حصہ آپ نے تیسری دفعہ فرمایا، اور دوسرا جز کچھ دیر توقف کے بعد جو تھی دفعہ فرمایا۔۔۔ اس کی توجیہ میں شارحین نے لکھا ہے، کہ غالباً آنحضرت ﷺ اس طرح حضرت معاذؓ کو پوری طرح اپنی طرف متوجہ فرمانا چاہتے تھے، تاکہ وہ ہمہ تن گوش ہو کر پوری رغبت و توجہ اور غور و تامل کے ساتھ آپ کا ارشاد سنیں۔۔۔ دوسری توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ حضور کو اس میں تردد اور توقف تھا، کہ حضرت معاذؓ سے بھی یہ بات بیان کر دی جائے یا نہ کی جائے، اس وجہ سے آپ نے ابتداء میں تو تین دفعہ توقف فرمایا، اور جب بیان فرمادینے ہی کے متعلق آپ کا شرح صدر ہو گیا تب آپ نے بیان فرمایا۔۔۔ لیکن راقم کے نزدیک ان دونوں توجیہوں میں تکلف ہے، اور زیادہ قرین قیاس یہ معلوم ہوتا ہے، کہ حضور ﷺ پر اس وقت کوئی خاص استغراقی حالت طاری تھی، آپ حضرت معاذؓ کو مخاطب کرتے تھے، اور کچھ فرمانے سے پہلے پھر اسی کیفیت میں استغراق ہو جاتا تھا، اس وجہ سے درمیان میں یہ وقفے ہوئے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) اصل حدیث کا حاصل صرف یہ ہے کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے، کہ وہ اس کی عبادت اور بندگی کریں، اور کسی چیز کو اسکے ساتھ شریک نہ کریں، اور جب وہ اللہ کا یہ حق ادا کریں گے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ حق اپنے پر مقرر کر لیا ہے، کہ وہ انکو عذاب میں نہ ڈالے گا۔ اس حدیث میں ”اللہ کی عبادت کرنے اور شرک سے بچنے“ سے مراد بھی درحقیقت دین

توحید (یعنی اسلام) کو اختیار کرنا، اور اُس پر چلنا ہے، اور چونکہ اُس وقت اسلام و کفر کے درمیان سب سے بڑا اور واضح فرق و امتیاز توحید اور شرک ہی کا تھا، اسلئے اس حدیث میں (اور بعض، اور حدیثوں میں بھی) اسی عنوان کو اختیار کیا گیا ہے، نیز یہ بھی واقعہ ہے کہ اللہ کی عبادت و بندگی کرنا، اور شرک سے بچنا اسلام کی رُوح، اور اُس کا مرکزی مسئلہ ہے، اسلئے بھی کبھی کبھی اسلام کے لئے یہ عنوان اختیار کر لیا جاتا ہے، اس بات کی تائید (کہ اس حدیث میں اللہ کی عبادت کرنے اور شرک سے بچنے سے مراد دین اسلام قبول کرنا ہے) اس سے بھی ہوتی ہے، کہ صحیحین (بخاری و مسلم) ہی میں حضرت معاذ کی اسی حدیث کی ایک روایت میں (جو اگلے ہی نمبر پر ذکر کی جا رہی ہے) توحید و رسالت دونوں پر ایمان لانے اور دونوں کی شہادت ادا کرنے کا ذکر ہے، اور ایک روایت میں شہادت توحید و رسالت کے علاوہ نماز اور روزہ کا بھی ذکر ہے۔

(۱۳) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَاذَ رَدِيقُهُ عَلَى الرَّحْلِ قَالَ يَا مَعَاذُ! قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَسَعْدَيْكَ، قَالَ يَا مَعَاذُ! قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَسَعْدَيْكَ، قَالَ يَا مَعَاذُ! قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَسَعْدَيْكَ ثَلَاثًا، قَالَ مَا مِنْ أَحَدٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ صِدْقًا مِنْ قَلْبِهِ إِلَّا حَرَّمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّارِ، قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا أَخْبَرُ بِهِ النَّاسَ فَيَسْتَبْشِرُوا قَالَ إِذَا يَتَكَلَّمُوا فَأَخْبِرْ بِهَا مَعَاذَ عِنْدَ مَوْتِهِ تَأْتِمًا.

(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت انس بن مالکؓ راوی ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ حضرت معاذؓ کو جبکہ وہ حضور کے ساتھ ایک ہی کجاوے پر سوار تھے، پکارا اور فرمایا: ”یا معاذ!“ انھوں نے عرض کیا: ”لبیک یا رسول اللہ وسعدیک“۔۔۔ حضور نے پکارا: ”یا معاذ!“ انھوں نے عرض کیا: ”لبیک یا رسول اللہ وسعدیک“۔۔۔ حضور نے پھر پکارا ”یا معاذ!“ انھوں نے عرض کیا: ”لبیک یا رسول اللہ وسعدیک“۔۔۔ تین دفعہ ایسا ہوا، پھر حضور نے (اس آخری دفعہ میں فرمایا) ”جو کوئی سچے دل سے شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد اس کے رسول ہیں، تو اللہ نے دوزخ پر ایسے شخص کو حرام کر دیا ہے“۔۔۔ حضرت معاذؓ نے (یہ خوش خبری سن کر) عرض کیا: ”کیا میں لوگوں کو اس کی خبر نہ کر دوں، تاکہ وہ سب خوش ہو جائیں؟“۔۔۔ حضور نے فرمایا: ”پھر وہ اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے“۔۔۔ پھر حضرت معاذؓ نے کتمانِ علم کے گناہ کے خوف سے اپنے آخری وقت میں یہ حدیث لوگوں سے بیان کی۔

(تشریح) ان دونوں روایتوں (۱۳ و ۱۲) کے ابتدائی تمہیدی حصے کی مطابقت و یکسانیت سے ظاہر ہے کہ ان دونوں کا تعلق ایک ہی واقعہ سے ہے، اور فرق صرف یہ ہے کہ پہلی روایت میں دعوت اسلام قبول کرنے کے لئے اللہ کی عبادت کرنے اور شرک سے بچنے کا عنوان استعمال کیا گیا ہے، اور دوسری میں اسی حقیقت کو توحید و رسالت کی شہادت کے عنوان سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اسی بشارت کی تیسری روایت میں حضرت معاذ نے توحید کے ساتھ نماز اور روزہ کا بھی ذکر کیا ہے، یہ روایت ”مشکوٰۃ“ میں ”مسند احمد“ کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے، اسکے الفاظ یہ ہیں:

مَنْ لَقِيَ اللَّهَ لَا يُشْرِكْ بِهِ شَيْئًا
وَيُصَلِّيَ الْخَمْسَ وَيُصُومَ
رَمَضَانَ غُفِرَ لَهُ قُلْتُ أَفَلَا
أُبَشِّرُهُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ
دَعُهُمْ يَعْمَلُوا

جو شخص اللہ کے سامنے اس حال میں جائے گا،
کہ شرک سے اُس کا دامن پاک ہو، اور وہ پانچوں
نمازیں پڑھتا ہو، اور روزے رکھتا ہو تو وہ بخش ہی
دیا جائے گا (معاذ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا:
حضور! اجازت ہو تو میں سبکو یہ بشارت
سنا دوں؟ آپ نے فرمایا: ”جانے دو، انہیں عمل
کرنے دو!“

ان تینوں روایتوں کا عنوان اگرچہ مختلف ہے، اور ظاہری الفاظ میں اجمال و تفصیل کا کسی قدر فرق ہے۔ لیکن درحقیقت ہر روایت کا مطلب یہ ہی ہے کہ جو کوئی دعوت ایمان و اسلام کو قبول کر لے گا (جس کے بنیادی اصول و احکام، شرک سے بچنا، توحید و رسالت کی شہادت دینا، اور نماز پڑھنا، روزہ رکھنا) تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی نجات کا حتمی وعدہ ہے۔

پس جو لوگ اس قسم کی روایات سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں، کہ توحید و رسالت کی شہادت ادا کرنے اور شرک سے بچنے کے بعد آدمی خواہ کیسا ہی بد عقیدہ اور بد عمل کیوں نہ ہو، بہر حال وہ اللہ کے عذاب سے مامون و محفوظ ہی رہے گا، اور دوزخ کی آگ اس کو چھو ہی نہ سکے گی، وہ ان بشارتی حدیثوں کا صحیح مفہوم اور مدعا سمجھنے سے محروم ہیں، نیز دوسرے ابواب کی جو سینکڑوں حدیثیں (بلکہ قرآن کی آیتیں بھی) ان کی اس خام خیالی کے صریح خلاف ہیں، وہ ان سے منحرف ہیں۔

(اعاذنا اللہ من ذالک)

(۱۳) عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِيحُ

النِّجْنَةُ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ . (رواہ احمد)

(ترجمہ) حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: ”لا الہ الا اللہ“ کی شہادت دینا، جنت کی کنجی ہے۔ (مسند احمد)

(تشریح) اس حدیث میں بھی صرف شہادت توحید کا ذکر ہے، اور یہ بھی دعوت ایمان کو قبول کر لینے، اور اسلام کو اپنا دین بنالینے کی ایک تعبیر ہے، اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ اردو محاورہ میں اسلام قبول کرنے کو ”کلمہ پڑھ لینے“ سے بھی تعبیر کر دیتے ہیں۔ جس ماحول اور جس فضا کے رسول اللہ ﷺ کے یہ ارشادات ہیں، اس میں مسلمان بھی اور غیر مسلم کافر، مشرک بھی ”توحید“ رسالت کی شہادت ”اور لا الہ الا اللہ کی شہادت“ کا مطلب ایمان لانا، اور اسلام قبول کرنا ہی سمجھتے تھے۔

(۱۵) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ آتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ عَلَيْهِ ثَوْبٌ أَبْيَضُ وَهُوَ نَائِمٌ ثُمَّ أَتَيْتُهُ وَقَدْ اسْتَيْقَظَ فَقَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ثُمَّ مَاتَ عَلَى ذَلِكَ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ ، قَالَ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ ، قُلْتُ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ ، قَالَ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ ، قُلْتُ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ ، قَالَ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ عَلَى رَغَمِ أَنْفِ أَبِي ذَرٍّ . (رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے، کہتے ہیں، کہ میں (ایک دن) حضور کی خدمت میں پہنچا، تو آپ اس وقت سفید کپڑا اوڑھے سوئے ہوئے تھے، پھر (کچھ دیر بعد) میں حاضر ہوا، تو آپ بیدار ہو چکے تھے، اس وقت آپ نے فرمایا: ”جو کوئی بندہ لا الہ الا اللہ کہے اور پھر اسی پر اسکو موت آجائے، تو وہ جنت میں ضرور جائیگا۔“ ابوذر کہتے ہیں، میں نے عرض کیا: ”اگرچہ اسنے زنا کیا ہو، اور اگرچہ اسنے چوری کی ہو؟“ آپ نے ارشاد فرمایا: ”ہاں اگرچہ اسنے زنا کیا ہو، اگرچہ اسنے چوری کی ہو!“ (ابوذر کہتے ہیں) میں نے پھر عرض کیا: ”اگرچہ اسنے زنا کیا ہو، اگرچہ اسنے چوری کی ہو؟“ آپ نے پھر ارشاد فرمایا: ”(ہاں!) اگرچہ اسنے زنا کیا ہو، اگرچہ اسنے چوری کی ہو!“ (ابوذر کہتے ہیں) میں نے (پھر تعجب سے) عرض کیا، کہ: ”یا رسول اللہ! لا الہ الا اللہ کی شہادت دینے والا جنت میں ضرور جائیگا (اگرچہ اسنے چوری کی ہو؟“ آپ نے پھر ارشاد فرمایا: ”(ہاں!) ابوذر کے علی الرغم (وہ جنت میں جائے گا) اگرچہ اسنے زنا کیا ہو،

۱۔ عربی زبان کا یہ ایک خاص محاورہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے، کہ اگر یہ کام تمہیں ناگوار بھی ہو، اور تم اس کا ہونا، نہ بھی چاہتے ہو، جب بھی یہ ہو کر رہے گا۔ ۱۲۔

اگرچہ اُسے چوری کی ہوا۔“

(تشریح) اس حدیث میں بھی ”لا الہ الا اللہ“ کہنے سے مراد پورے دینِ توحید (یعنی اسلام) پر ایمان لانا، اور اس کو اختیار کرنا ہے، اور بیشک جو شخص اس دینِ توحید پر صدقِ دل سے ایمان رکھتا ہوگا، وہ ضرور جنت میں جائے گا، اب اگر بالفرض ایمان کے باوجود اسے گناہ بھی کئے ہوں گے، تو اگر کسی وجہ سے وہ معافی کا مستحق ہوگا، تو اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرما کے بغیر کسی عذاب ہی کے اُس کو جنت میں داخل کر دے گا، اور اگر وہ معافی کا مستحق نہ ہوگا تو گناہوں کی سزا پانے کے بعد وہ جنت میں جاسکے گا، بہر حال دینِ اسلام پر صدقِ دل سے ایمان رکھنے والا ہر شخص جنت میں ضرور جائے گا، اگرچہ دوزخ میں گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد ہی جائے۔۔۔ حضرت ابو ذرؓ کی اس روایت کا مطلب اور مفاد یہی ہے۔

حضرت ابو ذرؓ نے جو بار بار اپنا سوال دہرایا، تو اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ چوری اور زنا کو سخت ناپاک گناہ جاننے کی وجہ سے اُن کو اس پر تعجب تھا، کہ ایسے ناپاک گناہ کرنے والے بھی جنت میں جاسکیں گے، گویا اُس وقت تک انہیں یہ مسئلہ معلوم نہ تھا، آج ہم جیسوں کو حضرت ابو ذرؓ کے اس تعجب اور اس سوال کی وجہ سمجھنا اس لئے مشکل ہو گیا ہے کہ ہم نے اسلام ہی میں آنکھ کھولی ہے، اور یہ موٹی موٹی باتیں ہم کو گھروں ہی میں معلوم ہو جاتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۱۶) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ.

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت عثمان بن عفانؓ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص

اس حال میں مرا، کہ وہ یقین کے ساتھ جانتا تھا، کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو وہ جنت میں جائے گا۔“

(تشریح) اس حدیث میں بھی ”لا الہ الا اللہ“ پر یقین ہونے سے مراد وہی دینِ توحید پر ایمان رکھنا ہے، اور دخولِ جنت کا وعدہ کے مطلب بھی وہی ہے، جو اوپر مذکور ہوا، کہ اپنے پورے اعمال نامہ کے تقاضے کے مطابق اللہ کی رحمت سے ابتداء ہی میں، یا گناہوں کی کچھ سزا بھگت کر ہر صاحبِ ایمان جنت میں ضرور جائے گا۔

(۱۷) عَنْ عُثْبَانَ بْنِ مَالِكٍ (وَهُوَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مِنَ الْأَنْصَارِ أَنَّهُ أَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا

رَسُولَ اللَّهِ قَدْ أَنْكَرْتُ بَصَرِي وَأَنَا أَصْلَى لِقَوْمِي فَأَذَا كَانَتْ الْأَمْطَاوُ سَالَ
الْوَادِي بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ لَمْ أَسْتَطِعْ أَنْ أَتِي مَسْجِدَهُمْ فَأَصْلَى بِهِمْ وَوَدِدْتُ يَا
رَسُولَ اللَّهِ إِنَّكَ تَاتِنِي فَتُصَلِّيَ فِي بَيْتِي فَأَتَّخِذُهُ مُصَلًى قَالَ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَفْعَلُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى قَالَ عُتْبَانُ فَقَدْ عَلَيَّ وَأَبُو
بَكْرٍ حِينَ ارْتَفَعَ النَّهَارُ، فَسَادَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَذِنَتْ لَهُ
فَلَمْ يَجْلِسْ حِينَ دَخَلَ الْبَيْتَ ثُمَّ قَالَ آيِنُ تُحِبُّ أَنْ أَصْلَى مِنْ بَيْتِكَ قَالَ
فَأَشْرْتُ لَهُ إِلَى نَاحِيَةِ مِنَ الْبَيْتِ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَبَّرَ
فَقُمْنَا فَصَفَّفْنَا فَصَلَّى رَكَعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ، قَالَ وَفَحَسَنَاهُ عَلَى خَزِيرَةٍ صَنَعْنَا هَالَهُ
قَالَ فَتَنَابَ فِي الْبَيْتِ رَجَالٌ مِنْ أَهْلِ الدَّارِ ذُو وَعَدِدٍ فَاجْتَمَعُوا فَقَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ
آيِنُ مَالِكُ بْنُ الدُّخَشَنِ أَوْ ابْنُ الدُّخَشَنِ؟ فَقَالَ بَعْضُهُمْ ذَلِكَ مُنَافِقٌ لَا يُحِبُّ
اللَّهُ وَرَسُولَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُلْ ذَلِكَ إِلَّا تَرَاهُ قَدْ قَالَ
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يُرِيدُ بِذَلِكَ وَجْهَ اللَّهِ؟ قَالَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّا نَرَى وَجْهَهُ
وَنُصِصَتْهُ إِلَى الْمُنَافِقِينَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ اللَّهَ
عَزَّوَجَلَّ قَدْ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَتَّبِعِي بِذَلِكَ وَجْهَ اللَّهِ.

(رواه البخاری (مسلم)

(ترجمہ) عتبان بن مالک سے روایت ہے (اور وہ رسول اللہ ﷺ کے ان اصحاب میں سے ہیں، جو انصار میں سے غزوہ بدر میں شریک تھے) کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا، کہ: ”میری نگاہ میں فرق آگیا ہے (یعنی مجھے کم دکھائی دینے لگا ہے) اور میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں، سو جب بارشیں ہوتی ہیں، اور میرے اور میری قوم والوں کے درمیان جو مالہ ہے، وہ بنے لگتا ہے، تو میں اُن کی مسجد تک جا کر نماز نہیں پڑھا سکتا، اور یا رسول اللہ! میری یہ خواہش ہے، کہ حضور میرے یہاں تشریف لائیں، اور میرے گھر میں نماز پڑھیں، تاکہ میں اُسی جگہ کو اپنی مستقل نماز گاہ بنالوں۔“ کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا: ”انشاء اللہ تعالیٰ میں ایسا کروں گا۔“ (عتبان کہتے ہیں) کہ صبح ہی کو جب کچھ دن چڑھا تھا رسول اللہ اور ابو بکر میرے یہاں پہنچ گئے، اور رسول اللہ ﷺ نے اندر آنے کی اجازت چاہی، میں نے آپ کو اجازت دی، پس جب آپ گھر میں تشریف لائے، تو بیٹھے نہیں، اور مجھ سے فرمایا: ”تم اپنے گھر میں سے کون سی جگہ پسند کرتے ہو، کہ میں وہاں نماز پڑھوں؟“ کہتے ہیں کہ میں نے گھر کی ایک جانب کی طرف اشارہ کر دیا، پس رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے، اور اللہ اکبر کہہ کر آپ

نے نماز شروع کر دی، ہم بھی صف باندھ کے آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے، پس آپ نے دو رکعتیں پڑھیں، اور سلام پھیر دیا، (عتبان کہتے ہیں) اور ہم نے آپ کو خزیرہ کھانے کیلئے روک لیا، جو آپ کے واسطے ہم نے تیار کیا تھا، اور (آپ کی اطلاع پا کے) محلہ والوں میں سے بھی چند آدمی آ کے جڑ گئے، پس انہی میں سے کسی کہنے والے نے کہا، کہ مالک بن دخیشن (یا ابن دحشن) کہاں ہے؟ انہی میں سے کسی نے جواب دیا، کہ ”وہ تو منافق ہے، اللہ اور اسکے رسول سے اُسے محبت ہی نہیں ہے۔“ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یہ مت کہو! کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ وہ ”لا الہ الا اللہ“ کا قائل ہے، اور اس سے وہ اللہ کی رضا ہی چاہتا ہے۔“ اس کہنے والے شخص نے کہا، کہ ”اللہ اور اسکے رسول ہی کو زیادہ علم ہے، ہم تو اُس کا رخ اور اُس کی خیر خواہی منافقوں کی طرف دیکھتے ہیں۔“ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”یقیناً اللہ عز و جل نے دوزخ کی آگ پر اُس شخص کو حرام کر دیا ہے، جس نے اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہا ہو، اور اُس کا ارادہ اس کلمہ سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنا ہی ہو۔“

(تشریح) اس حدیث میں بھی لا الہ الا اللہ کہنے والے پر آتش دوزخ حرام ہونے کا مطلب وہی ہے، جو اسی مضمون کی سابقہ احادیث کی تشریح کے ضمن میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔ بلکہ اس حدیث کی صحیح مسلم کی روایت میں بجائے ”قال لا الہ الا اللہ“ کے ”یشہد ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ“ ہے۔ اور مراد ان دونوں ہی عنوانوں سے دعوت اسلام کو قبول کرنا، اور دین اسلام کو بحیثیت دین کے اختیار کر لینا ہے، دراصل جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے عہد نبوی میں اسلام قبول کرنے اور اسلام کو اختیار کرنے کی یہ عام تعبیر تھی۔

یہاں ایک بات یہ بھی ملحوظ رکھنی چاہئے، کہ جن صحابی نے مالک بن دحشن کو منافق کہا تھا، اُن کی نظر میں بھی مالک بن دحشن میں نفاق یا فسق و فجور کی کوئی بات اسکے سوانہ تھی، کہ اُن کے خیال میں مالک بن دحشن، منافقین سے تعلقات اور میل ملاقات رکھتے تھے۔

اس سے ایک طرف تو صحابہ کرامؓ کے ایمانی جذبے کا انداز ہوتا ہے، کہ وہ اتنی سی بات سے بھی اس قدر ناراض ہوتے تھے، اور اس کو منافقت سمجھتے تھے۔ اور دوسری طرف آنحضرت ﷺ کی تنبیہ سے سبق ملتا ہے کہ جن لوگوں میں اس طرح کی کچھ کمزوریاں ہوں، مگر اپنے ایمان اور توحید و رسالت کی شہادت میں وہ مخلص ہوں، تو ان کے بارے میں ایسی بدگمانیاں اور اتنی

خزیرہ ایک قسم کے کھانے کا نام ہے، جو گوشت کی بوٹیوں میں پانی چھوڑ کر پکایا جاتا ہے، جب وہ پک چلتا ہے، تو اُس میں آناؤل کر خوب پکاتے ہیں ۱۲

نحت باتیں کرنی جائز نہیں، بلکہ ایمان کا پہلو زیادہ قابل لحاظ اور واجب الاحترام ہے۔
یہ بھی یاد رہنا چاہئے کہ یہ مالک بن دغیش بھی رسول اللہ ﷺ کے اُن صحابہ میں سے ہیں،
جو عام غزوات میں حتیٰ کہ بدر میں بھی شریک رہے ہیں، ممکن ہے کہ منافقین سے تعلقات
رکھنے میں، حاطب بن ابی بلتعہ کی طرح ان کی بھی کچھ مجبوریاں ہوں۔ واللہ اعلم۔

(۱۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كُنَّا فُعُودًا حَوْلَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَمَعَنَا أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ فِي نَفَرٍ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَيْنِ
أَظْهَرِنَا فَأَبْطَأَ عَلَيْنَا وَخَشِينَا أَنْ يُقْتَطَعَ دُونَنَا وَفَرَعْنَا فَقُمْنَا فَكُنْتُ أَوَّلَ مَنْ فَرَغَ
فَخَرَجْتُ..... أَتَبَغَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى آتَيْتُ حَائِطًا لِلْأَنْصَارِ
لِبَنِي النَّجَارِ فَدَرْتُ بِهِ هَلْ أَجِدُ لَهُ أَبَا فَلَمْ أَجِدْ فَإِذَا رِبِيعٌ يَدْخُلُ فِي جَوْفِ
حَائِطٍ مِنْ بَيْرٍ خَارِجَةٍ (وَالرَّبِيعُ الْجَدُولُ) قَالَ فَاحْتَفَزْتُ فَدَخَلْتُ عَلَى
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ
مَا شَأْنُكَ؟ قُلْتُ كُنْتُ بَيْنَ أَظْهَرِنَا فَقُمْتُ فَأَبْطَأَتْ عَلَيْنَا فَخَشِينَا أَنْ تُقْتَطَعَ
دُونَنَا فَفَرَعْنَا فَكُنْتُ أَوَّلَ مَنْ فَرَغَ فَآتَيْتُ هَذَا الْحَائِطَ فَاحْتَفَزْتُ كَمَا
يَحْتَفِزُ الثَّلَعُ وَهَؤُلَاءِ النَّاسُ وَرَأَيْتُ فَقَالَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ وَأَعْطَانِي نَعْلِي فَقَالَ
إِذْهَبْ بِنَعْلِي هَاتَيْنِ فَمَنْ لَقِيَكَ مِنْ وَرَاءِ هَذَا الْحَائِطِ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
مُسْتَقِيمًا بِهَا قَلْبُهُ بَشِيرُهُ بِالْجَنَّةِ فَكَانَ أَوَّلَ مَنْ لَقِيتُ عُمَرُ ، فَقَالَ مَا هَا تَانِ
الْثَّلَعَانِ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ ، فَقُلْتُ هَاتَانِ نَعْلَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَنِي
بِهِمَا مَنْ لَقِيتُ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُسْتَقِيمًا بِهَا قَلْبُهُ بَشِيرُهُ بِالْجَنَّةِ ، فَضَرَبَ
عُمَرُ بَيْنَ تَدْيِي فَخَرَرْتُ لِأَسْتَيْ فَقَالَ ارْجِعْ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ فَارْجِعْتُ إِلَى رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاجْهَشْتُ بِالْبُكَاءِ وَرَكِبْنِي عُمَرُو إِذَا هُوَ عَلَى اثَرِي
فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَكَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ قُلْتُ لَقِيتُ عُمَرَ
فَاخْبَرْتُهُ بِالَّذِي بَعَثَنِي بِهِ فَضَرَبَ بَيْنَ تَدْيِي ضَرْبَةً خَدَرْتُ لِأَسْتَيْ فَقَالَ ارْجِعْ ،
فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عُمَرُ مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا فَعَلْتَ فَقَالَ يَا
رَسُولَ اللَّهِ يَا بَابِي أَنْتَ وَأُمِّي أَبَعَثْتَ أَبَا هُرَيْرَةَ بِنَعْلَيْكَ مَنْ لَقِيَ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ
إِلَّا اللَّهُ مُسْتَقِيمًا بِهَا قَلْبُهُ بَشِيرُهُ بِالْجَنَّةِ قَالَ نَعَمْ ، قَالَ فَلَا تَفْعَلْ فَإِنِّي أَخْشَى أَنْ
يَتَكَلَّ النَّاسُ عَلَيْهَا فَحَلَّيْهِمْ يَعْمَلُونَ ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فَخَلَّاهُمْ

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ ایک دن ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی خدمت میں حاضر تھے، اور) آپ کے ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے، اور حضرت ابو بکر و عمرؓ بھی ہمارے ساتھ ہی اس مجلس میں تھے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان سے اٹھے (اور کسی طرف کو نکل گئے) اور پھر آپ کی واپسی میں بہت دیر ہو گئی، تو ہمیں ڈر ہوا، کہ کہیں ہم سے علیحدہ آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے، (یعنی ہماری عدم موجودگی میں کسی دشمن وغیرہ سے آپ کو کوئی ایذا نہ پہنچ جائے)۔ پس اس خیال سے ہمیں سخت گھبراہٹ اور فکر لاحق ہوئی، اور ہم لوگ (آپ کی جستجو میں) نکل کھڑے ہوئے، اور سب سے پہلے میں ہی گھبرا کے حضور کی تلاش میں نکلا، یہاں تک کہ انصار کے خاندان بنی النجار کے ایک باغ پر پہنچ گیا، جو چہار دیواری سے گھرا ہوا تھا، اور میں نے اسکے چاروں طرف چکر لگایا، کہ اندر جانے کے لئے مجھے راستہ مل جائے، لیکن نہیں ملا، پھر مجھے پانی کی ایک گول (چھوٹی سے نہر) نظر پڑی، جو باہر کے ایک کنوئیں سے باغ کے اندر جاتی تھی (ابو ہریرہؓ کہتے ہیں) میں سمٹ اور سکر کر اس میں سے باغ کے اندر گھس گیا، اور رسول اللہ ﷺ کے پاس جا پہنچا، حضور نے فرمایا: ”ابو ہریرہ! میں نے عرض کیا: ”ہاں یا رسول اللہ میں ہی ہوں۔“ آپ نے فرمایا ”تم کیسے آئے؟“ میں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! آپ ہمارے درمیان تشریف رکھتے تھے، پھر وہاں سے اٹھ کر چلے آئے، اور جب دیر تک آپ کی واپسی نہیں ہوئی، تو ہمیں خطرہ ہوا، کہ مبادا ہم سے علیحدہ آپ کو کوئی ایذا پہنچائی جائے، اسی خطرے سے گھبرا کے ہم سب چل پڑے، اور سب سے پہلے گھبرا کے میں ہی نکلا تھا، یہاں تک کہ میں اس باغ تک پہنچا، اور (جب مجھے کوئی دروازہ نہیں ملا، تو) لومڑی کی طرح سمٹ سکر کے، میں (اس گول میں سے کسی طرح) گھس آیا ہوں، اور دوسرے لوگ بھی میرے پیچھے آرہے ہیں۔“ پھر حضور نے اپنے نعلین مبارک مجھے عطا فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ ”میرے یہ جوتے لے کر جاؤ، اور اس باغ سے نکل کے جو آدمی بھی تمہیں ایسا ملے، جو دل کے پورے یقین کے ساتھ لا الہ الا اللہ کی شہادت دیتا ہو، اس کو جنت کی خوشخبری سناؤ۔“ (ابو ہریرہؓ کہتے ہیں، میں وہاں سے چلا) تو سب سے پہلے میری ملاقات عمرؓ سے ہوئی، انھوں نے مجھ سے پوچھا: ”ابو ہریرہ! تمہارے ہاتھ میں یہ دو جوتیاں کیسی ہیں؟“ میں نے کہا: ”یہ حضور (ﷺ) کی نعلین مبارک ہیں، حضور نے مجھے یہ دے کر بھیجا ہے، کہ جو کوئی بھی دل سے ”لا الہ الا اللہ“ کی شہادت دینے والا مجھے ملے، میں اس کو جنت کی خوشخبری سناؤں۔“ (ابو ہریرہؓ کہتے ہیں، کہ) پس عمرؓ نے میرے سینے پر ایک

ہاتھ مارا جس سے میں اپنی سرینوں کے بل پیچھے کو گر پڑا اور مجھ سے انھوں نے کہا: ”پیچھے کو لوٹو۔“ میں روتا ہوا حضور کے پاس واپس آیا، اور عمر بھی میرے پیچھے پیچھے آئے، رسول اللہ ﷺ نے (مجھے اس حالت میں دیکھ کر) پوچھا: ”ابو ہریرہ! تمہیں کیا ہوا؟“ میں نے عرض کیا کہ: عمر مجھے ملے تھے، حضور نے مجھے جو پیغام دے کر بھیجا تھا، میں نے وہ انہیں بتلایا، تو انھوں نے میرے سینے پر ایک ایسی ضرب لگائی جس سے میں اپنی سرینوں کے بل گر پڑا، اور مجھ سے کہا، کہ پیچھے کو لوٹو۔ رسول اللہ ﷺ نے عمر کو مخاطب کر کے فرمایا: ”عمر! تم نے ایسا کیوں کیا؟“ انھوں نے عرض کیا: حضور پر میرے ماں باپ قربان ہوں! کیا آپ نے ابو ہریرہ کو اپنے نعلین مبارک دے کر اسلئے بھیجا تھا، کہ جو کوئی بھی دل کے یقین کے ساتھ ”لا الہ الا اللہ“ کی شہادت دینے والا ان کو ملے، وہ اس کو جنت کی بشارت دیدیں؟“ حضور نے فرمایا: ہاں! میں نے ہی یہ کہہ کے بھیجا تھا۔“ عمر نے عرض کیا: ”حضور! ایسا نہ کیجئے، مجھے خطرہ ہے کہ کہیں لوگ بس اس شہادت ہی پر بھروسہ کر کے (سعی و عمل سے بے پردہ ہو کے) نہ بیٹھ جائیں، لہذا انہیں اسی طرح عمل کرنے دیجئے۔“ حضور نے فرمایا: ”تو جانے دو!“۔

(تشریح) اس حدیث میں چند چیزیں وضاحت طلب ہیں:

(۱) رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر حضرت ابو ہریرہؓ کو اپنی نعلین مبارک کیوں عطا فرمائیں؟ شارحین نے اس کی توجیہ میں اگرچہ کئی باتیں کہی ہیں، لیکن ان سب میں زیادہ قرین قیاس یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کو آپ نے جس بشارت عظمیٰ کے اعلان کے لئے بھیجا تھا، اس کی غیر معمولی اہمیت کی وجہ سے آپ نے اپنی کوئی خاص نشانی بھی اُن کیساتھ کر دینا مناسب سمجھا، اور اس وقت آپ کے پاس ایسی چیز جو اس مقصد کے لئے آپ اُن کو دے سکتے تھے، یہ نعلین مبارک ہی تھیں، اسلئے وہی آپ نے اُن کو عطا فرمادیں۔ واللہ اعلم۔

(۲) حضرت عمرؓ نے اس واقعہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ جو سختی کا معاملہ فرمایا، اس کی صحیح نوعیت کو سمجھنے کے لئے حضرت عمرؓ کی اُس امتیازی حیثیت کو پیش نظر رکھنا چاہئے، جو صحابہ کرامؓ کی جماعت میں اُن کو حاصل تھی، یعنی وہ (اور حضرت ابو بکرؓ بھی) حضور ﷺ کے خاص شریک کار، محرم راز، مشیر خصوصی، اور گویا آپ کے وزیر و نائب تھے، اور صحابہ کرامؓ عام طور سے اُن کے اس امتیازی مقام کو پہچانتے تھے، اور جس طرح ہر جماعت اور ہر خاندان کا بڑا، اپنے چھوٹوں کو تنبیہ اور سرزنش کا حق رکھتا ہے، اُسی طرح حضرت عمرؓ بھی یہ حق رکھتے تھے اور بسا اوقات حسبِ ضرورت اس حق کو آپ استعمال بھی فرماتے تھے، اور واقعہ یہ ہے کہ چھوٹوں کی اصلاح و تربیت

کے لئے بڑوں کے واسطے اس حق کا ماننا ضروری بھی ہے، پس حضرت عمرؓ نے اس واقعہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کیساتھ جو تشدد کیا، وہ درحقیقت اسی قبیل سے ہے، اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابتداً ان سے واپس ہونے کو کہا ہوگا، لیکن وہ چونکہ تمام اہل ایمان کے لئے ایک بشارتِ عظمیٰ کا پروانہ لے کر آرہے تھے، اور اُن کے نزدیک یہ ایک بڑی سعادت تھی جو انہیں حاصل ہو رہی تھی، اس لئے انہوں نے واپس ہونے سے انکار کیا ہوگا، اور بالآخر حضرت عمرؓ نے ان کو واپس لوٹانے کے لئے اس جبر و تشدد سے کام لیا ہوگا، کیونکہ ان کو مقامِ نبوت اور شہنشاہِ نبوت کی پوری شناسائی کی وجہ سے اس کا کامل یقین تھا، کہ اس بشارتِ عامہ کا مضر پہلو جب حضور (ﷺ) کے سامنے آئے گا، تو آپ بھی اس کو خلافِ مصلحت ہی سمجھیں گے، اور ابو ہریرہؓ کو اس کی عام اشاعت سے منع فرمائیے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

یہاں یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے، کہ ایک دفعہ رسول اللہ (ﷺ) نے حضرت معاذ کو بھی ایسی ہی بشارت سنائی تھی (وہ حدیث اوپر گزر چکی ہے) اس وقت حضرت معاذؓ نے رسول اللہ (ﷺ) سے اجازت مانگی تھی، کہ وہ سب مسلمانوں کو یہ خوشخبری سنا دیں، تو حضور نے اجازت نہیں دی تھی، اور اجازت نہ دینے کی وجہ یہی بیان فرمائی تھی کہ لوگ اسی پر بھروسہ کر کے دینی ترقیوں سے رہ جائیں گے۔

(۳) اس حدیث میں بھی صرف ”لا الہ الا اللہ“ کی شہادت پر جنت کی خوشخبری دی گئی ہے، سو اس کی ایک عام توجیہ تو وہی ہے، جو مندرجہ بالا احادیث کے ذیل میں ذکر کی جا چکی ہے۔ ماسوا اُسکے، اس حدیث کے الفاظ میں اس احتمال کی بھی کافی گنجائش ہے، کہ حضور (ﷺ) کا مطلب اس ارشاد سے صرف یہ ہو کہ جو کوئی ”لا الہ الا اللہ“ کی شہادت دے، یعنی صدقِ دل سے دینِ توحید (اسلام) پر ایمان لائے، اُس کو خوشخبری دے دی جائے کہ وہ ضرور جنت میں جائے گا، اگرچہ گناہوں کی سز پانے کے بعد ہی جائے، اس صورت میں کوئی اشکال نہیں رہتا۔

اسکے سوا ایک خاص نکتہ یہاں یہ بھی قابلِ ذکر ہے، کہ مقررینِ بارگاہِ قدس پر بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے بے پناہ قہر و جلال اور شانِ غضب و انتقام کا جب خاص انکشاف ہوتا ہے، تو اُن پر ہیبت اور خوف کا غلبہ ہو جاتا ہے، اور اُس وقت کا اور اک احساس یہ ہوتا ہے کہ شاید کسی بھی نافرمان کی نجات نہ ہو سکے گی، اور اُس خاص حال میں اُن کے ارشادات اس طرح کے ہوتے ہیں، کہ جو یہ گناہ کرے گا جنت میں نہیں جاسکے گا، جو وہ گناہ کرے گا، جنت کی ہوا بھی نہیں پاسکے گا،

وغیرہ وغیرہ..... اور اسی طرح جب دوسرے بعض اوقات میں اُن پر اللہ تعالیٰ کی شان رحمت اور اسکے بے حساب اور بے اندازہ فضل و کرم کا انکشاف ہوتا ہے، تو اُن پر رجا اور امید رحمت کا غلبہ ہو جاتا ہے، اور اُس عالم میں اُن کا اور اک واحساس یہ ہوتا ہے کہ جس میں کچھ بھی ذرہ خیر ہو گا وہ بخشا ہی جائے گا، اور ایسے ہی احوال میں اُن حضرات کی زبانوں سے اس طرح کی عام بشارتیں نکلتی ہیں..... اسی نکتے کو عارف شیرازیؒ نے اس طرح ادا کیا ہے۔

بہ تہدید گر برکشد تیغ حکم بمانند کرویاں صم و بکم
وگر درد ہدیک صلائے کرم عزایل گوید نصیبے برم

پس حدیث مند رجبہ بالا کے بارے میں یہ بھی بہت زیادہ قرین قیاس ہے، کہ حضرت ابو ہریرہؓ جس وقت بنی النجار کے اُس باغ میں حضور ﷺ کے پاس پہنچے ہوں، تو اُس وقت آپ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں شہنشاہی رحمت اور تجلیات کرم کے مراقبہ و مشاہدے میں مستغرق ہوں، اور اسی حالت میں آپ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو بطور نشانی اپنی نعلین مبارک عطا فرما کر ہر شہید توحید کو جنت کی خوشخبری سنا دینے کا حکم دے دیا ہو، لیکن حضرت عمرؓ چونکہ اس پوری حقیقت کے رازداں اور ان احوال و کیفیات کے آثار چڑھاؤ سے باخبر تھے، اسلئے انھوں نے حضور ﷺ سے براہ راست مراجعت و تحقیق تک حضرت ابو ہریرہؓ کو اسکے اعلان عام سے روکا ہو، دوسرے طور پر اس کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے، کہ حضرت عمرؓ پر اُس وقت رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک کی اُس خاص کیفیت (یعنی غلبہ رجا و رحمت) کا انکشاف منجانب اللہ ہو چکا تھا، اور اُن کو اپنے نور فراست سے اس بات کا یقین تھا، کہ جب آنحضرت ﷺ پر اس کیفیت کا غلبہ نہیں رہے گا، اور اس اعلان کا دوسرا پہلو آپ کے سامنے رکھا جائے گا، تو خود آپ اُس کو منع فرمادیں گے، جیسا کہ ظہور میں آیا..... اس طرح کے مواقع پر صحیح حقیقت کا اور اک و انکشاف حضرت عمرؓ کی امتیازی فضیلت ہے، جس کو حدیث نبویؐ میں ”مقامِ محدثیت“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ایک اور اصولی بات جس سے اس طرح کی

بہت سی حدیثوں کا اشکال حل ہو جاتا ہے!

اس قسم کی آیات یا احادیث پر غور کرتے وقت ایک اصولی بات یہ بھی ملحوظ رکھنے کے قابل ہے کہ اس قسم کی بشارتوں میں مستحکم کا مقصد اور ^{مطمئن} نظر کسی عمل خیر کی ذاتی خاصیت اور اس کا

اصلی اثر بتلانا ہوتا ہے، قطع نظر اس سے، کہ اگر دوسرے اعمال کا تقاضا اسکے خلاف ہو، تو پھر انجام کیا ہوگا..... اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ طب کی کتابوں میں اسی اصول پر دواؤں کے خواص بیان کئے جاتے ہیں، مثلاً لکھا جاتا ہے، کہ جو شخص اطر فیفل استعمال کرتا رہے گا، وہ ہمیشہ نزلہ سے محفوظ رہے گا، اب اس سے یہ سمجھ لینا کہ جو شخص اطر فیفل کھانے کے ساتھ ساتھ تیل، ترشی وغیرہ انتہائی درجے کی نزلہ پیدا کرنے والی چیزیں بھی برابر کھاتا رہے، اُس کو بھی کبھی نزلہ نہ ہوگا، سخت نامہنی اور اطبا کے طرز کلام سے ناواقف ہی ہے۔

اس اصول کی روشنی میں اس قسم کی حدیثوں کا مدعا صرف اتنا ہی ہے کہ توحید و رسالت کی شہادت کا ذاتی اقتضاء یہی ہے کہ ایسا آدمی عذاب دوزخ سے محفوظ رہے، اور جنت میں جائے، لیکن اگر اُس نے اپنی بد بختی سے کچھ ایسے بد اعمال بھی کئے ہیں جن کا ذاتی اقتضاء قرآن و حدیث میں عذاب پانا، اور دوزخ میں جانا ہی بتلایا گیا ہے، تو ظاہر ہے کہ وہ بھی اپنا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہی دکھائیں گے۔

اگر یہ چھوٹا سا نکتہ ملحوظ رکھا جائے، تو وعدہ و وعید اور ترغیب و ترہیب کے سلسلہ کی صدہا حدیثوں کے بارے میں لوگوں کو غلط فہمی اور اس کی وجہ سے جو الجھن ہوتی ہے، وہ انشاء اللہ نہ ہوگی۔

(۱۹) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِيدُ شَعِيرَةً ثُمَّ يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِيدُ بُرَّةً ثُمَّ يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِيدُ ذَرَّةً. (رواه البخاری و مسلم واللفظ له)

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”دوزخ میں سے وہ سب لوگ نکال لئے جائیں گے جنہوں نے ”لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہا، اور اُن کے دل میں جو کے دانے کے برابر بھی بھلائی تھی، پھر وہ لوگ بھی نکال لئے جائیں گے جنہوں نے ”لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہا، اور ان کے دل میں گے ہوں کے دانے برابر بھی بھلائی تھی اور اُس کے بعد وہ لوگ بھی نکال لئے جائیں گے جنہوں نے ”لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہا، اور اُن کے دل میں ذرہ برابر بھی بھلائی تھی۔

(تشریح) جیسا کہ بعض احادیث سابقہ کی تشریح میں مفصل اور مدلل طور پر لکھا جا چکا ہے

اُسی طرح اس حدیث میں بھی ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہنے سے مراد ”وہیں اسلام“ قبول کرنا، اور اس کا اقرار کرنا ہے اور اس بنا پر حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ اسلام کا کلمہ پڑھتے ہوں، اور اپنے کو اسلام سے وابستہ کرتے ہوں، اور اُن کے دل میں ذرہ برابر خیر (یعنی نورِ ایمان) ہو، تو وہ بالآخر دوزخ سے نکال ہی لئے جائیں گے، اس روایت میں تین جگہ ’خیر‘ کا لفظ آیا ہے، جس کا ترجمہ ہم نے بھلائی کیا ہے، لیکن حضرت انسؓ کی اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں (جس کو امام بخاریؒ نے بھی ذکر کیا ہے) بجائے خیر کے ایمان کا لفظ بھی آیا ہے، جو اس بات کا صاف قرینہ ہے کہ یہاں خیر سے مراد نورِ ایمان ہی ہے۔

اس حدیث سے دو نہایت اہم باتیں جو اہل حق کے خاص اجماعی عقائد میں سے ہیں، پوری صراحت اور صفائی کے ساتھ معلوم ہو جاتی ہیں۔

ایک یہ کہ بہت سے لوگ کلمہ اسلام پڑھنے کے باوجود اپنی بد اعمالیوں کے سبب دوزخ میں بھی ڈالے جائیں گے۔

اور دوسرے یہ کہ اگر اُن کے دلوں میں خفیف سے خفیف اور ضعیف سے ضعیف، حتیٰ کہ (حدیث کی تصریح کے مطابق) ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا، تو بالآخر وہ دوزخ سے نکال لئے جائیں گے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی اونٹنی سے اونٹنی درجے کا مومن بھی کافروں کی طرح ہمیشہ دوزخ میں رہے۔ اگرچہ وہ اعمال کے لحاظ سے کیسا ہی فاسق و فاجر کیوں نہ ہو۔

اس مضمون کی حدیثیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی میں حضرت انسؓ کے علاوہ حضرت ابو سعید خدریؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی مروی ہیں، اور حدیث کی دوسری کتابوں میں یہ مضمون ان حضرات کے علاوہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ وغیرہ متعدد صحابہ کرام سے روایت کیا گیا ہے، بہر حال فنِ حدیث کی معرفت اور علومِ حدیث میں بصیرت رکھنے والوں کے نزدیک یہ مضمون آنحضرت ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے، بلکہ صحیحین میں حضرت ابو سعید خدریؓ کی جو مفصل روایت ہے، اُس میں صراحت کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے کہ جو گنہگار مسلمان دوزخ میں ڈالے جائیں گے، اُن کے حق میں نجات یافتہ مومنین اللہ تعالیٰ سے بڑے الحاح کے ساتھ عفو و درگزر اور بخشش و کرم کی استدعا کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ اُن کی اس استدعا و التجا کو قبول فرما کر اُنہی کو اجازت دیدیں گے، کہ جاؤ جس میں ایک دینار برابر بھی خیر تمہیں نظر آئے اس کو نکال لو، چنانچہ ایک بہت کثیر تعداد ایسے لوگوں کی بھی نکال لی جائے گی،

پھر ان کو اجازت دی جائے گی کہ جاؤ ایسے لوگوں کو بھی نکال لو جن میں نصف دینار کے برابر خیر بھی تمہیں نظر آئے، چنانچہ ایک بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی نکال لی جائے گی پھر حکم ہوگا کہ جاؤ ایسے لوگوں کو بھی نکال لو جن کے اندر ذرہ برابر خیر بھی تمہیں نظر آئے، چنانچہ پھر بہت بڑی تعداد اس درجے کے لوگوں کی بھی نکال لی جائے گی، اور اسکے بعد یہ سفارش کرنے والے خود عرض کریں گے: رَبَّنَا لَمْ نَذَرْ فِيهَا خَيْرًا (خداوند! اب دوزخ میں ہم نے کچھ بھی خیر رکھنے والا کوئی آدمی نہیں چھوڑا ہے)..... اسکے بعد حق تعالیٰ کا ارشاد ہوگا:-

”شَفَعَتِ الْمَلَائِكَةُ وَشَفَعَ النَّبِيُّونَ وَلَمْ يَبْقَ إِلَّا أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ فَيَقْبِضُ قَبْضَةً فَيُخْرِجُ مِنْهَا قَوْمًا لَمْ يَعْمَلُوا خَيْرًا قَطُّ“

(فرشتوں کی بھی سفارش ہو چکی، اور نبیوں کی بھی سفارش ہو چکی، اور مومنین کی بھی سفارش ہو چکی اور ان کی سفارشیں بھی قبول کی جائیں گی، اور اب بس ارحم الراحمین ہی کی باری رہ گئی ہے، پھر اللہ تعالیٰ خود اپنے مغفرت و رحمت کے ہاتھ سے ایسے لوگوں کو بھی دوزخ سے نکال لیں گے، جنہوں نے کبھی کوئی نیک عمل کیا ہی نہ ہوگا)۔

آگے حضرت ابوسعید کی اسی حدیث کے آخر میں ان لوگوں کے متعلق یہ بھی ہے کہ:

”هَؤُلَاءِ عَتَاءُ اللَّهِ الَّذِينَ أَدْخَلَهُمُ اللَّهُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ عَمَلٍ عَمِلُوهُ وَلَا خَيْرٍ قَدَّمُوهُ“

(یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے چھوڑے ہوئے ہوں گے اللہ ان کو جنت میں داخل کرے گا بغیر عمل کے، جو انہوں نے کیا ہو، اور بغیر خیر کے جو انہوں نے پیش کیا ہو)۔

گویا یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے پاس بہت ہی ضعیف اور نہایت ہی خفی ایمان کے سوا عمل صالح اور خیر کا کوئی سرمایہ بالکل نہ ہوگا، مگر اللہ تعالیٰ بالآخر ان کو بھی اپنے رحم و کرم سے دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیں گے۔

اس مسئلہ میں اسلام کی ابتدائی صدیوں میں مرجیہ اور خوارج نے افراط اور تفریط کی راہ اختیار کی تھی، اور آج کل بھی بعض حلقوں کا رجحان افراط کی طرف اور بعض کا تفریط کی طرف ہو رہا ہے۔ اسلئے ہم نے حدیث کی نفس تشریح سے زیادہ چند سطریں لکھنی ضروری سمجھیں۔

وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

اسلام لانے سے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں!

(۲۰) عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ لَمَّا جَعَلَ اللَّهُ الْإِسْلَامَ فِي قُلُوبِ آتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ أُبْسِطْ يَمِينَكَ فَلَا بَأْسَ بِكَ قَبَسْتُ يَمِينَهُ فَقَبَضْتُ بِيَدِي فَقَالَ مَا لَكَ يَا عَمْرُو قُلْتُ ارْزُتُ أَنْ أَشْطَرْتُ قَالَ تَشْطَرُ مَاذَا؟ قُلْتُ أَنْ يَغْفِرَ لِي قَالَ أَمَا عَلِمْتَ يَا عَمْرُو أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ وَأَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا وَأَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ. (رواه مسلم)

(ترجمہ) حضرت عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے، کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام لانے کا خیال میرے دل میں ڈالا، تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے عرض کیا، اپنا ہاتھ بڑھائیے تاکہ میں آپ سے بیعت کروں، پس آپ نے اپنا ہاتھ اٹھ آگے کر دیا، پس میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، تو آپ نے فرمایا: عمرو! تمہیں کیا ہوا؟ (یعنی تم نے اپنا ہاتھ کیوں کھینچ لیا؟) میں نے عرض کیا: میں ایک شرط لگانا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا: تم کیا شرط لگانا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا: یہ کہ میری خطائیں بخش دی جائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اے عمرو! کیا تمہیں معلوم نہیں ہے، کہ اسلام قبول کرنا پہلے سب گناہوں کو ڈھادیتا ہے، اور ہجرت بھی پہلے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے۔ اور حج بھی پہلے گناہوں کو زائل کر دیتا ہے۔

(تشریح) آنحضرت ﷺ نے گناہوں کی مغفرت کے بارے میں اسلام کے علاوہ ہجرت اور حج کی تاثیر کا ذکر اس موقع پر یہ ظاہر کرنے کے لئے فرمایا کہ اسلام تو اسلام، اسکے بعض اعمال میں بھی گناہوں سے پاک صاف کر دینے کی خاصیت ہے..... لیکن دو باتیں یہاں خاص طور پر قابلِ لحاظ ہیں، ایک یہ کہ اسلام لانے اور ہجرت یا حج کرنے کی یہ تاثیر اس صورت میں ہے، جبکہ یہ کام صدقِ نیت اور اخلاص کے ساتھ کئے جائیں..... دوسرے یہ کہ دلائلِ شرعیہ سے یہ بات اپنی جگہ ثابت شدہ ہے، کہ اگر کسی کے ذمے اللہ کے بندوں کے حقوق ہیں، خصوصاً مالی حقوق تو اسلام یا ہجرت یا حج سے وہ معاف نہیں ہوتے، اُن کا معاملہ حقداروں ہی سے صاف کرنا ضروری ہے۔

کفر و شرک کی زندگی سے تائب ہو کر اسلام قبول کرنے والوں کے پچھلے گناہوں کی معافی کا وعدہ قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے، ارشاد ہے:

”قُلْ لِلدِّينِ كَفَرُوا اِنْ يَنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ“

(اے رسول! اُن لوگوں سے کہہ دیجئے جنہوں نے کفر کا ارتکاب کیا، کہ اگر وہ باز آجائیں، تو اُن کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے)۔

(۲۱) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا أَسْلَمَ الْعَبْدُ فَحَسَنَ إِسْلَامُهُ يُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُ كُلَّ سَيِّئَةٍ كَانَ زَلَفَهَا وَكَانَ بَعْدَ ذَلِكَ الْقِصَاصُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةٍ ضَعْفٍ وَالسَّيِّئَةُ بِمِثْلِهَا إِلَّا أَنْ يَتَجَاوَزَ اللَّهُ عَنْهَا. (رواه البخاری)

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے، کہ: ”جب بندہ اسلام قبول کر لیتا ہے اور اُس کا اسلام اچھا ہوتا ہے، تو جو بُرائیاں اس نے پہلے کی ہوتی ہیں، اللہ اسلام کی برکت سے اُن سب کو معاف کر دیتا ہے، اور اُس کے بعد اُس کی نیکیوں اور بدیوں کا حساب یہ رہتا ہے کہ ایک نیکی پر دس گنّے سے لیکر سات سو گنّے تک ثواب دیا جاتا ہے، اور بُرائی کرنے پر وہ اُسی ایک بُرائی کی سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ اِلَّا یہ کہ اللہ تعالیٰ اُس سے بھی درگزر فرمائے اور معاف ہی فرمادے۔“ (بخاری)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کے دین (اسلام) کو اپنا دین بنانے سے، اور مسلمان ہو جانے سے پچھلے گناہ معاف ہونے کی یہ شرط ہے کہ اسلام کا حسن بھی زندگی میں آجائے (یعنی اُس کا قلب و باطن نورِ اسلام سے منور، اور قالب و ظاہر اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری سے مزین اور آراستہ ہو جائے)۔ ”فَحَسَنَ إِسْلَامُهُ“ کا یہی مطلب ہے۔ پس اگر کسی شخص کی زندگی اسلام میں آجانے کے بعد بھی نورِ اسلام اور اسلام کے حُسن سے خالی رہی، اور اُس کے ظاہر و باطن پر اسلام کا رنگ نہیں چڑھا، تو پچھلے سب گناہوں سے معافی کا یہ اعلان اُس کے لئے نہیں ہے۔

اسی طرح یہ بھی اس حدیث سے معلوم ہوا، کہ ایک نیکی کا ثواب دس گنّے سے سات سو گنّے تک دیئے جانے کا انعامی قانون بھی اُنہی بندوں کے لئے ہے جنہوں نے اسلام کا کچھ حُسن اپنے اندر پیدا کر لیا ہو، اور اس حُسن کی کمی بیشی کے حساب سے ہی نیکیوں کا ثواب دس گنّے سے سات سو گنّے تک ملے گا۔

ایمان لانے کے بعد جان و مال معصوم و محفوظ ہو جاتے ہیں

(۲۲) عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَمَنْ قَالَهَا فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ وَحِسَابُهُ عَلَى اللَّهِ.
(رواه البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت عمرؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ جاری رکھوں جب تک کہ وہ ”لا الہ الا اللہ“ کے قائل نہ ہو جائیں، پس جو شخص ”لا الہ الا اللہ“ کا قائل ہو گیا اسے اپنے مال اور اپنی جان کو محفوظ کر لیا، سوائے اُسکے حق کے اور اُس کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔“
(بخاری و مسلم)

(تشریح) حضرت عمرؓ سے اس حدیث کی روایت اُس مکالمہ کے ضمن میں آتی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ادا کی گئی زکوٰۃ سے انکار کرنے والے بعض قبائل کے خلاف جنگ کرنے کے بارے میں اُن کے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے درمیان ہوا تھا۔

اس حدیث میں بھی ”لا الہ الا اللہ“ کہنے سے مُراد، دعوتِ اسلام کا قبول کرنا ہے، اور جس طرح مذکورہ سابق احادیث میں اسلام قبول کرنے کا اخروی نتیجہ عذابِ دوزخ سے نجات اور حصولِ جنت بتایا گیا ہے، اسی طرح اس حدیث میں قبولِ اسلام کا ایک دینی اور قانونی نتیجہ جان و مال کا محفوظ و مامون ہو جانا بتلایا گیا ہے۔ نیز اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اسلامی جنگ کے متعلق ایک نہایت اہم اور اصولی اعلان بھی فرمایا ہے، اور وہ یہ کہ ہماری جنگ کا مقصد اسکے سوا کچھ نہیں، کہ اللہ کے بندوں کو اُس کی بندگی کے رستے پر لگایا جائے، اور اُن کو عذابِ ابدی سے نجات دلائی جائے، لہذا جو کوئی اللہ کے دین کو قبول کر لے، اور اللہ ہی کی بندگی کا اقرار کر کے اُسکے مقرر کئے ہوئے طریقہ زندگی (دینِ اسلام) کو اپنا دین بنا لے، اسکے جان و مال کو ہماری طرف سے بالکل امن ہے۔

”إِلَّا بِحَقِّهِ“ کا مطلب یہ ہے کہ البتہ اگر اُس نے اسلام اختیار کرنے کے بعد کوئی ایسا جرم کیا، کہ خود اللہ کے قانون کا تقاضا اُس کو جانی یا مالی سزا دینے کا ہو، تو خداوندی حکم کے مطابق اس کو سزا دی جائے گی، اور ”لا الہ الا اللہ“ کہنے اور مسلمان کہلانے کی وجہ سے وہ اس قانونی سزا سے نہیں

بچ سکے گا۔

”وَحِسَابُهُ عَلَى اللَّهِ“ کا مطلب یہ ہے، کہ جو شخص کلمہ اسلام پڑھ کے اپنا ایمان لانا ہمارے سامنے ظاہر کرے گا، ہم اُس کو مومن اور مسلم تسلیم کر کے اُسکے خلاف جنگ بند کر دیں گے، اور اُس کے ساتھ ایمان و اسلام ہی کا معاملہ کریں گے، لیکن اگر فی الواقع اُس کی نیت میں کوئی بُرائی، اور اُسکے دل میں کوئی کھوٹ ہوگی، تو اُس کا حساب آخرت میں اللہ تعالیٰ پر ہے، جو عَالِمُ الْغَيْبِ اور عَلِيمُ بِذَاتِ الصُّدُور ہے، وہ ہی اُس سے حساب کر لے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث قریب قریب انہی الفاظ میں صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ اور طارقؓ اشجعیؓ سے بھی روایت کی گئی ہے، اور بعض دوسرے صحابہ کرام نے اس مضمون کو کسی قدر تفصیل سے بھی روایت کیا ہے، جس سے اس حدیث کے مضمون کی بھی اور زیادہ وضاحت ہو جاتی ہے، ہم ان میں سے بعض روایات ذیل میں درج بھی کرتے ہیں۔

(۲۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَمِرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَيُؤْمِنُوا بِي وَبِمَا جِئْتُ بِهِ فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَائَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بَحْثَهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ .

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ: ”مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے اُس وقت تک جنگ جاری رکھوں جب تک کہ وہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی شہادت دیں، اور مجھ پر اور جو ہدایت میں لیکر آیا ہوں اُس پر ایمان لے آئیں، سو جب وہ ایسا کر لیں، تو انہوں نے اپنے جان و مال کو مجھ سے محفوظ کر لیا، سوائے اُسکے حق کے اور اُن کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔“

(تشریح) اس حدیث میں ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی شہادت کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت پر اور آپ کے لائے ہوئے دین پر ایمان لانے کا بھی ذکر ہے، یہ بھی اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ اس سے پہلی حدیث میں ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کے قائل ہونے کا جو ذکر ہے، اس سے دعوتِ اسلام کا قبول کرنا ہی مراد ہے۔

(۲۴) عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَمِرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ

وَيُتَوَلَّى زَكَاةً فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمُ الْبَاقِي
الْإِسْلَامَ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ.

(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے جنگ جاری رکھوں اُس وقت تک کہ وہ اس بات کی شہادت ادا کریں (یعنی اس کا اقرار و اعلان کریں) کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد اللہ کے پیغمبر ہیں، اور نماز قائم کرنے لگیں، اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں، پس جب وہ یہ سب کچھ کرنے لگیں تو انہوں نے اپنے جان و مال کو مجھ سے محفوظ کر لیا سوائے حق اسلام کے، اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔“

(بخاری و مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں توحید و رسالت کی شہادت کے علاوہ نماز قائم کرنے، اور زکوٰۃ ادا کرنے کا بھی ذکر ہے..... اور درحقیقت ان دو رکھوں کا ذکر بھی صرف تمثیل اور نشانی کے طور پر کیا گیا ہے، ورنہ یہاں بھی مراد یہی ہے کہ اللہ کے دین پر ایمان لے آئیں، اور دعوت اسلام کو قبول کر لیں، جس کو حضرت ابوہریرہؓ کی مندرجہ بالا حدیث میں ”و یؤمنوا بی و بما جنت بہ“ (اور مجھ پر ایمان لاویں، اور جو ہدایت میں لایا ہوں اس پر ایمان لاویں) کے مختصر، مگر جامع الفاظ میں ادا کیا گیا ہے۔

(۲۵) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ
أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، فَإِذَا قَالُواهَا صَلُّوا صَلَوَاتَنَا وَاسْتَقْبَلُوا
قِبَلَتَنَا وَآكَلُوا ذَبِيحَتَنَا فَقَدْ حُرِّمَتْ عَلَيْنَا دِمَائُهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَ
حِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ.

(رواہ البخاری)

(ترجمہ) حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے حکم دیا گیا ہے، کہ میں لوگوں سے جنگ جاری رکھوں، یہاں تک کہ وہ ”لا الہ الا اللہ“ کے قائل ہو جائیں، پس جب وہ ”لا الہ الا اللہ“ کے قائل ہو جائیں اور ہماری نمازیں پڑھنے لگیں، اور (اپنی نمازوں میں) ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرنے لگیں، اور ہمارا ذبیحہ کھانے لگیں، تو ان کے خون اور ان کے مال ہم پر حرام ہو گئی سوائے اسکے حق کے، اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔“

(بخاری)

(تشریح) اس حدیث میں شہادت توحید کے ساتھ نماز پڑھنے اور نماز میں قبلہ اسلام کی طرف رخ کرنے اور اہل اسلام کی ذبیحہ کھانے کا ذکر بھی کیا گیا ہے، درحقیقت ان تمام چیزوں کا

ذکر بھی بطور علامات اور نشانیوں ہی کے کیا گیا ہے، اور اصل مقصد اس حدیث کا بھی احادیث مندرجہ بالا کی طرح صرف اتنا ہی ہے، کہ ہماری جنگ جس کسی سے بھی ہے صرف دین کی خاطر، اور لوگوں کو کفر و شرک کی گمراہی سے نکال کر راہ حق پر لانے کے لئے ہے، پس جو لوگ بے راہ روی چھوڑ کر اللہ کی بتلائی ہوئی سیدھی راہ اختیار کر لیں اور دین حق کی دعوت کو قبول کر لیں، ان کے جان و مال سے تعرض کرنا ہمارے لئے حرام ہے۔۔۔۔۔ اور چونکہ اس زمانہ اور اس ماحول میں ایمان و اسلام کی ظاہری علامات یہی تھیں، کہ آدمی مسلمانوں کے طریقے پر نماز پڑھنے لگے، اور نماز میں کعبہ کی طرف رخ کرنے لگے، اور مسلمانوں کے ذبیحہ سے پرہیز نہ کرے، پس لئے رسول اللہ ﷺ نے علامات ہی کے طور پر ان چیزوں کا بھی ذکر کر دیا۔

اور اسی حدیث کی سنن ابی داؤد کی روایت میں ”وَجَسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ“ کی جگہ آخری الفاظ یہ ہیں: ”لَهُمْ مَا لِلْمُسْلِمِينَ وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُسْلِمِينَ“۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ دعوت اسلام کو قبول کر لیں، نہ صرف یہ کہ ہماری جنگ ان کے خلاف ختم ہو جائیگی، اور ان کے جان و مال کو امان حاصل ہو جائے گی، بلکہ پھر وہ تمام حقوق اور ذمہ داریوں میں بالکل ہمارے برابر ہوں گے۔

ان حدیثوں کے بارے میں ایک شبہ اور اس کا جواب

ان احادیث پر سرسری نظر میں ایک شبہ ہوتا ہے، بعض شارحین حدیث نے خود ہی اس کو ذکر کر کے مختلف جوابات بھی دیئے ہیں، وہ شبہ یہ ہے، کہ اسلام میں جزیہ اور مناسب شرائط کے ساتھ مصالحت کا اصول بھی مسلم ہے، اور ان دونوں صورتوں پر بھی جنگ ختم ہو جاتی ہے، لیکن ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ صرف اُس وقت روکی جائے گی، جبکہ لوگ دعوت اسلام قبول کر لیں۔

راقم سطور کے نزدیک اس کا جواب یہ ہے، کہ ان احادیث کا مقصد اور موضوع، جنگ کو روک دینے اور اُس کو ختم کر دینے کی صورتیں بتلانا نہیں ہے، بلکہ ان ارشادات میں حضور ﷺ کا مطمح نظر صرف دو چیزوں کو واضح کرنا ہے، ایک یہ کہ ہماری جنگ کی غایت اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ لوگ اللہ ہی کی عبادت کرنے لگیں، اور اس کی متعین کی ہوئی سیدھی راہ پر چلنے لگیں، یعنی دعوت اسلام کو قبول کر لیں، اور دوسرے یہ کہ جو لوگ اس دعوت کو قبول کر لیں

گے، اُن کے جان و مال کو ہماری طرف سے قطعی امن ہوگا، بلکہ حقوق اور ذمہ داریوں میں وہ دوسرے مسلمانوں کے بالکل مساوی ہوں گے۔

رہا جزیہ یا خاص حالات میں خاص شرائط کے ساتھ مصالحت، سو اگرچہ یہ بھی جنگ ختم کر دینے کی صورتیں ہیں، لیکن یہ واقعہ ہے، کہ یہ اسلامی جنگ کی اصل غایت نہیں ہیں، بلکہ چونکہ ان کے ذریعے اصل مقصد یعنی دعوت اسلام کے لئے ایک پُر امن راگھل جاتی ہے، اسلئے ان پر جنگ روک دی جاتی ہے۔

ایمان و اسلام کی چند ظاہری نشانیاں

(۲۶) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَآكَلَ ذَبِيحَتَنَا فَذَاكَ الْمُسْلِمُ الَّذِي لَهُ ذِمَّةُ اللَّهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ فَلَا تُخْفَرُوا اللَّهَ فِي ذِمَّتِهِ. (رواه البخاری)

(ترجمہ) حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو کوئی ہماری سی نماز پڑھے، اور ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے، اور ہمارا ذبیحہ کھائے، پس یہ وہ مسلم ہے جس کے لئے اللہ کی امان ہے، اور اللہ کے رسول کی امان ہے، سو تم اللہ کے عہد نہ توڑو، اس کی امان کے بارے میں۔“

(تشریح) اس حدیث کا مقصد سمجھنے کے لئے یہ حقیقت پیش نظر رکھ لینی چاہئے، کہ حضور ﷺ کے عہد مسعود میں جب دعوت اسلام طاقت اور قوت کے ساتھ بڑی تیزی سے بڑھتی جا رہی تھی، تو بکثرت ایسے واقعات پیش آتے تھے کہ بعض لوگ اسلام قبول کر لیتے تھے، لیکن خاص حالات میں ان کے متعلق اس شبہ کی گنجائش رہتی تھی، کہ شاید انھوں نے حقیقی طور پر اور دل سے اسلام کو اختیار نہیں کیا ہے، پس رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا خاص تعلق ایسے ہی لوگوں سے ہے، اور آپ کا مقصد صحابہ کرام کو یہ بتلانا ہے، کہ جس شخص میں تم اسلام قبول کرنے کی یہ ظاہری اور موٹی موٹی علامتیں دیکھو، کہ وہ اسلامی طریقے پر نماز پڑھتا ہے، اور نماز میں قبلہ مسلمان کی طرف ہی رخ کرتا ہے، اور اہل اسلام کا ذبیحہ کھاتا ہے، تو اُس کو مسلمان ہی سمجھو، اور اُسکے جان و مال کو اللہ اور اُسکے رسول کی امان میں سمجھو، یعنی خواہ مخواہ اس قسم کی کسی بد گمانی کی بناء پر کہ اس کے دل میں اسلام نہیں ہے، بلکہ اسنے صرف منافقانہ طور پر ان اسلامی شعائر کو اختیار کر لیا ہے، اسکے خلاف کوئی اقدام نہ کرو، بہر حال اس حدیث کا مقصد اسی بارے میں

مسلمانوں کو تنبیہ کرتا ہے۔

پس بعض لوگوں کا اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالنا مقصدِ حدیث سے نادانقی اور سخت جاہلانہ گمراہی ہے کہ جس شخص میں اسلام کی یہ ظاہری علامتیں موجود ہوں (یعنی نماز پڑھنا، قبلہ کی طرف رخ کرنا اور مسلمانوں کا ذبیحہ کھانا) پھر خواہ وہ کیسے ہی خلافِ اسلام عقائد و خیالات رکھے، اور خواہ کیسے ہی کافرانہ و مشرکانہ اعمال کرے، بہر حال وہ مسلمان ہی رہتا ہے۔

دراصل اس قسم کے لوگوں سے اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں ہے، اور ایسے لوگوں کو مسلمان قرار دینے کا مطلب تو یہ ہوگا کہ اسلام صرف ان ظاہری اعمال اور علامات ہی کا نام ہے، اور ایمان و اعتقاد کی اس میں کوئی اہمیت ہی نہیں ہے، اور ظاہر ہے کہ اسلام کے بارے میں اس سے زیادہ جہالت اور گمراہی کی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

مسلمان کسی گناہ اور بد عملی کی وجہ سے کافر نہیں ہو جاتا

(۲۷) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ مِنَ أَصْلِ الْإِيمَانِ الْكَفُّ عَمَّنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا تُكْفِرُهُ بِذَنْبٍ وَلَا تُخْرِجُهُ مِنَ الْإِسْلَامِ بِعَمَلٍ ، وَالْجِهَادُ مَا ضَمَّ مُذْبَعْنَى اللَّهِ إِلَى أَنْ يُقَاتِلَ آخِرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ الدَّجَالُ لَا يُبْطِلُهُ جَوْرُ جَائِرٍ وَلَا عُدْلُ عَادِلٍ وَالْإِيمَانُ بِالْأَقْدَارِ (رواه أبو داؤد)

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تین باتیں اصولِ اسلام میں داخل ہیں: ایک یہ کہ جو شخص کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا قائل ہو، اسکے بارے میں زبان کو روکا جائے، یعنی کسی گناہ کی وجہ سے اُس کی تکفیر نہ کی جائے، اور کسی بد عملی کی وجہ سے اُس کو خارج از اسلام قرار نہ دیا جائے..... دوسری چیز (اصولِ اسلام میں سے) جہاد ہے، وہ اُس وقت سے جاری ہے، جب مجھے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا، اور اُس آخری زمانہ تک جاری رہے گا، جبکہ اس امت کا آخری طبقہ دجال سے جنگ کرے گا (مسلمانوں کے حکمران خولہ ظالم ہوں یا منصف، جہاد بہر حال جاری رہے گا) کسی ظالم حکومت کا ظلم اور عادل حکمران کا عدل اس کو ختم نہیں کرے گا، اور (اصولِ اسلام میں سے تیسری چیز) تقدیر پر ایمان لانا ہے۔ (ابوداؤد)

(تشریح) اس حدیث میں تین باتوں کو اصولِ اسلام میں سے بتلایا گیا ہے، اول یہ کہ کسی

گناہ اور بد عملی کی وجہ سے کسی ایسے شخص کی تکفیر نہ کی جائے، اور اُسکے خارج از اسلام ہونے کا فتویٰ نہ دیا جائے، جو کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا قائل ہو،

اس کے بارے میں ایک بات تو یہ ملحوظ رکھنے کی ہے کہ کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے قائل ہونے کا مطلب وہی ہے جو پہلے بھی بار بار بیان کیا جا چکا ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ کی دینی دعوت کو قبول کر کے مسلمان ہو جانا، پہلے بتلایا جا چکا ہے کہ عبد نبوی میں کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا قائل ہو جانا، اسلام قبول کر لینے کا عنوان تھا، خود ہماری زبان اُردو میں بھی اسی محاورہ کے مطابق ”کلمہ پڑھ لینے“ کا مطلب اسلام قبول کر لینا سمجھا جاتا ہے۔

دوسری بات یہاں یہ قابل لحاظ ہے کہ اس حدیث میں کسی گناہ اور بد عملی کی وجہ سے ”کلمہ گو“ کی تکفیر سے منع فرمایا گیا ہے، گویا رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعے امت کو اس غلطی اور گمراہی سے بچانے کی کوشش فرمائی ہے، جس میں معتزلہ اور خوارج مبتلا ہوئے، وہ صرف معاصی اور بد اعمالیوں کی بناء پر بھی آدمی کو اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں، اور اہل سنت کا مسلک اس حدیث نبوی کے مطابق یہی ہے کہ کوئی مسلمان صرف اپنی بد عملی اور اپنے معاصی کی وجہ سے اسلام سے نہیں نکلتا، اور کافر نہیں ہو جاتا۔

الغرض حدیث کے اس جز کا مقصد وہ عایدی ہے، کہ جب ایک شخص کلمہ پڑھ کر ایمان لے آیا، اور اسلام کو اُس نے اپنا دین بنالیا، تو اُسکے بعد اگر اُس سے گناہ سرزد ہوں، اور وہ بد اعمالیوں میں مبتلا دیکھا جائے تو صرف عمل کی اس خرابی کی وجہ سے اس کو کافر اور خارج از اسلام نہ قرار دیا جائے..... پس ایسے لوگوں سے اس حدیث کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے، جو کسی ایسی چیز کا انکار کر کے خود ایمان و اسلام کے دائرے سے نکل جائیں جس پر ایمان لانا مسلمان ہونے کی شرط ہے۔

فرض کیجئے کہ کوئی شخص جو کلمہ پڑھ چکا ہے، اور اپنے کو مسلمان کہتا ہے، قرآن مجید کے کتاب اللہ ہونے سے منکر ہے، یا قیامت اور آخرت کا انکار کرتا ہے، یا خدائی کا یا نبوت کا دعویٰ دے رہا ہے، تو ظاہر ہے کہ وہ مسلمان نہیں رہے گا، اور اُس کو لازماً کافر اور خارج از اسلام قرار دیا جائے گا۔ لیکن یہ تکفیر کسی بد عملی اور فسق و فجور کی وجہ سے نہ ہوگی، بلکہ اصول دین کے انکار کی وجہ سے ہوگی۔

بہر حال ان دونوں صورتوں میں جو فرق ہے وہ ملحوظ رہنا چاہئے، بعض لوگ اس فرق کو ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے اس حدیث کو بہت غلط استعمال کرتے ہیں۔

اس حدیث میں جہاد کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ: میری بعثت سے لیکر وہ اس وقت تک جاری رہے گا جبکہ میری امت کا آخری طبقہ دجال کے خلاف جہاد کرے گا، کسی ظالم کا ظلم اور منصف کا عدل و انصاف اس کو ختم نہیں کرے گا..... اس آخری فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی وقت مسلمانوں کی حکومت کا نظام غلط ہاتھوں میں ہو، اور حکمران غلط قسم کے اور ظالم ہوں، تب بھی جہاد ساقط نہ ہوگا، اور کسی کے لئے یہ عذر کرنا صحیح نہ ہوگا کہ ہم ان غلط کار حاکموں کی ماتحتی میں جہاد نہیں کریں گے، بلکہ حکومت پر تسلط خواہ اچھوں کا ہو یا بُروں کا بہر حال ان کی ماتحتی میں جہاد کرنا ہوگا۔

دین و ایمان کے شعبے اور اُسکی شاخیں

(۲۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْإِيمَانُ بَضْعٌ وَسَبْعُونَ شُعْبَةً فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَذْنَا هَا إِمَاطَةُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ ، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ . (رواه البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”ایمان کی ستر سے بھی کچھ اوپر شاخیں ہیں، اور ان میں سب سے اعلیٰ اور افضل تو ”لا الہ الا اللہ“ کا قائل ہونا، یعنی توحید کی شہادت دینا ہے، اور ان میں ادنیٰ درجے کی چیز افویت اور تکلیف دینے والی چیزوں کا راستے سے ہٹانا ہے اور حیا ایمان کی ایک اہم شاخ ہے۔“

(تشریح) اس حدیث میں ایمان کے شعبوں کے لئے ”ستر سے کچھ اوپر“ کا جو عدد استعمال کیا گیا ہے، اس کے متعلق بعض شارحین نے لکھا ہے کہ: ”اس سے غالباً صرف کثرت مراد ہے، اور اہل عرب صرف مبالغہ اور کثرت کے لئے بھی ستر کا لفظ عام طور سے بولتے ہیں، اور ستر پر ”جو کچھ اور“ کا اضافہ اس حدیث میں کیا گیا ہے، یہ غالباً اور زیادہ مبالغہ پیدا کرنے کے لئے ہے۔“..... لیکن بعض حضرات نے ”بَضْعٌ وَسَبْعُونَ“ کے لفظ سے خاص عدد ستر کے بھی سمجھا ہے، اس بنیاد پر کہ لفظ بَضْعٌ خاص سات کے عدد کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، اور پھر ان حضرات نے اپنے اس خیال کے مطابق ایمان کے ان ستر کے شعبوں کو متعین کرنے کی بھی کوشش کی ہے، لیکن ان میں غور کرنے کے بعد یہی رائے قائم ہوتی ہے کہ یہ محض تخمینے ہیں

۱۔ ذکرہ العینی فی العمدة والقاری فی المرفقة ۱۲

۲۔ ان کوششوں کے کچھ نتائج صحیح بخاری کی شروع الباری اور عمدة القاری وغیرہ میں بھی دیکھے جاسکتے

جن میں بہت کچھ رد و قدح کی گنجائش ہے، اس لئے رائج یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا ”بِضْعٍ وَ سَبْعُونَ“ کے لفظ سے کوئی خاص عدد معین کرنا نہیں ہے، بلکہ محاورہ عرب کے مطابق صرف کثرت اور بہتات مراد ہے، اور مطلب یہ ہے کہ ایمان کے بہت زیادہ شعبے ہیں۔

اور ایک قرینہ اس کا یہ بھی ہے کہ اگر ”بِضْعٍ وَ سَبْعُونَ“ سے آپ کا مطلب کوئی معین عدد نہیں ہوتا تو پھر آپ اس ابہام و اجمال پر اکتفا نہ فرماتے، بلکہ اُن کی تفصیل بھی فرماتے، جیسا کہ موقع اور مقام کا تقاضا تھا۔

ایمان کے شعبوں سے مراد وہ تمام اعمال و اخلاق اور ظاہری و باطنی وہ سب احوال ہیں جو کسی دل میں ایمان کے آجانے کے بعد اُسکے نتیجہ اور ثمرہ کے طور پر اُس میں پیدا ہو جانے چاہیں، جیسے کہ سرسبز و شاداب درخت میں برگ و بار نکلتے ہیں، اس طرح گویا تمام اعمالِ خیر و اخلاقِ حسنہ اور احوالِ صالحہ ایمان کے شعبے ہیں، البتہ ان کے درجے مختلف ہیں۔

اس حدیث میں ایمان کا سب سے اعلیٰ شعبہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ یعنی توحید کی شہادت کو بتلایا گیا ہے، اور اُسکے مقابلے میں ادنیٰ درجے کی چیز راستے سے تکلیف پہنچانے والی چیزوں کے ہٹانے کو قرار دیا ہے، اب ان کے درمیان جس قدر بھی امور، خیر کا تصور کیا جاسکتا ہے وہ سب ایمان کے شعبے اور اس کی شاخیں ہیں، خواہ ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے، اور ظاہر ہے کہ ان کا عدد ہینکلزوں تک پہنچے گا۔

حدیث کے آخر میں حیا کے متعلق جو خصوصیت سے یہ فرمایا گیا ہے کہ ”وہ ایمان کا ایک اہم شعبہ ہے“ تو اس کی وجہ یہ تو یہ ہے کہ جس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا، اس وقت کسی سے حیا میں کوئی کوتاہی ظاہر ہوئی تھی اس کی اصلاح کے لئے آپ نے یہ خصوصی انتباہ فرمایا، جیسا کہ صاحبِ حکمت معلمین و مصلحین کا طریقہ ہوتا ہے، یا حیا کے متعلق خصوصیت سے یہ تنبیہ اسلئے فرمائی گئی، کہ انسانی اخلاق میں حیا کا مقام نہایت بلند ہے، اور حیا ہی وہ خصلت ہے جو آدمی کو بہت سے معاصی اور بہت سی بُرائیوں سے روکتی ہے، اور اس وجہ سے ایمان اور حیا کے درمیان ایک خاص رشتہ ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ حیا صرف اپنے ہم جنسوں ہی سے نہیں کی جاتی، بلکہ سب سے زیادہ جس کی حیا ہم کو ہونی چاہئے، وہ ہمارا خالق و پروردگار حق تعالیٰ ہے، عام لوگ بڑا بے حیا اور بے

اوب اُس کو سمجھتے ہیں جو اپنے بڑوں کا پاس لحاظ نہ کرے، اور ان کے سامنے بے حیائی کے کام اور بُری باتیں کرے، لیکن فی الحقیقت سب سے بڑا بے حیاءہ بد بخت انسان ہے جو اپنے مولا سے نہیں شرماتا، اور یہ جاننے کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت مجھے اور میرے فعلوں کو بے حجاب دیکھتا اور میری باتوں کو بلا واسطہ سنتا ہے، اسکے سامنے وہ بُرے کام اور ناروا حرکتیں کرتا ہے۔

پس اگر آدمی میں حیا کا خلق پوری طرح بیدار اور کار فرما ہو، تو نہ صرف یہ کہ اسکے ہم جنسوں کی نظروں میں اسکی زندگی پاکیزہ اور ستھری ہوگی، بلکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی معصیات کا صدور بھی بہت کم ہوگا۔

جامع ترمذی میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنے اصحاب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

”اِسْتَحْيُوا مِنْ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ
قَالُوا اِنَّا نَسْتَحْيِي وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ
فَقَالَ لَيْسَ ذَاكَ وَلَكِنْ
اِلِاسْتِحْيَاءٍ مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ
اَنْ تَحْفَظَ الرَّاسَ وَمَا حَوٰى
وَالْبَطْنَ وَمَا وَعٰى وَتَذْكُرَ
الْمَوْتَ وَالْبَلٰى فَمَنْ فَعَلَ ذَاكَ
فَقَدْ اِسْتَحْيَا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ“

اللہ تعالیٰ سے ایسی حیا کرو جیسی اُس سے حیا کرنی چاہئے مخاطبین نے عرض کیا: الحمد للہ ہم خدا سے حیا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ نہیں! بلکہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا حق یہ ہے کہ سر اور سر میں جو انکار و خیالات ہیں اُن سب کی نگہداشت کرو، اور پیٹ کی، اور جو کچھ اُس میں بھرا ہوا ہے اس سب کی نگرانی کرو (یعنی بُرے خیالات سے دماغ کی، اور حرام و ناجائز غذا سے پیٹ کی حفاظت کرو) اور موت، اور موت کے بعد قبر میں تمہاری جو حالت ہونی ہے اُس کو یاد رکھو، جس نے یہ سب کچھ کیا، سمجھو کہ اللہ سے حیا کرنے کا حق اُس نے ادا کیا۔

(ترمذی)

ایمان کے بعض آثار و ثمرات

(۲۹) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الْإِيمَانُ؟

قَالَ إِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَمَسَاءَ نَفْسِكَ فَانْتَ مُؤْمِنٌ. (رواه احمد)

(ترجمہ) حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا،

کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ: جب تم کو اپنے اچھے عمل سے مسرت ہو، اور بُرے کام سے رنج و قلق ہو، تو تم مومن ہو۔
(مسند احمد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ایمان کے خاص آثار اور علامات میں سے یہ ہے کہ آدمی جب کوئی نیک عمل کرے، تو اُسکے دل کو فرحت و مسرت ہو، اور جب اس سے کوئی بُرا کام سرزد ہو جائے تو اُس کو رنج و غم ہو، جب تک آدمی کے ضمیر میں یہ جس باقی رہے، سمجھنا چاہئے کہ ایمانی روح زندہ ہے اور یہ احساس اس کا ثمرہ ہے۔

ایمان کے تکمیلی عناصر اور خاص شرائط و لوازم

(۳۰) عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ ذَاقَ طَعْمَ الْإِيمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا.

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے کہ: ایمان کا مزہ اُنے چکھا، اور اُس کی لذت اُسے ملی، جو اللہ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین اور محمد ﷺ کو اپنا رسول اور ہادی ماننے پر دل سے راضی ہو گیا۔ (مسلم)

(تشریح) اس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ جس طرح لذیذ اور ذائقہ دار مادی غذاؤں میں ایک لذت ہوتی ہے، جس کو صرف وہی آدمی پاسکتا ہے جس کی قوتِ ذائقہ کسی بیماری کی وجہ سے ماؤف اور خراب نہ ہوئی ہو، اسی طرح ایمان میں ایک خاص لذت اور حلاوت ہے، لیکن وہ اُن ہی خوش قسمت لوگوں کو حاصل ہو سکتی ہے جنہوں نے پوری خوش دلی اور رضائے قلبی کے ساتھ اللہ کو اپنا مالک اور پروردگار، اور حضرت محمد ﷺ کو نبی و رسول اور اسلام کو اپنا دین اور زندگی کا دستور بنالیا ہو، اور اللہ کی بندگی، حضرت محمد کی اطاعت، اور طریقہ اسلام کی پیروی کو اُنکے دل نے اپنالیا ہو، یعنی اللہ و رسول اور اسلام کے ساتھ اُن کا تعلق محض رسمی اور موروثی یا محض عقلی اور دماغی نہ ہو، بلکہ اُن کے ساتھ دلی گرویدگی ہو، اسی حدیث میں ”رضا“ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، جس کو یہ نصیب نہیں، یقیناً ایمانی لذت حلاوت میں بھی اُس کا کوئی حصہ نہیں، اور اس کا ایمان کامل نہیں۔

(۳۱) عَنْ أَنَسِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ

حَلَاوَةُ الْإِيمَانِ أَنْ يَكُونَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ وَأَنْ يَكْرَهُ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقَذَّفَ فِي النَّارِ.

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایمان کی حلاوت اسی کو نصیب ہوگی، جس میں تین باتیں پائی جائیں گی: ایک یہ کہ اللہ و رسول کی محبت اُس کو تمام ماسوا سے زیادہ ہو، دوسرے یہ کہ جس آدمی سے بھی اُس کو محبت ہو صرف اللہ ہی کے لئے ہو، اور تیسرے یہ کہ ایمان کے بعد کفر کی طرف پلٹنے سے اُس کو اتنی نفرت اور ایسی لذیت ہو جیسی کہ آگ میں ڈالے جانے سے ہوتی ہے۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) اس حدیث کا مضمون بھی قریب قریب ہی ہے، جو اس سے پہلی والی حدیث کا تھا، صرف تعبیر کا تھوڑا سا فرق ہے، اس میں کہا گیا ہے کہ ایمان کی حلاوت اُسی آدمی کو حاصل ہو سکتی ہے جو اللہ و رسول کی محبت میں ایسا سرشار ہو کہ ہر چیز سے زیادہ اُس کو اللہ و رسول کی محبت ہو، اور اس محبت کا اُسکے دل پر ایسا قبضہ اور تسلط ہو کہ اگر کسی اور سے وہ محبت بھی کرے تو اللہ ہی کے لئے کرے، اور اللہ کا دین اسلام اُس کو اتنا عزیز اور پیارا ہو کہ اُس سے پھرنے اور اُس کو چھوڑنے کا خیال اُس کے لئے آگ میں گر جانے کی برابر تکلیف دہ ہو۔

(۳۲) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اُس کو اپنے ماں باپ، اپنی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ میری محبت نہ ہو۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ایمان کی تکمیل جب ہی ہو سکتی ہے اور ایک مسلمان پورا مومن تب ہی ہو سکتا ہے، کہ دنیا کے تمام دوسرے آدمیوں سے حتیٰ کہ اپنے ماں باپ، اور اپنی اولاد سے بھی زیادہ اس کو رسول اللہ ﷺ کی محبت ہو۔

اس سے پہلی حدیث میں تمام ماسوا سے زیادہ اللہ و رسول کی محبت اور اسلام کی محبت کو ”حلاوتِ ایمانی“ حاصل ہونے کی شرط بتلایا گیا تھا، اور اس حدیث میں صرف رسول اللہ ﷺ کی محبت کا ذکر فرمایا گیا ہے..... بات یہ ہے کہ اللہ و رسول کی اور اسلام کی محبت میں باہم ایسا تعلق ہے کہ یہ ایک دوسرے سے الگ ہو کر ہر گز نہیں پائی جاسکتیں، اللہ تعالیٰ سے اور اسلام سے صحیح

محبت بغیر رسول کی محبت کے ناممکن ہے، اور اسی طرح اللہ کی اور اسلام کی محبت کے بغیر رسول اللہ ﷺ کی محبت کا تصور نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ اللہ کے رسول سے جو محبت بحیثیت رسول کے ہوگی، وہ درحقیقت اللہ ہی کی وجہ سے اور اللہ ہی کے تعلق سے ہوگی، اور اُس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلام سے بھی پوری محبت ہوگی، اسلئے اس حدیث میں کمال ایمان کی شرط کے طور پر صرف رسول اللہ ﷺ کی محبت کا ذکر کر دیا گیا ہے لیکن مطلب وہی ہے کہ ایمانی انوار و برکات صرف اُن ہی خوش نصیبوں کو حاصل ہو سکتے ہیں، جن کے دلوں پر اللہ و رسول کی اور اسلام کی محبت کا ایسا غلبہ ہو کہ دوسری تمام محبتیں اس سے ولی ہوئی ہوں۔

ان حدیثوں میں اللہ و رسول کی محبت کا جو مطالبہ کیا گیا ہے، اس کی مراد متعین کرنے میں شارحین حدیث کا کلام کچھ مختلف سا ہو گیا ہے۔ جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کے لئے ان کا مطلب و مقصد سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے، حالانکہ جو حقیقت ان حدیثوں میں بیان کی گئی ہے وہ بالکل صاف اور سادہ ہے، محبت ایک معروف لفظ ہے، اور اس کے معنی بھی معروف و معلوم ہیں، اور وہی یہاں بھی مراد ہیں، البتہ اللہ و رسول کے ساتھ اہل ایمان کو جو محبت ہوتی ہے وہ ماں باپ اور بیوی بچوں کی محبت کی طرح خونی رشتوں یا دوسرے طبعی اسباب کی وجہ سے نہیں ہوتی، بلکہ وہ روحانی اور عقلی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور جب وہ کامل ہو جاتی ہے تو اسکے سوا دوسری وہ تمام محبتیں جو طبعی یا نفسانی اسباب کی وجہ سے ہوتی ہیں اُس سے مغلوب ہو جاتی ہیں، اور اس بات کو ہر وہ شخص سمجھ سکتا ہے، جس کو اللہ نے اس کا کوئی حصہ نصیب فرمایا ہو۔

الغرض ان احادیث میں محبت سے مراد دل کی وہی خاص کیفیت ہے جس کو محبت کے لفظ سے ادا کیا جاتا ہے، اور اُسی کا ہم سے مطالبہ ہے، اور وہی گویا ہمارے ایمان کی جان ہے، قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے کہ:

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ
ایمان والے سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں۔ (بقرہ-۲۰)

اور دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ
وَإِخْوَانُكُمْ وَآزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ
وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ
تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسْكِينٌ

اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے صاف صاف کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے ماں باپ، تمہاری اولاد، تمہارے بھائی، تمہاری بیویوں، اور تمہارا کنبہ، قبیلہ اور تمہارا وہ مال و دولت

تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ
وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ
فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ
بِأَمْرِهِ، وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْفَاسِقِينَ۔

جسکو تم نے محنت سے کمایا ہے، اور تمہاری وہ چلتی
ہوئی تجارت جسکی کساد بازاری سے تم ڈرتے
ہو، اور تمہارے رہنے کے وہ اچھے مکانات
جو تم کو پسند ہیں (پس اگر دنیا کی یہ محبوب
و مرغوب چیزیں) اللہ، اللہ کے رسول اور

اللہ کے دین کی راہ کی جدوجہد سے زیادہ تم کو محبوب ہیں، تو انتظار کرو، تا آنکہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم
اور فیصلہ نافذ کرے، اور یاد رکھو کہ اللہ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا ہے۔ (توبہ۔ ع۔ ۳)

پس قرآن مجید کی اس پر جلال آیت کا تقاضا اور مطالبہ بھی یہی ہے کہ ایمان والوں کو
اپنی تمام قابل محبت چیزوں سے زیادہ، اللہ و رسول کی اور اسکے دین کی محبت ہونی چاہئے! اسکے
بغیر اللہ کی رضا اور اُس کی خاص ہدایت حاصل نہیں ہو سکتی، اور ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ جس کو یہ دولت نصیب ہو جائے اس کے لئے ایمان کے سارے
تقاضوں کا پورا کرنا، اور اللہ و رسول کے احکام پر چلنا نہ صرف یہ کہ آسان ہو جاتا ہے بلکہ اس راہ
میں جان عزیز تک دیدینے میں بھی وہ ایک لذت محسوس کرے گا، اور اسکے برخلاف جس کے دل
پر اللہ و رسول کی محبت کا ایسا غلبہ نہ ہو گا، اس کے لئے روزمرہ کے اسلامی فرائض کی ادائیگی اور عام
ایمانی مطالبات کی تعمیل بھی سخت گراں اور بڑی کٹھن ہوگی، اور جتنا کچھ وہ کرے گا بھی، تو اُس کی
حیثیت زیادہ سے زیادہ بس قانونی پابندی کی سی ہوگی، پس اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ، جب تک اللہ
و رسول کی محبت دوسری ساری چاہتوں اور محبتوں پر غالب نہ ہو جائے، ایمان کا اصل مقام
نصیب نہیں ہو سکتا، اور ایمان کی حلاوت حاصل نہیں ہو سکتی۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّكَ وَحُبَّ رَسُوْلِكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يَقْرِبَنَا اِلَى حُبِّكَ۔

(۳۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا
يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي شَرْحِ
السُّنَنِ ۱۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تم میں
سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اُس کی ہوائے نفس میری لائی ہوئی

۱۔ قال فی مشکوٰۃ، قال النووی فی اربعینہ هذا حدیث صحیح رویناہ فی کتاب الحجۃ

(شرح النہ)

ہدایت کے تابع نہ ہو جائے۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ حقیقی ایمان جب ہی حاصل ہو سکتا ہے، اور ایمانی برکات تب ہی نصیب ہو سکتی ہیں، کہ آدمی کے نفسی میلانات اور اسکے جی کی چاہتیں کلی طور پر ہدایت نبوی کے تابع اور ماتحت ہو جائیں۔

”ہوئی“ (یعنی خواہشات نفس) اور ”ہدیٰ“ (یعنی انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی ہدایات) یہی دو چیزیں ہیں جن پر خیر و شر کے سارے سلسلہ کی بنیاد ہے، اور جن سے انسانوں کی سعادت یا شقاوت وابستہ ہے، ہر گمراہی اور بد عملی اتباعِ ہویٰ کا نتیجہ ہے، جس طرح کہ ہر خیر اور ہر نیکی اتباعِ ہدیٰ سے پیدا ہوتی ہے، لہذا حقیقی ایمان جب ہی نصیب ہو سکتا ہے کہ ہویٰ کو (یعنی اپنے نفس کی چاہتوں کو) ہدیٰ کے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایات و تعلیم کے تابع کر دیا جائے) اور جس نے ہدیٰ کو چھوڑ کر ہویٰ کی غلامی اختیار کی اور بجائے ربانی ہدایت کے وہ نفسانی خواہشات کے تابع ہو گیا، تو گویا خود ہی اُسے مقصدِ ایمان کو پامال کر دیا۔

قرآن پاک میں ایسوں ہی کے متعلق فرمایا گیا ہے، کہ انھوں نے خواہشاتِ نفس کو اپنا خدا بنا لیا ہے:

کیا تم نے اُن بد بختوں کو دیکھا، جنہوں نے اپنے
نفس کی خواہشوں کو اپنا معبود بنا لیا ہے۔

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ
(فرقان ع. ۴)

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

جو شخص اللہ کی ہدایت کے بغیر اپنے جی کی
چاہت پر چلے اس سے زیادہ گمراہ اور غلط اور
کون ہو سکتا ہے، اللہ ظالم لوگوں کو اپنی راہ پر
نہیں لگاتا۔

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ
هُدًى مِّنَ اللَّهِ، إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ (قصص ع. ۵)

(۳۴) عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى
يُحِبَّ لَا يُحِبُّ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ.

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ”تم میں سے
کوئی مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اپنے بھائی کیلئے وہی نہ چاہے، جو اپنے لئے چاہتا ہے۔“

(بخاری و مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ایمان کے اصل مقام تک پہنچنے کے لئے، اور اس کی خاص برکتیں حاصل کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی خود غرضی سے پاک ہو، اور اسکے دل میں اپنے دوسرے بھائیوں کے لئے اتنی خیر خواہی ہو، کہ جو نعمت اور جو بھلائی اور جو بہتری وہ اپنے لئے چاہے، وہی دوسرے بھائیوں کے لئے بھی چاہے، اور جو بات اور جو حال وہ اپنے لئے پسند نہ کرے، اُس کو کسی دوسرے کیلئے بھی پسند نہ کرے، اسکے بغیر ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔

اسی حدیث کی ابن حبان کی روایت میں ”لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ“ کی جگہ ”لَا يُلْغُ الْعَبْدُ حَقِيقَةَ الْإِيمَانِ“ روایت کیا گیا ہے، اس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ اس حدیث میں اور اس جیسی دوسری حدیثوں میں بھی ”لَا يُؤْمِنُ“ کے لفظ سے ایمان کی قطعی نفی مراد نہیں ہے، بلکہ کمال کی نفی مقصود ہے۔ اور اس طرح ناقص کو کالمعدوم قرار دے کر اس کی نفی کر دینا قریباً ہر زبان کا عام محاورہ ہے، مثلاً ہماری اردو زبان میں بھی کسی بُرے اور غلط آدمی کے متعلق کہہ دیا جاتا ہے کہ ”اُس میں تو انسانیت ہی نہیں ہے“ یا کہہ دیتے ہیں کہ ”وہ سرے سے آدمی ہی نہیں ہے“۔ حالانکہ مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ اچھا اور معقول آدمی نہیں ہے۔ پس اسی طرح بہت سی حدیثوں میں بھی ایمان کے نقص کو ”لَا إِيْمَانُ“ یا ”لَا يُؤْمِنُ“ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور تربیت و نصیحت (جو ان حدیثوں کا مقصد ہے) اُس کے لئے یہی طرزِ بیان مناسب تر اور بہتر بھی ہے..... ایسے موقع پر منطقیوں والی موٹگافیاں کرنا مزاجِ نبوت سے نا آشنا کی دلیل اور بڑی ہی بد ذوقی کی بات ہے۔

(۳۵) عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَفْضَلِ الْإِيمَانِ قَالَ أَنْ تُحِبَّ لِلَّهِ وَتُبْغِضَ لِلَّهِ وَتَعْمَلَ لِسَانَكَ فِي ذِكْرِ اللَّهِ قَالَ وَمَا ذَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ وَأَنْ تُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ وَتَكْرَهُ لَهُمْ مَا تَكْرَهُ لِنَفْسِكَ.

(رواہ احمد)

(ترجمہ) حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے افضل ایمان کے متعلق سوال کیا (یعنی پوچھا کہ: ایمان کا اعلیٰ اور افضل درجہ کیا ہے؟ اور وہ کون سے اعمال و اخلاق ہیں جن کے ذریعہ اس کو حاصل کیا جاسکتا ہے) تو آپؐ نے ارشاد فرمایا..... یہ کہ: بس اللہ ہی کیلئے کسی سے تمہاری محبت ہو، اور اللہ ہی کے واسطے بغض و عداوت ہو (یعنی دوستی اور دشمنی جس سے بھی ہو، صرف اللہ کے واسطے ہو) اور دوسرے یہ کہ اپنی زبان کو تم اللہ کی یاد

میں لگائے رکھو۔“ حضرت معاذؓ نے عرض کیا: اور کیا یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: اور یہ کہ دوسرے لوگوں کے لئے بھی وہی چاہو، اور وہی پسند کرو، جو اپنے لئے پسند کرتے اور چاہتے ہو، اور ان کے لئے بھی اُن چیزوں کو ناپسند کرو جو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو۔“ (مسند احمد)

(تشریح) حضرت معاذؓ کے سوال کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں تین چیزوں کو ذکر فرمایا ہے، اور بتلایا ہے کہ کامل ایمان جب نصیب ہوگا، جبکہ یہ تین باتیں پیدا ہو جائیں۔ ایک اللہ ہی کے لئے دوستی اور دشمنی، دوسرے زبان کا یادِ الٰہی میں مشغول رکھنا، تیسرے بندگانِ خدا کی ایسی خیر خواہی کہ جو اپنے لئے چاہے، وہ سب کیلئے چاہے اور جو اپنے لئے نہ چاہے وہ کسی کے لئے نہ چاہے۔

(۳۶) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ وَأَبْغَضَ لِلَّهِ وَأَعْطَى لِلَّهِ وَمَنَعَ لِلَّهِ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ. (رواه أبو داود)

(ترجمہ) حضرت ابو اُمامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اللہ ہی کے لئے کسی سے محبت کی اور اللہ ہی کے لئے دشمنی کی، اور اللہ ہی کیلئے دیا (جس کو جو کچھ دیا) اور اللہ ہی کے واسطے منع کیا، اور نہ دیا (جس کو منع کرنا، اور نہ دینا عند اللہ بہتر سمجھا) تو اس نے اپنے ایمان کی تکمیل کر لی۔ (رواہ ابو داود)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے اپنے شخصیات و سکنت اور اپنے جذبات کو اسی طرح مرضی الٰہی کے تابع کر دیا کہ وہ جس سے تعلق جوڑتا ہے اللہ ہی کی رضا کے لئے جوڑتا ہے، اور جس سے توڑتا ہے اللہ ہی کے لئے توڑتا ہے جس کو دیتا ہے اللہ ہی کیلئے دیتا ہے اور جس کے دینے سے ہاتھ روکتا ہے صرف اللہ ہی کی خوشنودی کے لئے روکتا ہے، غرض جس کے ایمانی اور سلبی قلبی رجحانات اور جذبات مثلاً محبت اور عداوت، اور اسی طرح مثبت و منفی اور ظاہری افعال و حرکات مثلاً کسی کو کچھ دینا یا نہ دینا، یہ سب اللہ ہی کے واسطے ہونے لگیں، اور بجز رضائے الٰہی کے کوئی اور محرک اور داعیہ اُسکے اعمال و افعال کے لئے نہ رہے، الغرض تعلق باللہ اور کامل عبادت کا یہ مقام جس کو حاصل ہو جائے اس کا ایمان کامل ہو گیا۔

(۳۷) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَبِي ذَرٍّ أَيْ عُرَى الْإِيمَانِ أَوْثَقُ؟ قَالَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ الْمُوَالَاةُ فِي اللَّهِ وَالْحُبُّ فِي اللَّهِ وَالْبَغْضُ فِي اللَّهِ. (رواه البيهقي في شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوذر غفاریؓ سے فرمایا: ”تلاؤ ایمان کی کون سی دست آویز زیادہ مضبوط ہے؟“ (یعنی ایمان کے شعبوں میں سے کون سا شعبہ زیادہ پائیدار ہے) ابوذر نے عرض کیا، کہ ”اللہ و رسول ہی کو زیادہ علم ہے،“ (لہذا حضور ﷺ ہی ارشاد فرمائیں) آپ نے فرمایا: ”اللہ کے لئے باہم تعلق و تعاون، اور اللہ واسطے کی کسی سے محبت، اور اللہ ہی کے واسطے کسی سے بغض و عداوت۔“

(شعب الایمان للمصطفیٰ)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ایمانی اعمال و احوال میں سب سے زیادہ جاندار اور پائیدار عمل اور حال یہ ہے کہ بندہ کادنیائیں جس کے ساتھ جو برتاؤ ہو، خواہ موالات ہو یا ترک موالات، محبت ہو یا عداوت، وہ اپنے نفس کے تقاضے سے اور کسی نفسانی جذبہ سے نہ ہو، بلکہ صرف اللہ کے لئے اور اُسی کے حکم کے ماتحت ہو۔

(۳۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى تَوْمِنُوا وَلَا تَوْمِنُوا حَتَّى تَحَابُّوا أَوْ لَا أَذْلكُمْ عَلَى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ.

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”تم جنت میں نہیں جاسکتے جب تک کہ صاحب ایمان نہ ہو جاؤ اور تم پورے مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم میں باہم محبت نہ ہو، کیا میں تم کو ایک ایسی بات نہ بتلا دوں، کہ اگر اُس پر عمل کرنے لگو، تو تم میں باہمی محبت پیدا ہو جائے، وہ بات یہ ہے کہ تم اپنے درمیان سلام کا رواج پھیلاؤ، اور اُس کو عام کرو۔“ (رواہ مسلم)

(تشریح) اُدپر کی حدیثوں سے معلوم ہوا تھا کہ بندہ کے ایمان کی تکمیل کیلئے یہ ضروری ہے کہ اس کو اللہ و رسول کے ساتھ اور ان کے دین کے ساتھ تمام ماسوائے زیادہ محبت ہو، اور ان کے سوا جس سے بھی محبت ہو ان ہی کے تعلق سے اور ان ہی کے واسطے ہو، اور یہ کہ بندہ کادل خود غرضی سے بالکل پاک صاف ہو، اور اس کا حال یہ ہو کہ جو اپنے لئے چاہے وہی اللہ کے دوسرے بندوں کے لئے بھی چاہے، اور جس چیز کو اپنے لئے پسند نہ کرے اُس کو کسی دوسرے کے لئے بھی پسند نہ کرے..... اب اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والی کسی قوم اور کسی معاشرہ کے ایمان کی تکمیل کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اُن میں باہم محبت و مودت ہو، اگر ان کے دل ایک دوسرے کی محبت سے خالی ہیں، تو سمجھنا چاہئے کہ وہ حقیقت

ایمان اور اُس کے برکات و ثمرات سے بے نصیب ہیں۔

(۳۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ وَالْمُؤْمِنُ مِنْ أَمْنَةِ النَّاسِ عَلَى دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ.
(رواه الترمذی والنسائی)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ: ”مسلم وہ ہے جسکی زبان و رازیوں اور دست و رازیوں سے مسلمان محفوظ رہیں، اور مومن وہ ہے جس کی طرف سے اپنی جانوں اور مالوں کے بارے میں لوگوں کو کوئی خوف و خطر نہ ہو۔“

(تشریح) اس حدیث میں صرف زبان اور ہاتھ سے ایذا رسانی کا ذکر اسلئے فرمایا گیا ہے کہ بیشتر ایذاؤں کا تعلق ان ہی دو سے ہوتا ہے، ورنہ مقصد اور مطلب صرف یہ ہے کہ مسلمان کی شان یہ ہے کہ لوگوں کو اس سے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔

ابن حبان کی اسی حدیث کی روایت میں ”مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ“ کے بجائے ”مَنْ سَلِمَ النَّاسُ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ“ وارد ہوا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو تمام بنی نوع انسان کے لئے پُر امن اور بے آزار ہونا چاہئے۔

لیکن واضح رہے کہ اس حدیث میں جس ایذا رسانی کو منافی اسلام بتلایا گیا ہے، وہ وہ ہے جو بغیر کسی صحیح وجہ اور معقول سبب کے ہو، ورنہ بشرط قدرت مجرموں کو سزا دینا، اور ظالموں کی زیادتیوں اور مفسدوں کی فساد انگیزیوں کو بزور دفع کرنا تو مسلمانوں کا فرض منصبی ہے، اگر ایسا نہ کیا جائے، تو دنیا امن و راحت سے محروم ہو جائے۔

(۴۰) عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْخَزَاعِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَاللَّهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللَّهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللَّهِ لَا يُؤْمِنُ قِيلَ وَمَنْ يَارَسُولَ اللَّهِ قَالَ الَّذِي لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ
(رواه البخاری)

(ترجمہ) ابوشریح خزاعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قسم اللہ کی وہ مومن نہیں، قسم اللہ کی وہ مومن نہیں، قسم اللہ کی وہ مومن نہیں۔“ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کون مومن نہیں؟ آپ نے فرمایا ”وہ آدمی جس کے پڑوسی اُس کی شرارتوں اور آفتوں سے خائف رہتے ہوں۔“

(تشریح) یعنی اپنے پڑوسیوں کے ساتھ ایسا حسن سلوک اور ایسا شریفانہ برتاؤ کر اُن کو ہماری

طرف سے پورا اطمینان رہے، اور ہماری جانب سے کسی ظلم اور شرارت کا اندیشہ اُن کے دلوں میں نہ رہے، یہ ایمان کے اُن شرائط اور لوازم میں سے ہے جن کے بغیر ایمان گویا کا اعدام ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے:

وَأَحْسِنَ إِلَى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا
(مسند احمد، ترمذی)

اپنے پڑوسی کے ساتھ تم اچھا سلوک کرو تب تم ایمان والے ہو۔

ایک اور حدیث میں وارد ہوا ہے:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
سَلَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ رِضًا وَآخِرَتِ فِي فَلَاحِ جَارِهِ
(بخاری و مسلم)

جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو (اور اسلئے اللہ کی رضا اور آخرت میں فلاح چاہتا ہو)

تو اسے لازم ہے کہ اپنے پڑوسیوں کو نہ ستائے۔

(۳۱) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ
لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِي يَشْبَعُ وَجَارُهُ جَانِعٌ إِلَى جَنْبِهِ.

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ ”وہ شخص مومن نہیں ہے کہ جو خود شکم سیر ہو کر کھائے اور اسکے برابر میں رہنے والا اس کا پڑوسی فاقہ سے ہو۔“

(تشریح) یعنی اپنے پڑوسی کی بھوک اور فاقہ سے بے نیاز اور لا پرواہ ہو کر اپنا پیٹ بھرنے والا آدمی (اگرچہ وہ ستر پشتوں کا مسلمان ہو) حقیقت ایمان سے بے نصیب ہے، اور سنگدلی اور خود غرضی کی یہ کیفیت شانِ ایمان کے بالکل منافی ہے۔

[ہم مسلمانوں کو اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اور عام بندگانِ خدا کے ساتھ جو معاملہ اور برتاؤ ہے اس کو سامنے رکھ کر رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات کی روشنی میں ذرا ہم اپنے ایمانوں کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ آپ کی ان احادیث کی رو سے ہمارا مقام کیا ہے اور ہم کہاں ہیں۔]

(۳۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْمَلَ
الْمُؤْمِنِينَ إِيْمَانًا أَحْسَنَهُمْ خُلُقًا.

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مسلمانوں میں زیادہ کامل ایمان اُس کا ہے جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں۔“ (ابوداؤد، دارمی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ کمال ایمان کا انحصار حسنِ اخلاق پر ہے، پس اخلاق میں جو جتنا بلند ہوگا، اسی قدر اس کا ایمان کامل ہوگا، یا اسی کو یوں کہہ لیجئے کہ حسنِ اخلاق کمالِ ایمان کا لازمی نتیجہ اور ثمرہ ہے، لہذا جس شخص کا ایمان جتنا کامل ہوگا، اسی کی نسبت سے اُس کے اخلاق بلند ہو گئے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی شخص کو ایمان کی حقیقت تو نصیب ہو، لیکن اُس کے اخلاق اچھے نہ ہوں۔

(۴۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَوَكُّهُ مَا لَا يَغْنِيهِ.

(رواہ ابن ماجہ و الترمذی و البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آدمی کے اسلام کی خوبی اور اس کے کمال میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ فضول اور غیر مفید کاموں اور باتوں کا تارک ہو۔“

(رواہ ابن ماجہ و ترمذی و شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) انسان اشرف المخلوقات ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کو بہت قیمتی بنایا ہے، اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انسان کو اس وقت کا اور صلاحیتوں کا جو سرمایہ دیا گیا ہے، وہ اس کو بالکل ضائع نہ کرے، بلکہ صحیح طور سے اس کو استعمال کر کے زیادہ سے زیادہ ترقی اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب حاصل کرے..... یہی دین کی تمام تعلیمات کا حاصل اور لب لباب ہے، اور یہی ایمان و اسلام کا مقصد ہے، اس لئے جو خوش نصیب یہ چاہے کہ اُس کو ایمان کا کمال حاصل ہو، اور اُس کے اسلام کے حسن پر کوئی داغ دھبہ نہ ہو، تو اُس کے لئے ضروری ہے کہ کھلے گناہوں اور بد اخلاقیوں کے علاوہ تمام فضول اور غیر مفید کاموں اور باتوں سے بھی اپنے کو بچائے رکھے، اور اپنے وقت اور اپنی تمام خداداد قوتوں اور صلاحیتوں کو بس ان ہی کاموں میں لگائے جن میں خیر اور منفعت کا کوئی پہلو ہو، یعنی جو معادیا معاش کے لحاظ سے ضروری یا مفید ہوں..... یہی اس حدیث کا مطلب ہے۔

جو لوگ غفلت سے لایعنی باتوں اور بے حاصل چیزوں میں اپنا وقت اور اپنی قوتیں صرف کرتے ہیں، وہ نادان جانتے نہیں کہ اللہ نے ان کو کتنا قیمتی بنایا ہے، اور وہ اپنے کیسے بیش بہا خزانہ کو مٹی میں ملاتے ہیں، اس حقیقت کو جنھوں نے سمجھ لیا ہے، بس وہی ذانا اور عارف ہیں۔

(۴۴) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِي أُمَّةٍ قَبْلِي إِلَّا كَانَ لَهُ مِنْ أُمَّتِهِ حَوَارِيُونَ وَأَصْحَابُ

يَاخْذُونَ بِسُنَّتِهِ وَيَقْتَدُونَ بِأَمْرِهِ ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلَفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ وَيَفْعَلُونَ مَا لَا يُؤْمَرُونَ، فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذَلِكَ مِنَ الْإِيمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ.

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ نے جو پیغمبر بھی مجھ سے پہلے کس امت میں بھیجا تو اسکے کچھ حواری اور الائق اصحاب ہوتے تھے، جو اسکے طریقے پر چلتے، اور اسکے حکم کی پیروی کرتے تھے، پھر ایسا ہوتا تھا کہ ان کے نالائق پسماندگان ان کے جانشین ہوتے تھے، اور ان کی حالت یہ ہوتی تھی کہ وہ کہتے تھے اور خود وہ کام نہیں کرتے تھے، یا مطلب یہ ہے کہ کرنے کے جو کام، وہ نہیں کرتے تھے ان کے متعلق لوگوں سے کہتے تھے، کہ ہم کرتے ہیں، گویا اپنی مشیخت اور اپنا تقدس قائم رکھنے کے لئے وہ جھوٹ بھی بولتے) اور جن کاموں کا ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا، ان کو کرتے تھے (یعنی اپنے پیغمبر کی سنتوں اور اسکے اوامر و احکام پر تو وہ عامل نہ تھے، مگر وہ معصیت و بدعات جن کا ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا ان کو خوب کرتے تھے۔) تو جس نے ان کے خلاف اپنے دست و بازو سے جہاد کیا وہ مومن ہے، اور جس نے (بدرجہ مجبوری) صرف زبان ہی سے ان کے خلاف جہاد کیا وہ بھی مومن ہے، اور جس نے (جہاد باللسان سے بھی عاجز رہ کر) صرف دل ہی سے ان کے خلاف جہاد کیا (یعنی دل میں ان سے نفرت کی اور ان کے خلاف غیظ و غضب رکھا) تو وہ بھی مومن ہے، لیکن اسکے بغیر رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔

(تشریح) حدیث کا مطلب اور اس کی روح یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین کے جانشینوں اور نام لیواؤں میں جو غلط کار اور بد کردار ہوں، جو دوسروں کو تو اعمال خیر کی دعوت دیتے ہوں، لیکن خود بے عمل اور بد عمل ہوں، ان کے خلاف حسب استطاعت ہاتھ سے یا زبان سے جہاد کرنا، اور کم از کم دل میں اس جہاد کا جذبہ رکھنا ایمان کے خاص شرائط اور لوازم میں سے ہے، اور جو شخص اپنے دل میں بھی اس جہاد کا جذبہ نہ رکھتا ہو، اس کا دل ایمان کی حرارت اور اسکے سوز سے گویا بالکل ہی خالی ہے..... لَيْسَ وَرَاءَ ذَلِكَ مِنَ الْإِيمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ۔ کا یہی مطلب ہے، اور اگلی حدیث میں اسی کو ”أَضْعَفُ الْإِيمَانِ“ (ایمان کا ضعیف ترین درجہ) فرمایا گیا ہے۔

ملاحظہ رہے کہ اس حدیث میں انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین کے ناخلف اور نالائق جانشینوں کے خلاف جہاد کا جو حکم ہے، اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ان کو درست کرنے کی اور صحیح راستے

پر لانے کی کوشش کی جائے، اور اگر اس سے مایوسی ہو تو ان کے برے اثرات سے اللہ کے بندوں کو بچانے کے لئے ان کی جھوٹی مشیت اور ان کے موروٹی اثر و اقتدار کو ختم کرنے کی جدوجہد کی جائے۔

(۴۵) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَالتَّحْدِثِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ (رواه مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی تم میں سے کوئی بری اور خلاف شرع بات دیکھے، تو لازم ہے کہ اگر طاقت رکھتا ہو، تو اپنے ہاتھ سے (یعنی زور و قوت سے) اس کو بدلنے کی (یعنی درست کرنے کی) کوشش کرے، اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو، تو پھر اپنی زبان سے اس کو بدلنے کی کوشش کرے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل ہی میں اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔ (مسلم)

(تشریح) اس سے پہلی حدیث میں ایک خاص طبقے کی بدکاری اور بدکرداری کے خلاف حسب استطاعت جدوجہد کو لازمہ ایمان قرار دیا گیا تھا، اور اس حدیث میں ہر برائی اور ہر شرارت کو روکنے اور اس کو بدل ڈالنے کی بقدر استطاعت سعی و کوشش کا عام حکم فرمایا گیا ہے، اور اوپر والی حدیث کی طرح یہاں بھی اسکے تین درجے بتلائے گئے ہیں۔

۱۔ اگر طاقت و اقتدار حاصل ہو، اور اسکے ذریعہ اس برائی کو روکا جاسکتا ہو، تو طاقت استعمال کر کے اس کو روکا جائے۔

۲۔ اگر طاقت و اقتدار اپنے ہاتھ میں نہیں ہے تو زبانی افہام و تفہیم اور نپند و نصیحت ہی سے اس کو روکنے کی اور اصلاح کی کوشش کی جائے۔

۳۔ اگر حالات ایسے ناموافق ہیں اور اہل دین اس قدر کمزور پوزیشن میں ہیں کہ اس برائی کے خلاف زبان کھولنے کی بھی گنجائش نہیں ہے، تو آخری درجہ یہ ہے کہ دل سے اس کو برا سمجھا جائے۔ اور اس کو مٹانے اور بدل ڈالنے کا جذبہ دل میں رکھا جائے، جس کا فطری نتیجہ کم از کم یہ ہو گا کہ دل اللہ تعالیٰ سے اسکے مٹانے کی دعا کرتا رہے گا، اور تدبیریں بھی سوچا کرے گا..... اس آخری درجے کو حدیث میں ”أَضْعَفُ الْإِيمَانِ“ فرمایا گیا ہے..... جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایمان کا وہ آخری کمزور درجہ ہے، کہ اسکے بعد کوئی اور درجہ ایمان کا ہے ہی نہیں، یہی بات پہلی حدیث میں دوسرے لفظوں میں فرمائی گئی تھی۔

اس حدیث کی رو سے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ جو برائیاں اسکے سامنے اس قسم کی ہوں، جو زور و قوت سے روکی جاسکتی ہوں، تو اگر اس کو وہ زور و قوت حاصل ہو تو اس کو استعمال کر کے وہ اس برائی کو روکنے کی کوشش کرے، اور اگر زور و قوت ہاتھ سے خالی ہو تو پھر زبانی انہام و تنہیم سے کام لے، اور اگر حالات میں اس کی بھی گنجائش نہ ہو تو پھر کم از کم دل میں اسکے خلاف جذبہ اور سوز ہی رکھے۔

(۴۶) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا قَالَ لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ. (رواه البيهقي في شعب الایمان ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو خطبہ دیا ہو، اور اُس میں یہ نہ ارشاد فرمایا ہو کہ: ”جس میں امانت کی خصلت نہیں اُس میں ایمان نہیں، اور جس میں عہد کی پابندی نہیں، اس میں دین نہیں۔“ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) یعنی امانت داری اور عہد کی پابندی سے کسی آدمی کا خالی ہونا دین و ایمان کی حقیقت سے اس کی محرومی اور بے نصیبی کی دلیل ہے، کیونکہ امانت اور ایفاء عہد ایمان و اسلام کے لوازم میں سے ہیں..... جیسا کہ پہلے بھی بعض حدیثوں کی تشریح میں لکھا جا چکا ہے، اس طرح کی حدیثوں کا مقصد و منشا یہ نہیں ہوتا کہ ایسا شخص اسلام کے دائرے سے بالکل نکل گیا، اور اب اُس پر بجائے اسلام کے کفر کے احکام جاری ہوں گے، بلکہ مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص ایمان کی اصل حقیقت اور اسکے نور سے بے نصیب ہے، جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ اس کا ایمان بہت ہی ناقص درجے کا، اور بے جان ہے۔

ایمان میں خرابی ڈالنے والے اخلاق و اعمال!

(۴۷) عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْفُضْبَ يُفْسِدُ الْإِيمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الضَّبُّ الْعَسْلَ.

(رواه البيهقي في شعب الایمان)

(ترجمہ) بہز بن حکیم اپنے والد حکیم کے واسطے سے اپنے دادا معاویہ بن حیدہ قشیری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”غصہ ایمان کو ایسا خراب کر دیتا ہے جیسے کہ ایلو اشہد کو خراب کر دیتا ہے۔“ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) در حقیقت غصہ ایسی ہی ایمان سوز چیز ہے، جب آدمی پر غصہ سوار ہوتا ہے تو اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود سے وہ تجاوز کر جاتا ہے، اور اس سے وہ باتیں اور وہ حرکتیں سرزد ہوتی ہیں جو اسکے دین کو برباد کر دیتی ہیں اور اللہ کی نظر سے اُس کو گرا دیتی ہیں۔

(۳۸) عَنْ أَوْسِ بْنِ شُرَّحْبِيلَ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ
مَنْ مَشَى مَعَ ظَالِمٍ لِيُقَوِّمَهُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْإِسْلَامِ

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) اوس بن شرحبیل سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ جو شخص کسی ظالم کی مدد کیلئے، اور اُس کا ساتھ دینے کے لئے چلا اور اُس کو اس بات کا علم تھا کہ یہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے نکل گیا۔

(تشریح) جب ظلم کا ساتھ دینا، اور ظالم کو ظالم جانتے ہوئے اُس کی کسی قسم کی مدد کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص کو اسلام سے نکل جانے والا قرار دیا ہے، تو سمجھا جاسکتا ہے کہ ظلم خود ایمان و اسلام کے کس قدر منافی ہے، اور اللہ و رسول کے نزدیک ظالموں کا کیا درجہ ہے۔

(۳۹) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ
بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيءِ.

(رواہ الترمذی والبیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”مومن لعن کرنے والا نہیں ہوتا، اور نہ فحش گو اور بدکلام ہوتا ہے۔“

(ترمذی، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ بدکلامی اور فحش گوئی اور دوسروں کے خلاف زباند رازی، یہ عادتیں ایمان کے منافی ہیں، اور مسلمان کو ان سے پاک ہونا چاہئے۔

(۵۰) عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ أَنَّهُ قِيلَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْكُونُ
الْمُؤْمِنُ جَبَانًا قَالَ نَعَمْ، فَقِيلَ لَهُ أَيْكُونُ الْمُؤْمِنُ بَخِيلًا قَالَ نَعَمْ، فَقِيلَ لَهُ
أَيْكُونُ الْمُؤْمِنُ كَذَابًا قَالَ لَا

(رواہ مالک والبیہقی فی شعب الایمان مرسلہ)

(ترجمہ) حضرت صفوان بن سلیم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا،

کہ: کیا مسلمان بزدل ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا، ”ہاں! (مسلمان میں یہ کمزوری ہو سکتی ہے)۔“ پھر عرض کیا گیا: کیا مسلمان بخیل ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”ہاں! (مسلمان میں یہ کمزوری بھی ہو سکتی ہے)۔“ پھر عرض کیا گیا: کیا مسلمان کذاب (یعنی بہت جھوٹا) ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”نہیں! (یعنی ایمان کے ساتھ بیباکانہ جھوٹ کی ناپاک عادت جمع نہیں ہو سکتی، اور ایمان جھوٹ کو برداشت نہیں کر سکتا)۔“

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ بخل اور بزدلی اگرچہ بُری عادتیں ہیں، لیکن یہ دونوں انسان کی کچھ ایسی فطری کمزوریاں ہیں، کہ ایک مسلمان میں بھی یہ ہو سکتی ہیں، لیکن جھوٹ کی عادت میں اور ایمان میں ایسی منافات ہے، کہ یہ ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔

(۵۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَنْتَهَبُ نَهْبَةً يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ فِيهَا أَبْصَارُهُمْ حِينَ يَنْتَهَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَغْلُ أَحَدُكُمْ حِينَ يَغْلُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَإَيَّاكُمْ أَيُّكُمْ (رواه البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں زنا کرتا کوئی زنا کار، جس وقت وہ زنا کرتا ہے اور وہ اُس وقت مومن ہو، اور نہیں شراب پیتا کوئی شرابی جبکہ وہ شراب پیتا ہے، اور وہ اُس وقت مومن ہو، اور نہیں لوٹا کوئی لوٹ کا کوئی مال کہ لوگ اُس کی طرف آنکھیں اٹھا اٹھا کر اُس کی لوٹ مار کو دیکھتے ہوں جبکہ وہ لوٹتا ہے، اور وہ اُس وقت مومن ہو، اور نہیں خیانت کرتا خیانت کرنے والا جبکہ وہ خیانت کرتا ہے، اور وہ اُس وقت مومن ہو۔۔۔۔۔ پس (اے ایمان والو! ان منافی ایمان حرکات سے) اپنے کو بچاؤ! بچاؤ! (بخاری و مسلم)

یہ حدیث بخاری و مسلم ہی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے بھی آئی ہے، اور اس میں زنا، چوری، شراب نوشی، لوٹ مار اور خیانت کے علاوہ قتل ناحق کا بھی ذکر ہے، یعنی اُس میں ان الفاظ کا اور اضافہ ہے: وَلَا يَقْتُلُ حِينَ يَقْتُلُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ (یعنی نہیں قتل کرتا کوئی قتل کرنے والا کسی کو جبکہ وہ قتل کرتا ہے، اور وہ اُس وقت مومن ہو)۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ زنا، چوری، شراب نوشی، قتل و غارت گری، اور خیانت، یہ سب حرکتیں ایمان کے قطعاً منافی ہیں، اور جس وقت کوئی شخص یہ حرکتیں کرتا ہے اُس وقت اُس کے دل میں ایمان کا نور بالکل نہیں رہتا، یہ مطلب نہیں ہے، کہ وہ اسلام کے دائرہ سے بالکل

نکل کر کافروں میں شامل ہو جاتا ہے۔۔۔ خود امام بخاریؒ نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

لَا يَكُونُ هَذَا مُؤْمِنًا تَامًا وَلَا
يَكُونُ لَهُ نُورُ الْإِيمَانِ
(صحیح بخاری کتاب الایمان)

اس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ ایمان دل کی جس خاص کیفیت کا نام ہے، وہ اگر جائدار اور بیدار ہو، اور دل اُس کے نور سے روشن ہو تو ہرگز آدمی سے ایسا کوئی گناہ نہیں ہو سکتا، ایسے ناپاک گناہوں کے لئے آدمی کا قدم اُس وقت اٹھ سکتا ہے جبکہ دل میں ایمان کی شمع روشن نہ ہو، اور وہ خاص ایمانی کیفیت غائب ہو گئی ہو، یا کسی وجہ سے بیجان اور مضطرب ہو گئی ہو جو آدمی کو گناہوں سے بچانے والی طاقت ہے۔

بہر حال حدیث پڑھنے والے کو یہ اصولی بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اس قسم کی حدیثیں جن میں خاص خاص بد اعمالیوں اور بد اخلاقیوں کے متعلق فرمایا گیا ہے، کہ جو لوگ ان کے مرتکب ہوں انہیں ایمان نہیں، یا یہ کہ وہ مومن نہیں، اور اسی طرح وہ حدیثیں جن میں بعض اعمال صالحہ اور اخلاقی حسنہ کے بارے میں فرمایا گیا ہے، کہ جو شخص ان کا تارک ہو وہ ایمان سے خالی اور بے نصیب ہے، یا یہ کہ وہ مومن نہیں ہے، ان کا مقصد و منشا یہ نہیں ہوتا کہ وہ شخص دائرۃ اسلام سے بالکل نکل گیا، اور اب اُس پر اسلام کے بجائے کفر کے احکام جاری ہوں گے، اور آخرت میں اُس کے ساتھ ٹھیٹ کافروں والا معاملہ ہوگا، بلکہ مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص اُس حقیقی ایمان سے محروم اور بے نصیب ہے جو مسلمانوں کی اصلی شان ہے، اور جو اللہ کو محبوب ہے۔۔۔ اور اس کے لئے نحوی ترکیب میں ”کَامِلًا“ یا ”تَامًا“ جیسے الفاظ مقدر ماننے کی بالکل ضرورت نہیں، بلکہ ایسا کرنا ایک قسم کی بد ذوقی ہے، ہر زبان کا یہ عام محاورہ ہے کہ اگر کسی میں کوئی صفت بہت ناقص اور کمزور درجہ کی ہو تو اُس کو کالعدم قرار دے کر اس کی مطلق نفی کر دی جاتی ہے۔۔۔ خاص کر دعوت و خطابت اور ترغیب و ترہیب میں یہی طرز بیان زیادہ موزوں، اور زیادہ مفید مطلب ہوتا ہے۔

مثلاً یہی حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے زنا اور چوری اور خون ناحق وغیرہ گناہوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ”ان کا کرنے والا جس وقت یہ ناپاک کام کرتا ہے وہ اس وقت مومن نہیں ہوتا“ اگر بجائے اسکے آپ یوں فرماتے کہ ”اُس وقت اُس کا ایمان کامل نہیں ہوتا“ تو اس

میں کوئی زور اور وزن نہ ہوتا، اور ترہیب و تحویف جو حدیث کا مقصد ہے وہ بالکل فوت ہو جاتا۔۔۔ یا مثلاً چند صفحے پہلے یہ حدیث گزر چکی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اکثر خطبات میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ”لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ“ (جس میں امانت نہیں، اُس میں ایمان نہیں، اور جس میں عہد کی پابندی نہیں اس کا دین میں حصہ نہیں) اب اگر بجائے اسکے صریح الفاظ میں یہ فرمایا جاتا کہ ”جس میں امانت نہیں وہ مومن کامل نہیں اور جو عہد کا پابند نہیں وہ پورا دیندار نہیں“ تو ظاہر ہے کہ اس میں وہ زور اور اثر بالکل نہ ہوتا، جو حدیث کے موجودہ الفاظ میں ہے۔۔۔ بہر حال دعوت و موعظت اور انذار و ترہیب، جو ان حدیثوں کا اصل مقصد ہے اُس کے لئے یہی طرز بیان صحیح اور زیادہ موزوں و خوبصورت ہے۔

پس ان حدیثوں کو ”کفر کے فتوے“ اور فقہ کے ”قانونی فیصلے“ سمجھنا اور اس بنیاد پر ان گناہوں کے مرتکبین کو ملت اسلام سے خارج قرار دینا (جیسا کہ معتزلہ اور خوارج نے کیا ہے) ان حدیثوں کے اصل مقصد اور رسول اللہ ﷺ کے طرز کلام کی خصوصیات سے ناواقفی اور نا آشنائی کا نتیجہ ہے۔^۱

بعض منافقانہ اعمال و عادات

(۵۲) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعٌ مَنُ شُكِنَ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خُصْلَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خُصْلَةٌ مِّنَ الْبِرِّ حَتَّىٰ يَدْعُوهَا إِذَا أُوتِمِنَ خَانَ وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَوُ إِذَا خَاصَمَ فَجَرَ (رواه البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چار عادتیں ایسی ہیں کہ جس میں وہ چاروں جمع ہو جائیں تو وہ خالص منافق ہے اور جس میں اُن چاروں میں سے کوئی ایک خصلت ہو تو اُس کا حال یہ ہے کہ اُس میں نفاق کی ایک خصلت ہے،

۱۔ اس موقع پر شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کا ایک افادہ قابل ذکر ہے، فرماتے ہیں کہ: ”احادیث میں جن اعمال یا خصائل کو لازمہ ایمان قرار دیا گیا ہے، اور اُن کے ترک و فقدان کی صورت میں ”لا ایمان“ یا ”لا یؤمن“ جیسے الفاظ فرمائے گئے ہیں اُن کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ وہ واجب ہیں اور انکی جانب خلاف حرام“

(کتاب الایمان)

اور وہ اسی حال میں رہے گا، جب تک کہ اُس عادت کو چھوڑ نہ دے --- وہ چاروں علوتیں یہ ہیں کہ جب اُس کو کسی امانت کا امین بنایا جائے، تو اُس میں خیانت کرے، اور جب باتیں کرے تو جھوٹ بولے، اور جب عہد معاہدہ کرے تو اُس کی خلاف ورزی کرے، اور جب کسی سے جھگڑا اور اختلاف ہو تو بد زبانی کرے۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) حقیقی اور اصلی نفاق، انسان کی جس بدترین حالت کا نام ہے، وہ تو یہ ہے کہ آدمی نے دل سے تو اسلام کو قبول کیا نہ ہو (بلکہ دل سے اُس کا منکر اور مخالف ہو) لیکن کسی وجہ سے وہ اپنے کو مومن و مسلم ظاہر کرتا ہو، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عبد اللہ ابن ابی وغیرہ مشہور منافقین کا حال تھا، یہ نفاق دراصل بدترین اور ذلیل ترین قسم کا کفر ہے، اور ان ہی منافقین کے بارہ میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے، کہ:

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ
مِنَ النَّارِ ضرور بالضرور یہ منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں ڈالے جائیں گے۔

لیکن بعض بُری عادتیں اور بد خصلتیں بھی ایسی ہیں، جن کو ان منافقین سے خاص نسبت اور مناسبت ہے اور وہ دراصل اُن ہی کی عادتیں اور خصلتیں ہیں، اور کسی صاحب ایمان میں ان کی پرچھائیں بھی نہیں ہونی چاہئے۔ پس اگر بد قسمتی سے کسی مسلمان میں ان میں سے کوئی عادت ہو تو یہ سمجھا جائے گا کہ اُس میں یہ منافقانہ عادت ہے، اور اگر کسی میں بد بخئی سے منافقوں والی وہ ساری عادتیں جمع ہو جائیں، تو سمجھا جائے گا کہ وہ شخص اپنی سیرت میں پورا منافق ہے۔

الغرض ایک نفاق تو ایمان و عقیدے کا نفاق ہے، جو کفر کی بدترین قسم ہے، لیکن اُسکے علاوہ کسی شخص کی سیرت کا منافقوں والی سیرت ہونا بھی ایک قسم کا نفاق ہے، مگر وہ عقیدے کا نہیں بلکہ سیرت اور کردار کا نفاق ہے، اور ایک مسلمان کیلئے جس طرح یہ ضروری ہے کہ وہ کفر و شرک اور اعتقادی نفاق کی نجاست سے بچے، اُسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ منافقانہ سیرت اور منافقانہ اعمال و اخلاق کی گندگی سے بھی اپنے کو محفوظ رکھے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے خصائل نفاق میں سے چار کا ذکر فرمایا ہے: ۱۔ خیانت ۲۔ جھوٹ ۳۔ عہد شکنی ۴۔ بد زبانی اور ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہو، اُس کو سمجھنا چاہئے کہ اُس میں ایک منافقانہ خصلت ہے اور جس میں یہ چاروں خصلتیں جمع ہوں، وہ اپنی سیرت میں خالص منافق ہے۔

(۵۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَن مَاتَ وَلَمْ يَغُزْ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهِ نَفْسَهُ مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِّنْ نَّفَاقٍ (رواه مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس حال میں مرا کہ نہ تو اُس نے کبھی جہاد کیا اور نہ اپنے جی میں اُس کی تجویزیں سوچیں اور تمنا کی، تو وہ نفاق کی ایک صفت پر مرا۔

(تشریح) یعنی ایسی زندگی جس میں دعوائے ایمان کے باوجود نہ کبھی راہ خدا میں جہاد کی نوبت آئے اور نہ دل میں اُس کا شوق اور اُس کی تمنا ہو، یہ منافقوں کی زندگی ہے، اور جو اسی حال میں اس دُنیا سے جائے گا وہ نفاق کی ایک صفت کے ساتھ جائے گا۔

(۵۴) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ صَلَوةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتَّىٰ إِذَا اصْفَرَّتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيْ الشَّيْطَانِ قَامَ فَتَنَقَّرَ أَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللَّهَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا (رواه مسلم)

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: یہ تو منافق والی نماز ہے کہ بے پروائی سے بیٹھا آفتاب کو دیکھتا رہا یہاں تک کہ جب وہ زرد ہو گیا، اور اُس کے غروب کا وقت قریب آ گیا تو نماز کو کھڑا ہوا، اور چڑیا کی طرح چار چوٹیں مار کے ختم کر دی، اور اللہ کا ذکر بھی اُس میں بہت تھوڑا کیا۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ مومن کی شان تو یہ ہے کہ شوق کی بے چینی سے نماز کے وقت کا منتظر رہے، اور جب وقت آئے تو خوشی اور مستعدی سے نماز کے لئے کھڑا ہو، اور یہ سمجھتے ہوئے کہ اس وقت مجھے مالک الملک کے دربار عالی کی حضوری نصیب ہے، پورے اطمینان اور خشوع کے ساتھ نماز ادا کرے، اور قیام و قعود اور رکوع و سجود میں خوب اللہ کو یاد کرے، اور اس سے اپنے دل کو شاد کرے، لیکن منافقوں کا رویہ یہ ہوتا ہے کہ وہ نماز اُن کے لئے ایک بوجھ ہوتی ہے، وقت آ جانے پر بھی اُس کو نالتے رہتے ہیں، مثلاً عصر کی نماز کے لئے اُس وقت اُٹھتے ہیں جب سورج بالکل ڈوبنے کے قریب ہو جاتا ہے، اور بس چڑیا کی سی چار چوٹیں مار کے نماز پوری کر دیتے ہیں، اور اللہ کا نام بھی بس برائے نام ہی لیتے ہیں، پس یہ نماز منافق کی نماز ہے اور جو کوئی ایسی نماز پڑھتا ہے وہ مخلص مومنوں والی نہیں، بلکہ منافقوں والی نماز پڑھتا ہے۔

(۵۵) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عُمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ مَنْ أَدْرَكَهُ الْأَذَانُ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ خَرَجَ لَمْ يَخْرُجْ لِحَاجَةٍ وَهُوَ لَا يَرِيدُ
الرَّجْعَةَ فَهُوَ مُنَافِقٌ (رواہ ابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص مسجد میں ہو، اور اذان ہو جائے اور وہ اُسکے بعد بھی بلا کسی خاص ضرورت کے مسجد سے باہر چلا جائے اور نماز میں شرکت کے لئے واپسی کا ارادہ بھی نہ رکھتا ہو، تو وہ منافق ہے۔ (ابن ماجہ)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ یہ منافقانہ طرزِ عمل ہے، پس ایسا کرنے والا اگر عقیدے کا منافق نہیں ہے تو وہ ”منافقِ عملی“ ہے۔

و سوسے ایمان کے منافی نہیں اور اُن پر مواخذہ بھی نہیں!

(۵۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي مَا وُضِعَتْ بِهِ صَدْرُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ بِهِ أَوْ تَتَكَلَّمَ

(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت سے دل کے بُرے خیالات اور وسوسوں کو معاف کر دیا ہے، اُن پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا، جب تک اُن پر عمل نہ ہو، اور زبان سے نہ کہا جائے۔

(تشریح) انسان کے دل میں بعض اوقات بڑے گندے خیالات اور خطرات آتے ہیں، اور کبھی کبھی منکرانہ اور طحڑانہ سوالات و اعتراضات بھی دل و دماغ کو پریشان کرتے ہیں، اس حدیث میں اطمینان دلایا گیا ہے کہ یہ خیالات اور وسوسے جب تک کہ صرف خیالات اور وسوسے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مواخذہ نہیں ہے، ہاں! جب یہی خیالات، خطرات و وسوسے کی حد سے بڑھ کر اُس شخص کا قول یا عمل بن جائیں، تو پھر اُن پر مواخذہ اور محاسبہ ہوگا۔

(۵۷) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ إِنِّي أُحَدِّثُ نَفْسِي بِالْأَشْيِ لَأَنْ أَكُونَ حُمَمَةً أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَتَكَلَّمَ بِهِ، قَالَ أَلْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي رَدَّ أَمْرَهُ إِلَى الْوُضُوءِ (رواہ ابو داؤد)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ: ”کبھی کبھی میرے دل میں ایسے بُرے خیالات آتے

ہیں کہ جل کر کوئلہ ہو جاتا مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اُن کو زبان سے نکالوں؟“
آپ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ کی حمد اور اُس کا شکر ہے جس نے اُسکے معاملہ کو دوسوہ کی طرف
لوٹا دیا ہے۔“ (ابوداؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ یہ غمگین اور فکر مند ہونے کی بات نہیں، بلکہ اس پر اللہ کا شکر کرو
کہ اُسکے فضل و کرم اور اُس کی دستگیری نے تمہارے دل کو اُن برے خیالات کے قبول کرنے اور
اپنانے سے بچالیا ہے، اور بات دوسوہ کی حد سے آگے نہیں بڑھنے دی ہے۔

(۵۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلُوهُ إِنَّا نَجِدُ فِي أَنْفُسِنَا مَا يَتَعَاطَمُ أَحَدُنَا أَنْ يَتَكَلَّمَ بِهِ؟ قَالَ أَوْ قَدْ وَجَدْتُمُوهُ؟ قَالُوا نَعَمْ، قَالَ ذَلِكَ صَرِيحُ الْإِيمَانِ (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے کچھ
لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے دریافت کیا کہ ہمارا حال یہ ہے کہ بعض
اوقات ہم اپنے دلوں میں ایسے بُرے خیالات اور دوسوہ پاتے ہیں کہ اُن کو زبان سے کہنا بھی
بہت بُرا اور بہت بھاری معلوم ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا واقعہ تمہاری یہ
حالت ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ہاں! یہی حال ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: یہ تو خالص
ایمان ہے۔ (مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کی یہ کیفیت کہ وہ دین و شریعت کے خلاف وساوس
سے اتنا گہرائے اور ان کو اتنا بُرا سمجھے کہ زبان سے ادا کرنا بھی اس کو گراں ہو، یہ خالص ایمانی
کیفیت ہے۔

(۵۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي الشَّيْطَانُ أَحَدَكُمْ فَيَقُولُ مَنْ خَلَقَ كَذَا؟ مَنْ خَلَقَ كَذَا؟ حَتَّى يَقُولَ مَنْ خَلَقَ رَبُّكَ فَإِذَا بَلَغَهُ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللَّهِ وَلْيَنْتِهِ (رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کسی
کسی کے پاس شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ فلاں چیز کو کس نے
پیدا کیا؟ (یہاں تک کہ یہی سوال وہ اللہ کے متعلق بھی دل میں ڈالتا ہے، کہ جب ہر چیز کا کوئی
پیدا کرنے والا ہے تو پھر) اللہ کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ پس سوال کا سلسلہ جب یہاں تک پہنچے

تو چاہئے کہ بندہ اللہ سے پناہ مانگے، اور رُک جائے۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اس قسم کے دوسوئے اور سوالات شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں، اور جب شیطان کسی کے دل میں اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ جاہلانہ اور احمقانہ سوال ڈالے تو اُس کا سیدھا اور آسان علاج یہ ہے کہ بندہ شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے، اور خیال کو اُس طرف سے پھیر لے یعنی اس مسئلہ کو قابلِ توجہ اور لائقِ غور ہی نہ سمجھے، اور واقعہ بھی یہی ہے کہ اللہ جب اُس ہستی کا نام ہے جس کا وجود اُس کی ذاتی صفت ہے، اور جو تمام موجودات کو وجود بخشنے والا ہے، اُس کے متعلق یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

(۶۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ النَّاسُ يَتَسَاءَلُونَ حَتَّى يُقَالَ هَذَا خَلَقَ اللَّهُ الْخَلْقَ، فَمَنْ خَلَقَ اللَّهُ؟ فَمَنْ وَجَدَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَلْيَقُلْ آمَنْتُ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ (رواه البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: لوگوں میں ہمیشہ فضول سوالات اور چون و چرا کا سلسلہ جاری رہے گا، یہاں تک کہ یہ احمقانہ سوال بھی کیا جائے گا کہ اللہ نے سب مخلوق کو پیدا کیا ہے، تو پھر اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ پس جس کو اس سے سابقہ پڑے وہ یہ کہہ کر بات ختم کر دے، کہ اللہ پر اور اُس کے رسولوں پر میرا ایمان ہے۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ مومن کا رویہ ان سوالات اور وساوس کے بارے میں یہ ہونا چاہئے کہ وہ سوال کرنے والے آدمی سے یا دوسوئے ڈالنے والے شیطان سے اور اپنے نفس سے صاف کہہ دے کہ اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان کی روشنی مجھے نصیب ہو چکی ہے، اس لئے میرے لئے یہ سوال بالکل قابلِ غور نہیں، جس طرح کسی آنکھوں والے کیلئے یہ سوال قابلِ غور نہیں کہ سورج میں روشنی ہے یا نہیں؟

ایمان و اسلام کا خلاصہ اور اُس کا عطر

(۶۱) عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قُلْ لِي فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا بَعْدَكَ (وَفِي رَوَايَةٍ غَيْرِكَ) قَالَ قُلْ آمَنْتُ بِاللَّهِ ثُمَّ اسْتَقِمَّ (رواه مسلم)

(ترجمہ) سفیان بن عبد اللہ ثقفی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ: ”یا رسول اللہ! اسلام کے بارے میں مجھے کوئی ایسی جامع اور شافی بات بتائیے کہ آپ کے بعد پھر میں کسی سے اس بارے میں کچھ نہ پوچھوں“ آپ نے ارشاد فرمایا: ”کہو میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر پوری طرح اور ٹھیک ٹھیک اُس پر قائم رہو۔“ (مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اللہ ہی کو اپنا اللہ اور رب مان کر اپنے کو بس اُس کا بندہ بنادو، اور پھر اس ایمان اور عبدیت کے تقاضوں کے مطابق ٹھیک ٹھیک چلنا اپنی زندگی کا دستور بنالو، بس یہی کافی ہے۔

یہ حدیث ”جوامع الکلم“ میں سے ہے، رسول اللہ ﷺ کے جواب کے ان دو لفظوں میں اسلام کا پورا خلاصہ آگیا ہے ”ایمان باللہ اور اُس پر استقامت“ ہی اسلام کی غرض و غایت، بلکہ اُس کی روح ہے۔ ”ایمان باللہ“ کا مطلب تو کتاب کے بالکل شروع میں حدیث جبرئیل کی تشریح میں بیان کیا جا چکا ہے، اور استقامت کے معنی ہیں بلا افراط و تفریط اور بغیر کسی کجی اور انحراف کے اللہ کی مقرر کی ہوئی ”صراط مستقیم“ پر قائم رہنا، اور ہمیشہ اُس کی ٹھیک ٹھیک پیروی کرتے رہنا گویا تمام اوامر و نواہی اور جملہ احکام خداوندی کے صحیح مکمل اور دائمی اتباع کا نام استقامت ہے، اور ظاہر ہے کہ بندوں کے لئے اس سے آگے کوئی مقام نہیں، اسی لئے بعض اکابر صوفیہ نے فرمایا ہے:

إِلَّا سَتَقَامَةً خَيْرٌ مِنَ أَلْفِ كَرَامَةٍ
یعنی استقامت ہزاروں کرامتوں سے بہتر اور

بالا تر ہے۔

بہر حال استقامت وہ چیز ہے کہ اُسکی تعلیم کے بعد کسی اور سبق کے لینے کی ضرورت نہیں رہتی، اور بس وہی انسان کے لئے کافی ہے، قرآن مجید میں بھی کئی جگہ انسان کی سعادت اور فلاح کو ایمان باللہ اور استقامت ہی سے وابستہ کیا گیا ہے۔ اُن میں سے ایک آیت یہ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (الاحقاف ع ۲)

بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہی ہے (اور ہم اسی کے بندے ہیں) اور پھر وہ اس پر مستقیم رہے، تو انہیں کوئی خوف و خطر نہیں، اور نہ اُن کو رنج و غم ہو گا وہ سب جنتی ہیں، اپنے اعمال کے بدلہ میں وہ جنت ہی میں ہمیشہ رہیں گے۔

بلکہ ”اِرْجَا عِ السُّنَّةِ اِلَى الْكِتَابِ“ کے اصول پر کہا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سفیان بن عبد اللہ ثقفی کو یہ جواب شاید ایسی ہی آیات کی روشنی میں دیا ہو گا۔ ۱

(۶۲) عَنْ تَمِيمِ الدَّارِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ”الَّذِينَ النَّصِيحَةُ“
فَلَنَّا لِمَنْ؟ قَالَ لِلَّهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَيِّمَةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت تميم داری سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دین نام ہے ”خلوص اور وفاداری“ کا۔ ہم نے عرض کیا کہ: ”کس کے ساتھ خلوص اور وفاداری؟“ ارشاد فرمایا: اللہ کے ساتھ، اللہ کی کتاب کے ساتھ، اللہ کے رسول کے ساتھ، مسلمانوں کے سرداروں، پیشواؤں کے ساتھ اور ان کے عوام کے ساتھ۔ (مسلم)

(تشریح) یہ حدیث بھی ”جوامع الکلم“ میں سے ہے، امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ کل مقاصد دین کو یہ حدیث جامع ہے، اور اس پر عمل کر لینا گویا دین کے پورے منشا کو ادا کر دینا ہے، کیونکہ دین کا کوئی شعبہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو اس حدیث کے مضمون سے باہر رہ گیا ہو۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے، کہ اس حدیث میں اللہ، کتاب اللہ، رسول اللہ، ائمہ، امت و پیشویان ملت، اور عوام مسلمانوں کے ساتھ خلوص و وفاداری کو دین بتلایا گیا ہے، اور یہی مکل دین ہے، کیونکہ اللہ کے ساتھ اخلاص و وفاداری کا مطلب یہ ہے کہ اُس پر ایمان لایا جائے، ممکن حد تک اُس کی معرفت حاصل کی جائے، اُس کے ساتھ انتہائی محبت کی جائے، اُس کی اطاعت و عبادت کی

۱۔ بعض ائمہ اور علماء محققین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات عموماً قرآن مجید سے ماخوذ اور مستنبط ہوتے تھے، اور آپ کے ہر ارشاد کا مرجع و ماخذ قرآن پاک میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔ ائمہ سلف میں سے حضرت سعید بن جبیرؒ اور حضرت امام شافعیؒ سے بھی یہ رائے نقل کی گئی ہے، اور ہمارے علماء متاخرین میں سے حضرت شاہ ولی اللہ نے ”خیر کثیر“ میں یہی رائے ظاہر فرمائی ہے، بلکہ یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے اس طرح پر غور کیا تو ”کتاب الصلوٰۃ“ کی تمام احادیث کا مرجع اور ماخذ قرآن پاک میں مجھے مل گیا۔ کاش! شاہ صاحب اُس کام کو مکمل کر جاتے اور انکے اس غور و فکر.....

۲۔ اس حدیث میں ”نصیحت“ کا لفظ جس مفہوم کا حامل ہے اُس کو ترجمہ میں اس ناچیز نے ”خلوص و وفاداری“ سے ادا کیا ہے، اردو زبان میں اس مفہوم کی ادائیگی کیلئے اس سے بہتر شاید کوئی لفظ نہ مل سکے۔ ”نصیحت“ نصیح بمعنی خلوص سے مشتق ہے، یقال نصح الشیء اذا خلص و نصحت العسل اذا

جائے، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے، اور مالک و مقتدر جانتے ہوئے اُس سے ڈرا جائے، غرض پورے اخلاص و وفا کے ساتھ عبدیت کا حق ادا کیا جائے۔

اور کتاب اللہ کے ساتھ وفاداری یہ ہے کہ اُس پر ایمان لایا جائے، اُس کا حق عظمت ادا کیا جائے، اُس کا علم حاصل کیا جائے، اُس کا علم پھیلایا جائے، اُس پر عمل کیا جائے۔

علیٰ ہذا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خلوص و وفایہ ہے کہ اُن کی تصدیق کی جائے، تعظیم و توقیر کی جائے، اُن سے اُن کی تعلیمات اور اُن کی سنتوں سے محبت کی جائے، اور دل و جان سے اُن کی پیروی و غلامی میں اپنی نجات سمجھی جائے۔

اور ائمہ مسلمین (یعنی مسلمانوں کے سرداروں اور پیشواؤں، حاکموں اور رہنماؤں) کے ساتھ خلوص و وفاداری یہ ہے کہ اُن کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں اُن کی مدد کی جائے، اُن کے ساتھ نیک گمان رکھا جائے، اور اگر اُن سے کوئی غفلت اور غلطی ہوتی نظر آئے تو بہتر طریقہ پر اُس کی اصلاح اور درستگی کی کوشش کی جائے، اچھے مشوروں سے دریغ نہ کیا جائے، اور معروف کی حد تک اُن کی بات مانی جائے۔

اور عام مسلمانوں کے ساتھ خلوص و وفایہ ہے کہ اُن کی ہمدردی و خیر خواہی کا پورا پورا خیال رکھا جائے، اُن کا نفع اپنا نفع اور اُن کا نقصان اپنا نقصان سمجھا جائے، جائز اور ممکن خدمت اور مدد سے دریغ نہ کیا جائے۔ الغرض علیٰ فرق مراتب اُن کے جو حقوق عظمت و شفقت اور خدمت و تعاون کے مقرر ہیں اُن کو ادا کیا جائے۔

اس تفصیل سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے، کہ یہ حدیث کس طرح پورے دین کو حاوی ہے اور دین کے تمام شعبوں کو ان مختصر لفظوں میں کس طرح ادا کر دیا گیا ہے۔ اور اس پر صحیح طور سے عمل کرنا گویا پورے دین پر عمل کرنا ہے۔

تقدیر کا ماننا بھی شرطِ ایمان ہے

[حدیث جبریل کے ضمن میں، اور بعض اور حدیثوں میں بھی تقدیر کا ذکر پہلے آچکا ہے، اور اجمالاً معلوم ہو چکا ہے کہ تقدیر پر ایمان لانا بھی ضروریات میں سے ہے، لیکن یہاں تقدیر کے متعلق چند حدیثیں مستقل طور سے ذکر کی جائیں گی، جن سے اس اہم مسئلہ کی اہمیت اور کچھ تفصیلات بھی معلوم ہو گئی۔]

(۶۳) عَنْ ابْنِ الدِّیْلَمِیِّ قَالَ أَتَيْتُ أَبِيَّ بْنَ كَعْبٍ فَقُلْتُ لَهُ قَدْ وَقَعَ فِي نَفْسِي شَيْءٌ مِنَ الْقَدْرِ فَحَدِّثْنِي لَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يُذْهِبَهُ مِنْ قَلْبِي، فَقَالَ لَوْ أَنَّ اللَّهَ عَذَّبَ أَهْلَ سَمَوَاتِهِ وَأَهْلَ أَرْضِهِ عَذَابَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ وَلَوْ رَحِمَهُمْ كَانَتْ رَحْمَتُهُ خَيْرًا لَهُمْ مِنْ أَعْمَالِهِمْ، وَلَوْ أَنْفَقْتُ مِثْلَ أَحَدِ ذَهَبًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا قَبِلَهُ اللَّهُ مِنْكَ حَتَّى تُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ وَتَعْلَمَ أَنَّ مَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِنَكَ وَأَنَّ مَا أَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبِكَ وَلَوْ مِتُّ عَلَى غَيْرِ هَذَا لَدَخَلْتُ النَّارَ، قَالَ ثُمَّ أَتَيْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ فَقَالَ مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ أَتَيْتُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَحَدَّثَنِي عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ ذَلِكَ

(رواہ احمد و ابو داؤد، و ابن ماجہ)

(ترجمہ) ابن الدیلمی سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں (مشہور صحابی رسول) ابی بن کعبؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا، کہ: تقدیر کے متعلق میرے دل میں کچھ خلجان ساییدہ ہو گیا ہے، لہذا آپ اس کے متعلق کچھ بیان فرمائیں، شاید اللہ تعالیٰ اس خلجان کو میرے دل سے دور کر دے (اور مجھے اس مسئلہ میں اطمینان نصیب ہو جائے)۔ انہوں نے فرمایا: سنو! اگر اللہ تعالیٰ اپنے زمین و آسمان کی ساری مخلوق کو عذاب میں ڈال دے، تو وہ اپنے اس فعل میں ظالم نہ ہوگا، اور اگر وہ ان سب کو اپنی رحمت سے نوازے، تو اسکی یہ رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہوگی، (یعنی ان پر یہ اس کا محض فضل و احسان ہوگا، ان کے اعمال کا واجب حق نہ ہوگا)۔ اور سنو! تقدیر پر ایمان لانا اس قدر ضروری ہے، کہ اگر تم احد پہاڑ کے برابر مونا راہ خدا میں خرچ کر دو، تو اللہ کے یہاں وہ قبول نہ ہوگا جب تک کہ تم تقدیر پر ایمان نہ لاؤ، اور تمہارا پختہ اعتقاد یہ نہ ہو کہ جو کچھ تمہیں پیش آتا ہے، تم کسی طرح اُس سے جھوٹ نہیں سکتے تھے، اور جو حالات تم پر پیش نہیں آتے وہ تم پر آہی نہیں سکتے تھے (یعنی جو کچھ، ہوتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر اور مقرر ہو چکا ہے، اور اس مقررہ پروگرام میں ذرہ برابر تبدیلی بھی ممکن نہیں ہے) اور اگر تم اس کے خلاف اعتقاد رکھتے ہوئے مر گئے، تو یقیناً تم دوزخ میں جاؤ گے۔ ابن الدیلمی کہتے ہیں، کہ ابی بن کعب سے یہ سننے کے بعد میں عبد اللہ بن مسعود کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انھوں نے بھی مجھ سے یہی فرمایا، اسکے بعد میں حذیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انھوں نے بھی مجھ سے یہی فرمایا، پھر میں زید بن ثابت کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انھوں نے یہی بات رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے طور پر مجھ سے بیان فرمائی۔

(مسند احمد، ابو داؤد، ابن ماجہ)

(تشریح) تقدیر کے متعلق ایک عام وسوسہ جس کو شیطان کبھی کبھی بعض ایمان والوں کے

قلوب میں بھی ڈالتا ہے، یہی ہے کہ جب سب کچھ اللہ ہی کی تقدیر سے ہو رہا ہے تو پھر دنیا میں کوئی اچھے حال میں اور کوئی بُرے حال میں کیوں ہے، اور آخرت میں کیوں کسی کو جنت میں اور کسی کو دوزخ میں ڈالا جائے گا!..... اگر کسی صاحب ایمان کے دل میں کبھی یہ وسوسہ آئے، تو اسکے دفع کرنے کی آسان اور مختصر تدبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سارے عالم کا خالق و مالک ہونے کی حیثیت سے تمام بندوں اور ساری مخلوقات پر جو کامل اختیار حاصل ہے اُس کی یاد تازہ کر لی جائے، اور سوچا جائے کہ ایسا لاشریک مالک الملک اور عدم محض سے وجود میں لانے والا خالق و صانع اپنی جس مخلوق کے ساتھ جو معاملہ بھی کرے، بلاشبہ وہ اُس کا حقدار ہے، وہ سب کو عذاب میں مبتلا کرے، تو کسی قانون سے اُس کو ظالم نہیں کہا جاسکتا، اور اگر سب کو رحمت سے نوازے، تو یہ رحمت اُس کی محض بخشش ہی ہوگی، کیونکہ جو نیکوکار لوگ نیک اعمال کرتے ہیں ان کی توفیق دینے والا، اور اعمال کرانے والا بھی وہی ہے..... بہر حال مخلوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی اس خاص حیثیت کو اگر اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے، تو مومن کے دل سے تو یہ شبہ بالکل جاتا رہے گا، اور اُس کو اطمینان ہو جائے گا۔

ابن الدیلمی رحمہ اللہ چونکہ سچے مومن تھے، اور اللہ تعالیٰ کی اس شان پر ایمان و اعتقاد رکھتے تھے، اسلئے ان صحابہ کرام نے اسی کی یاد دہانی کے ذریعہ ان کے وسوسہ کا علاج کیا اور انہیں یہ بھی بتلادیا کہ تقدیر پر ایمان و اعتقاد اتنا ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص اس عقیدے کے بغیر پہاڑ کے برابر سونا بھی راہِ خدا میں خرچ کرے، تو اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول نہیں، اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہوگا۔

بہر حال یہ ملحوظ رہنا چاہئے، کہ اس طریقہ سے صرف اہل ایمان ہی کے اس قسم کے وسوسے کا علاج کیا جاسکتا ہے دوسرے لوگوں کی طرف سے تقدیر کے متعلق جو شبہات کئے جاتے ہیں ان کے جواب کا طریقہ دوسرا ہے، اسکے معلوم کرنے کے لئے علم کلام کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہئے، اور کچھ مختصر اشارات انشاء اللہ آئندہ صفحات میں کئے جائیں گے۔

(۶۳) عَنْ أَبِي حِزَامَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ رُقِيَ نَسْرَتِ قِيَهَا وَدَوَاءً تَتَدَاوَى بِهِ وَتَقَاهُ تَنْفِيهَا هَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدْرِ اللَّهِ شَيْئًا؟ قَالَ هِيَ مِنْ قَدْرِ اللَّهِ.

(رواہ احمد و الترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) ابو حزامہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، کہ انہوں نے بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: کیا ارشاد ہے اس بارہ میں کہ جھاڑ پھونک کے وہ طریقے

جن کو ہم دکھ درد میں استعمال کرتے ہیں، یا دوائیں جن سے ہم اپنا علاج کرتے ہیں، یا مصیبتوں اور تکلیفوں سے بچنے کی وہ تدبیریں جن کو ہم اپنے بچاؤ کے لئے استعمال کرتے ہیں، کیا یہ چیزیں اللہ کی قضاء و قدر کو لوٹا دیتی ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: یہ سب چیزیں بھی اللہ کی تقدیر سے ہیں۔ (مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

(تشریح) رسول اللہ ﷺ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم جن مقاصد کے حاصل کرنے کے لئے جو تدبیریں اور کوششیں کرتے ہیں، اور اس سلسلہ میں جن اسباب کا استعمال کرتے ہیں، وہ سب بھی اللہ کی قضاء و قدر کے ماتحت ہیں، گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی یہ مقدر اور مقرر ہوتا ہے کہ فلاں شخص پر فلاں بیماری آوے گی، اور فلاں قسم کے جھاڑ پھونک، یا فلاں دوا کے استعمال سے وہ اچھا ہو جائے گا..... اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ کے اس نہایت مختصر دو لفظی جواب سے مسئلہ تقدیر کے متعلق بہت سے شبہات اور سوالات کا جواب ہو جاتا ہے۔

(۶۵) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَفْعَدُهُ مِنَ النَّارِ وَمَفْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا تَتَكَلَّمُ عَلَى كِتَابِنَا وَنَدْعُ الْعَمَلُ؟ قَالَ إِعْمَلُوا فِكُلُّ مَيْسَرٍ لِمَا خُلِقَ لَهُ أَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَسَيُسَرُّ لِعَمَلِ السَّعَادَةِ وَأَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ فَسَيُسَرُّ لِعَمَلِ الشَّقَاوَةِ ثُمَّ قَرَأَ، ”فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَى“ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَى“ (رواه البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے ہر ایک کا ٹھکانا دوزخ کا اور جنت کا لکھا جا چکا ہے (مطلب یہ ہے کہ جو شخص دوزخ میں یا جنت میں جہاں بھی جائے گا، اس کی وہ جگہ پہلے سے مقدر اور مقرر ہو چکی ہے)۔“ صحابہ نے عرض کیا: تو کیا ہم اپنے اس نوحۂ تقدیر پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں، اور سعی و عمل چھوڑ نہ دیں (مطلب یہ ہے کہ جب سب کچھ پہلے ہی سے طے شدہ اور لکھا ہوا ہے، تو پھر ہم سعی و عمل کی درد سری کیوں مول لیں)۔ آپ نے فرمایا: ”نہیں! عمل کئے جاؤ، کیونکہ ہر ایک کو اسی کی توفیق ملتی ہے جس کیلئے وہ پیدا ہوا ہے، پس جو کوئی نیک بختوں میں سے ہے تو اس کو سعادت اور نیک بختی کے کاموں کی توفیق ملتی ہے، اور جو کوئی بد بختوں میں سے ہے اس کو

شقاوت اور بد بختی والے اعمال بدہی کی توفیق ملتی ہے، اسکے بعد رسول اللہ ﷺ نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ
بِالْحُسْنَىٰ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ
وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ وَكَذَّبَ
بِالْحُسْنَىٰ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ ۝

(واللیل)
جس نے بخل سے کام لیا، اور مغرور و بے پرواہ رہا، اور اچھی بات کو یعنی دعوت ایمان کو جھٹلایا، تو اسکے واسطے ہم تکلیف کی اور دشواری والی زندگی (یعنی دوزخ) کی طرف چلنا آسان کر دیں گے۔

(تشریح) رسول اللہ ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ ہر شخص کے لئے اس کا آخری ٹھکانہ دوزخ یا جنت میں پہلے سے مقرر ہو چکا ہے، لیکن اچھے یا برے اعمال سے وہاں تک پہنچنے کا راستہ بھی پہلے سے مقرر ہے، اور تقدیر الہی میں یہ بھی طے ہو چکا ہے کہ جو جنت میں جائے گا، وہ اپنے فلاں فلاں اعمال خیر کے راستے جائے گا، اور جو جہنم میں جائے گا وہ اپنی فلاں فلاں بد اعمالیوں کی وجہ سے جائے گا، پس جنتیوں کے لئے اعمال خیر اور دوزخیوں کے لئے اعمال بد بھی مقدور و مقرر ہیں، اور اسلئے ناگزیر ہیں، حضور ﷺ کے اس جواب کا حاصل بھی قریب قریب وہی ہے، جو اوپر والی حدیث میں آپ کے جواب کا تھا۔ ابھی عنقریب اس مضمون کی کچھ اور وضاحت اور تفصیل بھی کی جائے گی۔

(۶۶) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ شَيْءٍ بِقَدَرٍ حَتَّى الْعَجْزُ وَالْكِبْسُ.

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہر چیز تقدیر سے ہے، یہاں تک کہ آدمی کا ناکارہ اور ناقابل ہونا، اور قابل ہو شیار ہونا بھی تقدیر ہی سے ہے۔“ (مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ آدمی کی صفات قابلیت و ناقابلیت، صلاحیت و عدم صلاحیت، اور عقلمندی و بیوقوفی وغیرہ بھی اللہ کی تقدیر ہی سے ہیں، الغرض اس دنیا میں جو کوئی جیسا، اور جس حالت میں ہے وہ اللہ کی قضاء و قدر کے ماتحت ہے۔

(۶۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَتَنَازَعُ فِي الْقَدْرِ فَغَضِبَ حَتَّى احْمَرَّتْ وَجْهُهُ حَتَّى كَانَمَا فُقِئَ فِي وَجْتِهِ حَبُّ الرُّمَانِ فَقَالَ أَبْهَذَا أُمِرْتُمْ أَمْ بِهَذَا أُرْسِلْتُ إِلَيْكُمْ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حِينَ تَنَازَعُوا فِي هَذَا لِأَمْرِ، عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ أَنْ لَا تَنَازَعُوا فِيهِ.

(رواه الترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم لوگ (مسجد نبوی میں بیٹھے) قضاء و قدر کے مسئلہ میں بحث مباحثہ کر رہے تھے، کہ اسی حال میں رسول اللہ ﷺ باہر سے تشریف لے آئے (اور ہم کو یہ بحث کرتے دیکھا) تو آپ بہت برا فروختہ اور غضبناک ہوئے، یہاں تک کہ چہرہ مبارک سرخ ہو گیا، اور اس قدر سرخ ہوا کہ معلوم ہوتا تھا آپ کے رخساروں پر انار پھونچ دیا گیا ہے۔ پھر آپ نے ہم سے فرمایا: کیا تم کو یہی حکم کیا گیا ہے، کیا میں تمہارے لئے یہی پیام لایا ہوں (کہ تم قضاء و قدر کے جیسے اہم اور نازک مسئلوں میں بحث کرو)۔ خبردار! تم سے پہلی امتیں اسی وقت ہلاک ہوئیں جبکہ انہوں نے اس مسئلہ میں حجت و بحث کو اپنا طریقہ بنالیا۔ میں تم کو قسم دیتا ہوں، میں تم پر لازم کرتا ہوں، کہ اس مسئلہ میں ہرگز حجت اور بحث نہ کیا کرو۔ (ترمذی)

(تشریح) قضاء و قدر کا مسئلہ بلاشبہ مشکل و نازک مسئلہ ہے، لہذا مومن کو چاہئے کہ اگر یہ مسئلہ اس کی سمجھ میں نہ آئے، تو بحث اور حجت نہ کرے، بلکہ اپنے دل و دماغ کو اس پر مطمئن کر لے کہ اللہ کے صادق و مصدوق رسول نے اس مسئلہ کو اسی طرح بیان فرمایا ہے، لہذا ہم اس پر ایمان لائے۔ تقدیر کا مسئلہ تو اللہ تعالیٰ کی صفات سے تعلق رکھتا ہے، اس لئے اس کو نازک اور مشکل ہونا ہی چاہئے، ہمارا حال تو یہ ہے کہ اسی دنیا کے بہت سے معاملات اور بہت سے رازوں کو ہم میں سے بہت سے نہیں سمجھ سکتے، پس جب اللہ کے سچے پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے ایک حقیقت بیان فرمادی (جس کا پوری طرح سمجھ لینا سب کے لئے آسان نہیں ہے) تو جن لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے، اُن کے لئے بھی ایمان لانے کے بعد صحیح طریق کار یہی ہے کہ وہ اُسکے بارے میں کوئی بحث اور کٹ جتنی نہ کریں، بلکہ اپنے قبول اور اپنے ذہن کی نارسائی کا اعتراف کرتے ہوئے اس پر ایمان لائیں۔

رسول اللہ ﷺ کے سخت غصہ اور جلال کی وجہ غالباً یہ تھی، کہ حضرات آپ کی تعلیم و تربیت میں تھے، اور آپ سے براہ راست دین حاصل کر رہے تھے، ان کو جب آپ نے اس غلطی میں مبتلا دیکھا، تو قلبی تعلق رکھنے والے معلم و مربی کی طرح آپ کو سخت غصہ آیا۔

اس موقع پر آپ نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ: ”تم سے پہلی امتیں اسی وقت ہلاک ہوئیں جبکہ انہوں نے اس مسئلہ میں حجت و بحث کا طریقہ اختیار کیا۔“ تو یہاں امتوں کے ہلاک ہونے سے مراد غالباً اُن کی گمراہی ہے، قرآن و حدیث میں ہلاکت کا لفظ گمراہی کے لئے بکثرت استعمال ہوا ہے، اس بنا پر آپ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ اگلی امتوں میں اعتقادی گمراہیاں اُس وقت آئیں، جبکہ انہوں نے اس مسئلہ کو حجت و بحث کا موضوع بنایا۔ تاریخ شاہد ہے کہ امت محمدیہ میں بھی اعتقادی گمراہیوں کا سلسلہ اسی مسئلہ سے شروع ہوا ہے۔

یہ واضح رہے کہ اس حدیث میں ممانعت حجت اور نزاع سے فرمائی گئی ہے، پس اگر کوئی شخص تقدیر کے مسئلہ پر ایک مومن کی طرح قطعی ایمان رکھتے ہوئے صرف اطمینان قلبی کے لئے اس مسئلہ کے بارے میں کسی اہل سے سوال کرے، تو اس کی ممانعت نہیں ہے۔

اس سے پہلی دو حدیثوں میں خود رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہ کرام کے سوال کے جواب ہی میں اس مسئلہ کے بعض پہلوؤں کو خود سمجھایا ہے۔

(۶۸) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اللَّهُ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ قَالَ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ.

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی ہیں، اور فرمایا کہ اس کا عرش پانی پر تھا۔

(تشریح) اس حدیث میں چند چیزیں غور طلب ہیں: اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کے تقدیر لکھنے سے کیا مراد ہے؟ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ تو ہے نہیں، کہ جس طرح ہم انسان ہاتھ میں قلم لے کے کاغذ یا تختی پر کچھ لکھتے ہیں، ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے لکھا ہو، ایسا خیال کرنا اللہ تعالیٰ کی شانِ اقدس سے ناواقفی ہے، دراصل اللہ تعالیٰ کے افعال و صفات کی حقیقت اور کیفیت کے ادراک سے ہم قاصر ہیں، اور چونکہ اس کے لئے الگ کوئی زبان اور لغت نہیں ہے، اس لئے ہم مجبوراً انہیں الفاظ سے اسکے افعال و صفات کی تعبیر کرتے ہیں جو دراصل ہمارے افعال و صفات کے لئے وضع کے گئے ہیں، ورنہ اُسکے اور ہمارے افعال و صفات کی حقیقت اور کیفیت میں اتنا ہی فرق ہے، جتنا کہ اس کی عالی ذات اور ہماری ذاتوں میں ہے۔

بہر حال، اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اس حدیث میں جس کتبہ تقدیر کا ذکر کیا گیا ہے، اس کی

حقیقت اور نوعیت کیا ہے، علاوہ ازیں یہ بھی واقعہ ہے کہ عربی زبان میں کسی چیز کے طے کر دینے اور معین و مقرر کر دینے کو بھی کتابت سے تعبیر کیا جاتا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں اسی معنی کے اعتبار سے روزہ کی فرضیت کو ”کُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ“ سے اور قصاص کے حکم کو ”کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ“ سے تعبیر کیا گیا ہے، پس اگر حدیث مذکور میں بھی کتابت سے یہی مراد ہو تو مطلب یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں معین کیں، اور جو کچھ ہونا ہے اُس کو مقرر فرمایا۔ اس معنی کا ایک قرینہ یہ بھی ہے، کہ بعض روایات میں بجائے ”کُتِبَ“ کے ”قَدِّرَ“ کا لفظ بھی آیا ہے۔

اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے، کہ کتابت تقدیر کے سلسلے کی بعض غیر معتبر روایتوں میں قلم اور لوح وغیرہ سے متعلق جو تفصیلات نقل کی گئی ہیں، وہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں، رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث میں ان کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

دوسری بات اس حدیث سے متعلق یہ بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ پچاس ہزار برس سے مراد بہت طویل زمانہ بھی ہو سکتا ہے، عربی زبان اور عربی محاورے میں یہ استعمال شائع ذائع ہے۔ حدیث کے آخر میں فرمایا گیا ہے، کہ: ”اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ، عرش اور پانی اُس وقت پیدا کئے جا چکے تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ: جس طرح ہماری قوت خیالیہ میں ہزاروں چیزوں کی صورتیں، اور ان کے متعلق معلومات جمع رہتی ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عرش کی قوتوں میں سے کسی خاص قوت میں (جس کو ہماری قوت خیالیہ کے مشابہ سمجھنا چاہئے) تمام مخلوقات اور ان کے تمام احوال اور حرکات و سکنات کو، غرض جو کچھ عالم وجود میں آنے والا ہے اس سب کو عرش کی اس قوت میں ثبت فرمادیا، گویا دنیا کے پردے پر جو کچھ ہو رہا ہے، وہ سب عرش کی اس قوت میں اسی طرح موجود و محفوظ ہے جس طرح ہمارے خیال میں لاکھوں صورتیں اور ان کے متعلق معلومات ہوتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ کے نزدیک تمام مخلوقات کی تقدیر لکھنے سے یہی مراد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۶۹) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ إِنَّ خَلْقَ أَحَدِكُمْ يُجْمَعُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا نُطْفَةُ ثُمَّ

يَكُونُ عِلْقَةً مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ يَنْعَثُ اللَّهُ إِلَيْهِ مَلَكًا
بَارِعَ كَلِمَاتٍ فَيَكْتُبُ عَمَلَهُ وَآجَلَهُ وَرِزْقَهُ وَشَقِيَّ أَوْ سَعِيدَ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيهِ الرُّوحُ
فَوَالَّذِي لَا إِلَهَ غَيْرُهُ إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلٍ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ
وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا وَإِنْ
أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ
عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا. (رواه البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ اللہ کے صادق و مصدوق پیغمبر ﷺ نے ہم سے بیان فرمایا: ”تم میں سے ہر ایک کا مادہ تخلیق اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس روز تک نطفہ کی شکل میں جمع رہتا ہے (یعنی پہلے چلہ میں کوئی غیر معمولی تغیر نہیں ہوتا، صرف خون میں کچھ غلظت آ جاتی ہے، اسی کو ”نطفہ“ کہا گیا ہے) پھر اسکے بعد اتنی ہی مدت محمد خون کی شکل میں رہتا ہے، پھر اتنے ہی دنوں وہ گوشت کا لو تھڑا رہتا ہے (اور اسی مدت میں اعضاء کی تشکیل اور ہڈیوں کی بناوٹ بھی شروع ہو جاتی ہے) پھر اللہ تعالیٰ (مندرجہ ذیل) چار باتیں لے کر ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے، یہ فرشتہ اسکے اعمال اسکی مدت عمر اور وقت موت، اور اس کا رزق لکھتا ہے، اور یہ کہ بد بخت ہے یا نیک بخت، پھر اس میں روح ڈالی جاتی ہے۔ پس قسم اُس ذات کی جس کے سوا کوئی عبادت و بندگی کے لائق نہیں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص جنتیوں کے سے عمل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر نوشتہ تقدیر آگے آ جاتا ہے، اور وہ دوزخیوں کے عمل کرنے لگتا ہے، اور انجام کار دوزخ میں چلا جاتا ہے۔ اور (اسی طرح کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ) تم میں سے کوئی دوزخیوں کے سے عمل کرنے لگتا ہے، یہاں تک کہ اسکے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر نوشتہ تقدیر آگے آ جاتا ہے، اور وہ جنتیوں کے عمل کرنے لگتا ہے، اور جنت میں پہنچ جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں دو مضمون بیان فرمائے گئے ہیں، شروع میں تو تخلیق انسانی کے ان چند مرحلوں کا ذکر ہے جس نے انسان نطفہ روح تک رحم مادر میں گزرتا ہے، (اور غالباً ان مرحلوں کا ذکر فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا فرشتہ نطفہ روح کے وقت پر پیدا ہونے والے انسان کے متعلق لکھتا ہے، جس میں اسکے اعمال، اس کی مدت حیات اور وقت موت، اور روزی اور نیک بختی یا بد بختی کی تفصیل ہوتی ہے، حدیث کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضور ﷺ کا

خاص منشاء اسی نوشتہ کے متعلق یہ بیان فرمانا ہے، کہ یہ ایسا قطعی اور اٹل ہوتا ہے کہ ایک شخص جو اس نوشتہ میں دوزخیوں میں لکھا ہوتا ہے، بسا اوقات وہ ایک مدت تک جنتیوں کی سی پاکبازانہ زندگی گزارتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ جنت سے بہت ہی قریب ہوتا جاتا ہے لیکن پھر ایک دم اُسکے رویہ میں تبدیلی ہوتی ہے، اور وہ دوزخ میں لے جانے والے بُرے اعمال کرنے لگتا ہے، اور اسی حال میں مر کر بالآخر دوزخ میں چلا جاتا ہے، اور اُسکے برعکس ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی جو فرشتہ کے نوشتہ میں اہل جنت میں لکھا ہوتا ہے، وہ ایک عرصہ تک دوزخیوں کی سی زندگی گزارتا رہتا ہے، اور دوزخ کے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ اُسکے اور دوزخ کے درمیان گویا ایک ہاتھ سے زیادہ فاصلہ نہیں رہتا لیکن پھر ایک دم وہ سنبھل جاتا ہے، اور اہل جنت کے اعمال صالحہ کرنے لگتا ہے، اور اسی حال میں مر کر جنت میں پہلا جاتا ہے۔

اس حدیث کا خاص سبق یہ ہے کہ کسی کو بد اعمالیوں میں مبتلا دیکھ کر اُسکے قطعی دوزخی ہونے کا حکم نہ لگانا چاہئے، کیا معلوم زندگی کے باقی حصے میں اس کا رخ اور رویہ کیا ہونے والا ہے، اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آج اعمال خیر کی توفیق کسی کو مل رہی ہے تو اس پر اسکو مطمئن نہ ہو جانا چاہئے، بلکہ برابر حسن خاتمہ کے لئے فکر مند رہنا چاہئے۔

(۷۰) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ قُلُوبَ بَنِي آدَمَ كُلُّهَا بَيْنَ أَصَابِعِ الرَّحْمَنِ كَقَلْبٍ وَاحِدٍ يُصَرِّفُهُ كَيْفَ يَشَاءُ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللَّهُمَّ مُصَرِّفِ الْقُلُوبِ صَرِّفْ قُلُوبَنَا عَلَى طَاعَتِكَ. (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بنی آدم کے تمام قلوب اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں، ایک دل کی طرح، وہ جس طرح (اور جس طرف) چاہتا ہے اس کو پھیر دیتا ہے۔“ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اے دلوں کے پھیرنے والے، ہمارے دل اپنی اطاعت و بندگی کی طرف پھیر دے۔“

(تشریح) ابھی اوپر بتلایا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال و صفات کو سمجھنے سمجھانے کے لئے چونکہ الگ کوئی زبان نہیں ہے، اسلئے مجبوراً اُسکے لئے بھی ان ہی الفاظ و محاورات کا استعمال کیا جاتا ہے، جو دراصل انسانی افعال و صفات کے لئے وضع کئے گئے ہیں، چنانچہ اس حدیث میں جو کہا گیا ہے، کہ بنی آدم کے قلوب اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، تو اس کا مطلب صرف یہی

ہے کہ انسانوں کے دل اللہ تعالیٰ کے اختیار اور اسکے قبضہ تصرف میں ہیں، وہی جدھر چاہتا ہے انہیں پھیر دیتا ہے۔ اور حدیث کی یہ تعبیر بالکل ایسی ہے جیسے کہ ہمارے محاورے میں کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص تو بالکل میری مٹھی میں ہے۔ مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ بالکل میرے اختیار میں ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہمارے دلوں کو بھی اللہ ہی جدھر چاہتا ہے پھیرتا ہے۔

مندرجہ بالا حدیثوں سے تقدیر کے متعلق چند باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں مقدر فرمادیں، اور جو کچھ ہونا ہے گویا وہ سب بالتفصیل لکھ دیا۔

(۲) انسان جب رحم مادر میں ہوتا ہے اور اس پر تین چلے گزر جاتے ہیں، اور نفع و روح کا وقت آتا ہے تو اللہ کا مقرر کیا ہوا فرشتہ اسکے متعلق چار باتیں لکھتا ہے۔ اسکی مدت عمر، اسکے اعمال، اسکا رزق، اور اس کا نیک بخت یا بد بخت ہونا۔

(۳) ہمارے دلوں کو بھی اللہ تعالیٰ ہی جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔

دراصل تقدیر الہی کے یہ مختلف درجے اور مختلف مظاہر ہیں، اور حقیقی ازلی تقدیر ان سب سے سابق ہے، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تقدیر الہی کے ان مختلف مدارج اور مظاہر کو بہت سلجھا کر بیان فرمایا ہے، ذیل میں ہم ان کے کلام کا خلاصہ درج کرتے ہیں:

تقدیر کے مختلف مدارج:

(۱) ازل میں جبکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ بھی نہ تھا، زمین و آسمان، ہوا پانی، عرش و کرسی میں سے کوئی چیز بھی پیدا نہ کی گئی تھی (كَانَ اللَّهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ شَيْءٌ) تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کو بعد میں پیدا ہونے والی اس ساری کائنات کا پورا پورا علم تھا۔ پس اس دور ازل ہی میں اسنے ارادہ اور فیصلہ کیا، کہ اس تفصیل اور ترتیب کے مطابق جو میرے علم میں ہے، میں عالم کو پیدا کروں گا، اور اس میں یہ یہ واقعات پیش آئیں گے۔ الغرض آئندہ وجود میں آنے والے عالم کے متعلق جو تفصیل و ترتیب اسکے ازلی علم میں تھی، اسنے ازل ہی میں طے فرمایا، کہ میں اس سب کو وجود میں لاؤں گا۔ پس یہ طے فرمانا ہی تقدیر کا پہلا مرتبہ اور پہلا ظہور ہے۔

(۲) پھر ایک وقت آیا، جبکہ پانی اور عرش پیدا کئے جا چکے تھے، مگر زمین و آسمان پیدا نہ ہوئے

تھے۔ (بلکہ حدیث نمبر ۶۸ کی تصریح کے مطابق زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے) اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کی تقدیریں پہلی ازلی تقدیر کے مطابق لکھ دیں، (جس کی حقیقت حضرت شاہ ولی اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ: عرش کی قوت خیالیہ میں تمام مخلوق کی تفصیلی تقدیر منعکس کر دی اور اس طرح عرش اس تقدیر کا حامل ہو گیا) یہ تقدیر کا دوسرا درجہ اور دوسرا ظہور ہوا۔

(۳) پھر ہر انسان کی تخلیق جب رحم مادر میں شروع ہوتی ہے، اور تین چلے گزر جانے پر جب اُس میں روح ڈالنے کا وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا فرشتہ اللہ تعالیٰ ہی سے علم حاصل کر کے اسکے متعلق ایک تقدیری نوشتہ مرتب کرتا ہے، جس میں اس کی مدت حیات، اعمال، رزق اور شقاوت یا سعادت کی تفصیل ہوتی ہے، یہ نوشتہ تقدیر کا تیسرا درجہ اور تیسرا ظہور ہے۔

(۴) پھر انسان جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے وہ اس کو کرتا ہے، جیسا کہ حدیث نمبر ۷۰ میں فرمایا، کہ انسانوں کے سب دل اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں، وہ جدھر چاہتا ہے انہیں پھیرتا ہے، پس یہ تقدیر کا چوتھا درجہ اور چوتھا ظہور ہے۔ اگر اس تفصیل کو ملحوظ رکھا جائے تو تقدیر کے سلسلہ کی مختلف احادیث کے مطالب و محامل کے سمجھنے میں انشاء اللہ مشکل پیش نہ آئے گی۔

مسئلہ تقدیر سے متعلق بعض شبہات کا ازالہ:

بہت سے لوگوں کو کم فہمی یا فہمی سے تقدیر کے متعلق جو شبہات ہوتے ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر اُن کے متعلق بھی کچھ عرض کر دیا جائے۔ اس مسئلہ میں مندرجہ ذیل تین اشکال مشہور ہیں۔

اول یہ کہ دنیا میں اچھا بُرا جو کچھ ہوتا ہے، اگر یہ سب اللہ ہی کی تقدیر سے ہے، اور اللہ ہی نے اس کو مقدر کیا ہے تو پھر اچھائیوں کے ساتھ تمام بُرائیوں کی ذمہ داری بھی (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ پر آئے گی۔

دوسرا یہ، کہ جب سب کچھ پہلے سے من جانب اللہ مقدور ہو چکا ہے، اور اس کی تقدیر اٹل ہے، تو بندے اسی کے مطابق کرنے پر مجبور ہیں، لہذا انہیں کوئی جزا سزا نہ ملنی چاہئے۔ تیسرا شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ جو کچھ ہونا ہے جب وہ سب پہلے سے مقدر ہی ہو چکا ہے اور

اسکے خلاف کچھ ہو ہی نہیں سکتا ہے، تو پھر کسی مقصد کے لئے کچھ کرنے دھرنے کی ضرورت ہی نہیں لہذا دنیا یا آخرت کے کسی کام کے لئے محنت اور کوشش فضول ہے۔
لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا، کہ یہ تینوں شعبے تقدیر کے غلط اور ناقص تصور سے پیدا ہوتے ہیں۔

عرض کیا جا چکا ہے کہ اللہ کی تقدیر اسکے علم ازل کے مطابق، اور اس کا رخانہ عالم میں جو کچھ جس طرح اور جس صفت کے ساتھ اور جس سلسلہ سے ہو رہا ہے وہ بالکل اسی طرح، اور اسی صفت اور اسی سلسلہ کیساتھ اسکے علم ازل میں تھا، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو مقدر فرمادیا ہے۔

اور ہم میں سے جو شخص بھی اپنے اعمال و افعال پر غور کرے گا، وہ بغیر کسی شک شبہ کے اس حقیقت کو محسوس کرے گا کہ اس دنیا میں ہم جو بھی اچھے یا بُرے عمل کرتے ہیں، وہ اپنے ارادے اور اختیار سے کرتے ہیں، ہر کام کے کرنے کے وقت اگر ہم غور کریں تو بدیہی اور یقینی طور پر محسوس ہوگا، کہ ہم کو یہ قدرت حاصل ہے، کہ چاہیں تو اس کو کریں، اور چاہیں تو نہ کریں، پھر اس قدرت کے باوجود ہم اپنے خدا و ارادے اور اختیار سے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں، اور اسی فیصلے کے مطابق عمل ہوتا ہے پس اس عالم میں جس طرح ہم اپنے ارادہ اور اختیار سے اپنے تمام کام کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو ازل میں اسی طرح ان کا علم تھا، اور پھر اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو مقدر فرمایا، اور اس پورے سلسلے کے وجود کا فیصلہ فرمادیا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے صرف ہمارے اعمال ہی کو مقدر نہیں فرمایا ہے، بلکہ جس ارادہ اور اختیار سے ہم عمل کرتے ہیں وہ بھی تقدیر میں آچکا ہے، گویا تقدیر میں صرف یہی نہیں ہے، کہ فلاں شخص فلاں اچھا یا بُرا کام کریگا، بلکہ تقدیر میں یہ پوری بات ہے، کہ فلاں شخص اپنے ارادہ و اختیار سے ایسا کرے گا، پھر اس سے یہ نتائج پیدا ہوں گے، پھر اُس کو یہ جزا یا سزا ملے گی۔

الغرض ہم کو اعمال میں جو ایک گونہ خود اختیاری اور خود ارادیت حاصل ہے، جسکی بناء پر ہم کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں، وہ بھی تقدیر میں ہے، اور ہمارے اعمال کی ذمہ داری اُسی پر ہے، اور اُسی کی بناء پر انسان مکلف ہے، اور اسی پر جزا و سزا کی بنیاد ہے۔

بہر حال تقدیر نے اس خود اختیاری اور خود ارادیت کو باطل اور ختم نہیں کیا، بلکہ اس کو اور زیادہ ثابت اور مستحکم کر دیا ہے، لہذا تقدیر کی وجہ سے نہ تو ہم مجبور ہیں، اور نہ ہمارے اعمال کی ذمہ داری

اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے۔

ایسے ہی جن مقاصد کے لئے ہم جو کوششیں اور جو تدبیریں اس دنیا میں کرتے ہیں، تقدیر میں بھی ہمارے ان مقاصد کو ان ہی تدبیروں اور کوششوں سے وابستہ کیا گیا ہے۔
الغرض تقدیر میں صرف یہ نہیں ہے کہ فلاں شخص کو فلاں چیز حاصل ہو جائے گی، بلکہ جس کوشش اور جس تدبیر سے وہ چیز اس دنیا میں حاصل ہونے والی ہوتی ہے، تقدیر میں بھی وہ اسی تدبیر سے بندھی ہوئی ہے۔

بہر حال جیسا کہ عرض کیا گیا تقدیر میں اسباب و مسببات کا پورا سلسلہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح کہ اس دنیا میں ہے۔ پس یہ خیال کرنا کہ تقدیر میں جو کچھ ہے وہ آپ سے آپ مل جائیگا، اور اس بناء پر اس عالم اسباب کی کوششوں اور تدبیروں سے دست بردار ہونا اور دراصل تقدیر کی حقیقت سے ناواقفی ہے۔ حدیث نمبر ۶۴، ۶۵ میں بعض صحابہ کے سوالات کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کا حاصل بھی یہی ہے۔

الغرض اگر تقدیر کی پوری حقیقت سامنے رکھ لی جائے، تو انشاء اللہ اس قسم کا کوئی شبہ بھی پیدا نہ ہوگا۔

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

مرنے کے بعد! برزخ۔ قیامت۔ آخرت

چند اصولی باتیں:

مابعد الموت کے سلسلہ کی حدیثیں پڑھنے اور اُن کے مطالب سمجھنے سے پہلے چند اصولی باتیں ذہن نشین کر لینی چاہئیں، ان باتوں کے مستحضر کر لینے کے بعد ان حدیثوں کے مضامین کے متعلق وہ وسوسے، اور شبہات انشاء اللہ پیدا نہ ہوں گے، جو حقیقت ناشناسی کی وجہ سے بہت سے دلوں میں اس زمانہ میں پیدا ہوتے ہیں

(۱) انبیاء علیہم السلام کا خاص کام (جس کے لئے وہ مبعوث ہوتے ہیں) ہمیں ان باتوں کا بتلانا ہے، جن کے ہم ضرورت مند تو ہیں لیکن اپنے عقل و حواس سے بطور خود ہم ان کو نہیں جان سکتے، یعنی وہ ہماری عقل کی دسترس سے باہر ہیں۔

(۲) انبیاء علیہم السلام کے لئے یقینی علم کا ایک خاص ذریعہ جو دوسرے عام انسانوں کے پاس نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی وحی ہے، ان کو اسی ذریعہ سے ان چیزوں کا علم ہوتا ہے، جس کو ہم اپنی آنکھوں کا نور سے اور اپنی عقل و فہم سے دریافت نہیں کر سکتے، جس طرح دور بین رکھنے والا آدمی بہت دور کی وہ چیزیں دیکھ لیتا ہے، جن کو عام آدمی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتے۔

(۳) کسی نبی کو نبی مان لینے، اور اس پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہی ہوتا ہے کہ ہم نے اس بات کو تسلیم کر لیا، اور پورے یقین کے ساتھ ان کو مان لیا اور قبول کر لیا، کہ وہ ایسی جو بات بتلاتا ہے جس کو ہم خود نہیں جانتے، اور نہیں دیکھتے، وہ اللہ کی وحی سے اس کا علم حاصل کر کے ہمیں بتلاتا ہے، اور وہ سب حرف بحرف صحیح ہے، اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

(۴) انبیاء علیہم السلام کبھی کوئی ایسی بات نہیں کہتے، جو عقلاً ناممکن اور محال ہو، ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ ہماری عقل اور ہمارے حواس بطور خود اس کو سمجھ لینے سے عاجز اور قاصر ہوں، بلکہ ایسا ہونا ضروری ہے، اگر انبیاء علیہم السلام صرف وہی باتیں بتلائیں جن کو ہم خود ہی غور و فکر سے معلوم کر سکتے ہوں، تو پھر اُن کی ضرورت ہی کیا ہے۔

(۵) انبیاء علیہم السلام نے مابعد الموت یعنی عالم برزخ (عالم قبر) اور عالم آخرت کے متعلق جو کچھ بتلایا ہے اس میں کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جو عقلاً ناممکن اور محال ہو، ہاں ایسی چیزیں ضرور ہیں جن کو ہم اپنے غور و فکر سے از خود نہیں جان سکتے اور اس دنیا میں ان چیزوں کے نمونے نہ ہونے کی وجہ سے ہم ان کو اس طرح سمجھ بھی نہیں سکتے، جس طرح اس دنیا کی دیکھی بھالی چیزوں کو سمجھ لیتے ہیں۔

(۶) علم کے جو عام فطری ذریعے اور وسیلے ہمیں دیئے گئے ہیں، مثلاً آنکھ، ناک، کان، عقل و فہم، ظاہر ہے کہ ان کی طاقت اور ان کا دائرہ عمل بہت محدود ہے، اور ہم دیکھتے ہیں کہ جدید آلات کی خارجی مدد سے ان کے ذریعہ بہت سی وہ چیزیں ہمارے علم میں آجاتی ہیں جن کا پہلے کبھی تصور بھی نہیں کیا جاتا تھا۔ مثلاً پانی میں یا خون میں جو جراثیم پائے جاتے ہیں، اب خوردبین کی مدد سے آنکھ ان کو دیکھ لیتی ہے، ریڈیو کی مدد سے کان ہزاروں میل دور تک کی آواز سن لیتے ہیں، اسی طرح کتابی معلومات کی مدد سے پڑھے لکھے انسان کی عقل اس سے زیادہ سوچ لیتی ہے، جتنا کہ آنکھ کان کے ذریعہ حاصل شدہ معلومات کی مدد سے سوچ سکتی تھی۔ اس تجربے سے معلوم ہوا کہ کسی حقیقت کا صرف اس بنیاد پر انکار کر دینا کہ آج ہم اس کو نہیں دیکھتے، نہیں سنتے، یا ہماری عقل اس کو نہیں سمجھتی، بڑی بے عقلی کی بات ہے۔ وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا

(۷) انسان دو چیزوں سے مرکب ہے ایک جسم جو ظاہر ہے اور نظر آتا ہے، دوسری روح جو اگرچہ آنکھوں سے نظر نہیں آتی، لیکن اسکے ہونے کا ہم سب کو یقین ہے، پھر انسان کے ان دونوں جزوں کا باہمی تعلق اس دنیا میں اس طرح ہے کہ تکلیف و مصیبت، یاراحت و لذت کی جو کیفیت یہاں آتی ہے وہ براہ راست جسم پر آتی ہے، اور روح اس سے تبعاً متاثر ہوتی ہے، مثلاً: انسان کو چوٹ لگتی ہے، وہ زخمی ہوتا ہے، یا مثلاً وہ کہیں آگ سے جل جاتا ہے، تو ظاہر ہے کہ چوٹ اور آگ کا تعلق براہ راست اسکے جسم سے ہوتا ہے، لیکن اسکے اثر سے روح کو بھی دکھ ہوتا ہے، اسی طرح کھانے پینے سے جو لذت حاصل ہوتی ہے وہ بھی براہ راست جسم ہی کو ہوتی ہے، لیکن روح بھی اس سے لذت حاصل کرتی ہے۔

الغرض اس دنیا میں انسان کے وجود اور اسکے حالات میں گویا جسم اصل ہے اور روح اسکے تابع ہے، لیکن قرآن و حدیث میں عالم برزخ کے متعلق جو کچھ بتلایا گیا ہے اس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں معاملہ اس کے برعکس ہوگا، یعنی اس عالم میں جس پر جو اچھی بری

واردات ہوگی وہ براہ راست اس کی روح پر ہوگی، اور جسم اس سے تبعاً متاثر ہوگا، اللہ تعالیٰ نے (شاید اسی لئے کہ اس حقیقت کا سمجھنا ہمارے لئے آسان ہو جائے) اس دنیا میں بھی اس کا ایک نمونہ پیدا کر دیا ہے، اور وہ عالم رویا یعنی خواب ہے، عقل و ہوش رکھنے والا ہر انسان اپنی زندگی میں بار بار ایسے خواب دیکھتا ہے جن میں اس کو بڑی لذت ملتی ہے، یا بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن خواب میں یہ لذت یا تکلیف براہ راست دراصل روح کے لئے ہوتی ہے اور جسم تبعاً اس سے متاثر ہوتا ہے یعنی خواب میں آدمی مثلاً جب یہ دیکھتا ہے کہ وہ کوئی لذیذ کھانا کھا رہا ہے، تو صرف یہ ہی نہیں دیکھتا کہ میری روح ہی کھا رہی ہے، یا خیالی قوت ہی کھا رہی ہے، بلکہ اس وقت وہ یہی دیکھتا ہے کہ بیداری کی طرح وہ اپنے اس جسم والے منہ سے کھا رہا ہے جس سے روزانہ کھایا کرتا ہے۔ اسی طرح خواب میں اگر وہ یہ دیکھتا ہے کہ کسی نے اس کو مارا، تو وہ یہ نہیں دیکھتا، کہ اس کی روح کو مارا گیا، بلکہ وہ اس وقت یہی دیکھتا ہے، کہ مارا اسکے جسم پر پڑی ہے اور اسکے جسم پر اس وقت ویسی ہی چوٹ لگی، جیسی بیداری میں مار پڑنے سے لگتی ہے، حالانکہ واقعہ میں جو کچھ گذرتا ہے وہ خواب میں دراصل روح پر گذرتا ہے، اور جسم اس سے تبعاً متاثر ہوتا ہے، البتہ کبھی کبھی جسم کا یہ تاثر اتنا محسوس ہو جاتا ہے کہ آدمی بیدار ہونے کے بعد جسم پر اسکے نشانات اور اثرات بھی پاتا ہے۔ الغرض نیند کی حالت میں اچھے یا برے خواب دیکھنے والے شخص پر جو کچھ گذرتا ہے اس کی نوعیت یہی ہے کہ وہ براہ راست اور اصلی طور پر روح پر گزرتا ہے، اور جسم پر اس کا اثر تبعاً پڑتا ہے، اسی لئے خواب دیکھنے والے کے قریب والا آدمی بھی اسکے جسم پر کوئی واردات گذرتے ہوئے نہیں دیکھتا، کیونکہ ہم اس دنیا میں کسی انسان کے ان ہی حالات کو دیکھ سکتے ہیں جن کا تعلق براہ راست اسکے جسم سے ہو۔ پس عالم برزخ میں (یعنی مرنے کے بعد سے قیامت تک کے دور میں) اچھے برے انسانوں پر جو کچھ گزرنے والا ہے (جس کی بعض تفصیلات آگے آنے والی حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہیں) اس کی نوعیت بھی یہی ہے کہ وہ اصلی طور پر اور براہ راست روح پر گزرے گا، اور جسم تبعاً اس میں شریک ہوگا، اور عالم رویا (خواب) کے تجربات کی روشنی میں اس کو سمجھ لینا کسی سمجھنے والے آدمی کے لئے زیادہ مشکل نہیں ہے۔

امید ہے کہ اس دنیا، اور عالم برزخ کے اس فرق کو جان لینے کے بعد وہ عامیانہ اور جاہلانہ شبہے اور وسوسے پیدا نہ ہوں گے، جو قبر کے سوال و جواب اور عذاب و ثواب کی حدیثوں کے متعلق بعض ضعیف الایمان اور کم عقل لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوا کرتے ہیں۔

عالم برزخ (عالم قبر):

(۱) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَأْتِيهِ مَلَكَانِ فَيَجْلِسَانِيهِ فَيَقُولَانِ لَهُ مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُولُ رَبِّيَ اللَّهُ فَيَقُولَانِ لَهُ مَا دِينُكَ؟ فَيَقُولُ دِينِي الْإِسْلَامُ ، فَيَقُولَانِ لَهُ مَا هَذَا الرَّجُلُ الَّذِي بُعِثَ فِيكُمْ؟ فَيَقُولُ هُوَ رَسُولُ اللَّهِ فَيَقُولَانِ لَهُ وَمَا يُدْرِيكَ؟ فَيَقُولُ قَرَأْتُ كِتَابَ اللَّهِ فَأَمَنْتُ بِهِ وَصَدَّقْتُ، فَذَلِكَ قَوْلُهُ ” يَبْتَثُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ الْآيَةَ“ قَالَ فَيَنَادِي مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ أَنْ صَدَقَ عَبْدِي فَأَفْرِشُوهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَالْبُسُوهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوهُ بَابًا إِلَى الْجَنَّةِ وَفُتِّحَ لَهُ ، قَالَ فَيَأْتِيهِ مِنْ رَوْحِهَا وَطِبَّيْهَا وَيُفْتَحُ لَهُ فِيهَا مُدْبَصَرُهُ . وَأَمَّا الْكَافِرُ فَذَكَرَ مَوْتَهُ قَالَ وَيُعَادُ رُوحُهُ فِي جَسَدِهِ وَيَأْتِيهِ مَلَكَانِ فَيَجْلِسَانِيهِ فَيَقُولَانِ مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُولُ هَاهُ هَاهُ لَا أَدْرِي فَيَقُولَانِ لَهُ مَا دِينُكَ؟ فَيَقُولُ هَاهُ هَاهُ لَا أَدْرِي، فَيَقُولَانِ مَا هَذَا الرَّجُلُ الَّذِي بُعِثَ فِيكُمْ؟ فَيَقُولُ هَاهُ هَاهُ لَا أَدْرِي ، فَيَنَادِي مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ أَنْ كَذَبَ فَأَفْرِشُوهُ مِنَ النَّارِ وَالْبُسُوهُ مِنَ النَّارِ وَافْتَحُوا لَهُ بَابًا إِلَى النَّارِ قَالَ فَيَأْتِيهِ مِنْ حَرِّهَا وَسُمُومِهَا قَالَ وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهُ حَتَّى تَخْتَلِفَ فِيهِ أَضْلَاعُهُ ثُمَّ يُقَيِّضُ لَهُ أَعْمَى أَصَمُّ مَعَ مِرْزَبَةٍ مِنْ حَدِيدٍ لَوْ ضُرِبَ بِهَا جَبَلٌ لَصَارَ تُرَابًا فَيَضْرِبُهُ بِهَا ضَرْبَةً فَيَصْبِحُ صَبْحَةً يَسْمَعُهَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ إِلَّا الثَّقَلَيْنِ فَيَصِيرُ تُرَابًا ثُمَّ يُعَادُ فِيهِ الرُّوحُ .

(رواه احمد و ابو داؤد)

(ترجمہ) حضرت براء بن عازب سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، کہ آپ نے (ایک سلسلہ کلام میں مردہ کے سوال و جواب اور عالم برزخ یعنی قبر کے ثواب و عذاب کا تذکرہ کرتے ہوئے) فرمایا کہ: (اللہ کا مومن بندہ اس دنیا سے منتقل ہو کر جب عالم برزخ میں پہنچتا ہے، یعنی قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو، اس کے پاس اللہ کے دو فرشتے آتے ہیں، وہ اس کو بٹھاتے ہیں، پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، پھر پوچھتے ہیں، کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے، پھر پوچھتے ہیں، کہ یہ آدمی جو تمہارے اندر (نبی کی حیثیت سے) کھڑا کیا گیا تھا، (یعنی حضرت محمد ﷺ) ان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ کہتا ہے وہ اللہ کے سچے رسول ہیں، وہ فرشتے کہتے ہیں کہ تمہیں یہ بات کس نے بتلائی؟ (یعنی ان کے رسول ہونے کا علم کس ذریعہ

سے ہوا؟) وہ کہتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی (اسنے مجھے بتلایا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں) تو میں ایمان لایا، اور میں نے ان کی تصدیق کی (رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ) مومن بندہ کا یہی جواب ہے، جس کے متعلق قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ
الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي
الْآخِرَةِ.

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو سچی بات (یعنی صحیح عقیدہ اور صحیح جواب) کی برکت سے ثابت رکھے گا، دنیا میں اور آخرت میں۔

یعنی وہ گمراہی سے، اور اسکے نتیجہ میں آنے والے عذاب سے محفوظ رکھے جائیں گے۔

اسکے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مومن بندہ فرشتوں کے مذکورہ بالا سوالات کے جب اس طرح ٹھیک ٹھیک جوابات دے دیتا ہے (تو ایک ندا دینے والا آسمان سے ندا دیتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسمان سے اعلان کر لیا جاتا ہے) کہ میرے بندے نے ٹھیک بات کہی، اور صحیح صحیح جوابات دیئے، لہذا اس کے لئے جنت کا فرش کرو، اور جنت کا اس کو لباس پہناؤ، اور جنت کی طرف اس کے لئے ایک دروازہ کھول دو، چنانچہ وہ دروازہ کھول دیا جاتا ہے، اور اس سے جنت کی خوشگوار ہوائیں اور خوشبوئیں آتی ہیں، اور جنت میں اس کے لئے معصنائے نظر تک کشادگی کر دی جاتی ہے (یعنی پردے اس طرح اٹھادیئے جاتے ہیں کہ جہاں تک اس کی نگاہ جائے، وہ جنت کی بہاروں اور اسکے نظاروں سے لذت اور فرحت حاصل کرتا رہے۔) (یہ حال تو رسول اللہ ﷺ نے مرنے والے سچے اہل ایمان کا بیان فرمایا)، اس کے بعد ایمان نہ لانے والے (کافر) کی موت کا ذکر آپ نے کیا، اور فرمایا: (مرنے کے بعد) اس کی روح اسکے جسم میں لوٹائی جاتی ہے، اور اسکے پاس بھی دو فرشتے آتے ہیں، وہ اس کو بٹھاتے ہیں، اور اس سے بھی پوچھتے ہیں، کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ (خدا شناس) کہتا ہے: ”ہائے ہائے میں کچھ نہیں جانتا“ پھر فرشتے اس سے پوچھتے ہیں کہ دین تیرا کیا تھا؟ وہ کہتا ہے، کہ ”ہائے ہائے میں کچھ نہیں جانتا“۔ پھر فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ یہ آدمی جو تمہارے اندر (بحیثیت نبی کے) مبعوث ہوا تھا، تمہارا اسکے بارے میں کیا خیال تھا؟ وہ پھر بھی یہی کہتا ہے: ”ہائے ہائے میں کچھ نہیں جانتا“۔ (اس سوال و جواب کے بعد) آسمان سے ایک ندا دینے والا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکارتا ہے کہ اسنے جھوٹ کہا (یعنی اسنے فرشتوں کے سوال کے جواب میں اپنا بالکل انجان اور بے جرم ہونا ظاہر کیا یہ اسنے جھوٹ بولا، کیوں کہ واقعے میں وہ اللہ کی توحید کا، اسکے دین اسلام کا اور اسکے رسول برحق کا منکر تھا) پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی ندا کرے گا کہ اس کے لئے دوزخ کا فرش کرو، اور دوزخ کا اس کو لباس پہناؤ، اور اس کے لئے دوزخ کا

ایک دروازہ کھول وہ (چنانچہ یہ سب کچھ کر دیا جائے گا) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، کہ: ”(دوزخ کے اس دروازے سے) اس کو برابر دوزخ کی گرمی اور دوزخ کی لپٹیں اور جلانے جھلسانے والی ہوائیں اسکے پاس آتی رہیں گی..... اور اس کی قبر اس پر نہایت تنگ کر دی جائے گی، جس کی وجہ سے (اتنا باؤ پڑے گا، کہ) اسکے سینے کی پسلیاں ادھر سے ادھر ہو جائیں گی، پھر اس کو عذاب دینے کے لئے ایک ایسا فرشتہ اس پر مسلط کیا جائے گا، جو نہ کچھ دیکھے گا، نہ سنے گا، اسکے پاس لوہے کی ایسی موٹری ہوگی، کہ اگر اس کی ضرب کسی پہاڑ پر لگائی جائے تو وہ بھی مٹی کا ڈھیر ہو جائے، وہ فرشتہ اس موٹری سے اس پر ایک ضرب لگائے گا، جس سے وہ اس طرح چیخے گا، جس کو جن وانس کے علاوہ وہ سب چیزیں سنیں گی، جو مشرق اور مغرب کے درمیان ہیں، اس ضرب سے وہ خاک ہو جائے گا، اسکے بعد اس میں پھر روح ڈالی جائے گی۔

(مسند احمد، ابوداؤد)

(۷۲) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ وَتَوَلَّى عَنْهُ أَصْحَابُهُ إِنَّهُ لَيَسْمَعُ قُرْعَ نَعَالِهِمْ أَنَا هَؤُلَاءِ مَلَكَانِ فَيَقْعِدَانِهِ فَيَقُولَانِ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُولُ أَشْهَدُ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ وَرَسُولَهُ فَيَقَالُ لَهُ أَنْظِرْ إِلَى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ قَدْ أَبَدَ لَكَ اللَّهُ بِهِ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ فَيَرَاهُمَا جَمِيعًا وَأَمَّا الْكَافِرُ فَيَقَالُ لَهُ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ فَيَقُولُ لَا أَدْرِي كُنْتُ أَقُولُ مَا يَقُولُ النَّاسُ فَيَقَالُ لَهُ مَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ وَيُضْرَبُ بِمِطْرَاقٍ مِنْ حَدِيدٍ ضَرْبَةً فَيَصِيحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَنْ بِلَيْهِ غَيْرُ الثَّقَلَيْنِ.

(رواه البخاری و مسلم واللفظ للبخاری)

(ترجمہ) حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ (مرنے کے بعد) بندہ جب اپنی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے، اور اسکے ساتھ (یعنی اسکے جنازے کے ساتھ آنے والے) لوہے کے چل دیتے ہیں، (اور ابھی وہ اتنے قریب ہوتے ہیں کہ) ان کی جوتیوں کی چاپ وہ سن رہا ہوتا ہے تو اسی وقت اسکے پاس دو فرشتے آتے ہیں، وہ اسکو بٹھاتے ہیں، پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ ان کا یہ سوال رسول اللہ ﷺ کے متعلق ہوتا ہے۔ پس جو سچا مومن ہوتا ہے، وہ کہتا ہے کہ (میں گواہی دیتا رہا ہوں، اور اب بھی) میں گواہی دیتا ہوں، کہ وہ اللہ کے بندے، اور اسکے رسول پر حق ہیں، (یہ جواب سن کے) فرشتے اس سے کہتے ہیں (ایمان نہ لانے کی صورت میں) دوزخ میں جو تمہاری جگہ ہونے والی تھی، ذرا اس کو دیکھ لو، اب اللہ نے بجائے اس کے، تمہارے لئے جنت میں ایک جگہ

عطا فرمائی ہے (اور وہ یہ ہے) اس کو بھی دیکھ لو (یعنی دوزخ اور جنت کے دونوں مقام اسکے سامنے کر دیئے جائیں گے) چنانچہ وہ دونوں کو ایک ساتھ دیکھے گا۔ اور جو منافق اور کافر ہوتا ہے، تو اسی طرح (مرنے کے بعد) اس سے بھی (رسول اللہ ﷺ) کے متعلق پوچھا جاتا ہے کہ اس شخص کے بارے میں تم کیا کہتے تھے؟ (اور اس کو کیا اور کیسا سمجھتے تھے؟) پس وہ منافق اور کافر کہتا ہے کہ میں ان کے بارے میں خود تو کچھ جانتا نہیں، دوسرے لوگ جو کہا کرتے تھے، وہی میں بھی کہتا تھا، (اسکے اس جواب پر) اس کو کہا جائے گا، کہ تو نے نہ تو خود جانا اور نہ (جان کر ایمان لانے والوں کی) تو نے پیروی کی، اور لوہے کے گرزوں سے اسکو مارا جائے گا، جس سے وہ اس طرح چیخے گا کہ جن دانس کے علاوہ اسکے آس پاس کی ہر چیز اس کا چیخنا سنے گی۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) پہلی حدیث سے معلوم ہوا تھا، کہ مرنے والے سے فرشتے تین سوال کرتے ہیں، اور اس دوسری حدیث میں صرف ایک ہی سوال کا ذکر کیا گیا ہے، اصل بات یہ ہے کہ یہ سوال چونکہ باقی دونوں سوالوں پر بھی حاوی ہے، اور اسکے جواب سے ان دونوں سوالوں کا جواب بھی معلوم ہو جاتا ہے، اسلئے بعض حدیثوں میں صرف اسی ایک سوال کا ذکر کر دیا جاتا ہے، قرآن و حدیث کا طریق بیان یہی ہے کہ ایک واقعہ کو کبھی تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے اور کبھی صرف اسکے بعض اجزاء ہی بیان کر دیئے جاتے ہیں۔

یہ اصولی بات پہلے بھی ذکر کی گئی ہے، اور اب پھر اس کو یاد دلایا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں تصنیفی مقالات نہیں ہیں، بلکہ عموماً مجلسی ارشادات ہیں، اور کسی معلم اور مربی کے مجلسی ارشادات میں ایسا ہونا کہ کبھی ایک بات پوری تفصیل سے بیان کیا جائے، اور کبھی اسکے صرف بعض اجزاء کا ذکر کر دیا جائے، بالکل صحیح اور فطری بات ہے۔

حضرت انسؓ والی اس دوسری حدیث میں اس سوال جواب کے سلسلے میں قبر کا لفظ بھی آیا ہے اور اسی طرح بعض اور حدیثوں میں بھی قبر کا ذکر ہے، اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ سوال و جواب صرف ان ہی مردوں سے مخصوص ہے، جو قبروں میں دفن ہوتے ہیں، دراصل قبر کا ذکر ان حدیثوں میں صرف اس لئے کر دیا گیا ہے کہ وہاں مردوں کو قبروں ہی میں دفن کرنے کا عام رواج تھا، اور لوگ صرف اسی طریقے کو جانتے تھے، ورنہ اللہ کے فرشتوں کی طرف سے یہ سوال و جواب ہر مرنے والے سے ہوتا ہے، خواہ اس کا جسم قبر میں دفن کیا جائے، خواہ دریا میں بہایا جائے، خواہ آگ میں جلایا جائے، خواہ گوشت خور جانوروں کے پیٹ میں چلا جائے۔ اور جیسا کہ

اور پر بتلایا جا چکا ہے یہ سب کچھ براہ راست اور اصلی طور سے روح کے ساتھ ہوتا ہے اور جسم خواہ کہیں ہو، اور کسی حال میں ہو، وہ تبعا اس سے متاثر ہوتا ہے، اور خواب کی مثال اسکے سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ اور خواب ہی کی مثال سے اس شبہ کا جواب بھی مل جاتا ہے کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی مردہ دو چار دن تک ہمارے سامنے پڑا رہتا ہے اور اس سوال و جواب کی آواز اس کی لاش سے کوئی نہیں سنتا، اور نہ اس پر عذاب یا ثواب کا کوئی اثر معلوم ہوتا ہے۔ پس یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ خواب میں ایک آدمی پر سب کچھ گذر جاتا ہے، وہ بات چیت کرتا ہے، کھاتا ہے، پیتا ہے، لیکن اسکے برابر والوں کو کچھ بھی نہیں نظر آتا۔

اسی قسم کے عامیانہ اور جاہلانہ شبہوں میں سے قبر کے اس سوال و جواب پر ایک شبہ یہ بھی کیا جاتا ہے کہ قبر میں جانے کے لئے جب کوئی اور راستہ اور کوئی چھوٹے سے چھوٹا وزن بھی نہیں ہوتا، تو فرشتے اس میں جاتے کس طرح ہیں؟ یہ شبہ دراصل ان حقیقت ناشناسوں کو ہوتا ہے جو فرشتوں کو شاید اپنی طرح گوشت پوست سے بنی ہوئی مادی مخلوق سمجھتے ہیں، اصل واقعہ یہ ہے کہ فرشتوں کے کہیں پہنچنے کے لئے دروازے یا کھڑکی کی ضرورت نہیں، ہماری نگاہیں یا آفتاب کی شعاعیں جس طرح شیثوں میں سے نکل جاتی ہیں اسی طرح فرشتے اپنے وجود کی لطافت اور اللہ کی دی ہوئی قدرت سے پتھروں میں سے بھی پار ہو جاتے ہیں۔ سبحانہ تعالیٰ شانہ۔

(۷۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا مَاتَ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ إِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَمِنْ أَهْلِ النَّارِ فَيَقَالُ هَذَا مَقْعَدُكَ حَتَّى يَبْعَثَكَ اللَّهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ.

(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ تم میں سے کوئی جب مر جاتا ہے تو ہر صبح و شام اسکے سامنے اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے، اگر وہ جنتیوں میں سے ہے، تو جنتیوں کے مقام میں سے (اس کا جو مقام ہونے والا ہوتا ہے وہ ہر صبح و شام اسکے سامنے کیا جاتا ہے، اور اسکو دکھلایا جاتا ہے) اور اگر وہ مرنے والا دوزخیوں میں سے ہو تا ہے تو (اسی طرح صبح و شام) دوزخیوں کے مقامات میں سے (اس کا مقام اسکے سامنے کیا جاتا ہے) اور کہا جاتا ہے کہ یہ ہونے والا تیرا مستقل ٹھکانا (اور یہ اسوقت ہوگا) جبکہ اللہ تجھے اپنی طرف اٹھایگا قیامت کے دن۔

(بخاری و مسلم)

(تشریح) قبر میں روزانہ صبح و شام جنتیوں کو اپنا مقام دیکھ کر جو غیر معمولی لذت و مسرت حاصل ہوا کرے گی، اور دوزخیوں کو دوزخ کو اپنا ٹھکانا دیکھ کر روزانہ صبح شام جو رنج و غم مزید ہوا کرے گا، اس دنیا میں کوئی اس کا اندازہ نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اہل جنت میں شامل فرمائے۔

(۷۴) عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ إِذَا وَقَفَ عَلَى قَبْرِ بَكِي حَتَّى يَلْ لِحَيْتَهُ فَقِيلَ لَهُ تَذْكُرُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ فَلَا تَبْكِي وَتَبْكِي مِنْ هَذَا فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْقَبْرَ أَوَّلُ مَنْزِلٍ مِنْ مَنَازِلِ الْآخِرَةِ فَإِنْ نَجَّاهُ فَمَا بَعْدَهُ أَيْسَرُ مِنْهُ وَإِنْ لَمْ يُنَجِّ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ أَشَدُّ مِنْهُ، قَالَ وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا رَأَيْتُ مَنْظَرَ أَقْطُ إِلَّا وَالْقَبْرُ أَقْطَعَ مِنْهُ.

(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (کہ ان کا حال یہ تھا) کہ جب وہ کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے، تو بہت روتے، یہاں تک کہ آنسوؤں سے ان کی ڈاڑھی تر ہو جاتی، ان سے پوچھا گیا (یہ کیا بات ہے) کہ آپ جنت و دوزخ کو یاد کرتے ہیں تو نہیں روتے، اور قبر کی وجہ سے اس قدر روتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا، کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ: قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے، پس اگر بندہ اس سے نجات پا گیا، تو آگے کی منزلیں اس سے زیادہ آسان ہیں، اور اگر قبر کی منزل سے بندہ نجات نہ پاسکا، تو اسکے بعد کی منزلیں اس سے اور زیادہ سخت اور کٹھن ہیں۔ نیز رسول اللہ ﷺ یہ بھی فرماتے تھے، کہ: نہیں دیکھا میں نے کوئی منظر مگر یہ کہ قبر کا منظر اس سے زیادہ خوفناک اور شدید ہے۔

(ترمذی، ابن ماجہ)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جب کسی قبر سے میرا گذر ہوتا ہے، تو قبر کے بارے میں حضور ﷺ کے یہ ارشادات یاد آ جاتے ہیں، اور فکر و غم میں مبتلا کر کے مجھے رلاتے ہیں۔

(۷۵) عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَرَعَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ اسْتَغْفِرُوا إِلَّا خِيَكُمْ ثُمَّ سَلُوا اللَّهَ بِالتَّيْبِتِ فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ.

(رواہ ابو داؤد)

(ترجمہ) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ تھا، کہ جب میت کے دفن سے فارغ ہو جاتے، تو قبر کے پاس کھڑے ہوتے اور فرماتے کہ: اپنے اس بھائی کے

لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرو، اور یہ بھی استدعا کرو، کہ اللہ تعالیٰ اس کو سوالوں کے جواب میں ثابت قدم رکھے، کیونکہ اس وقت اس سے پوچھ گچھ ہوگی۔ (ابوداؤد)

(۷۶) عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى سَعْدِ بْنِ مَعَاذٍ حِينَ تُوُفِّيَ فَلَمَّا صَلَّى عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوَضَعَ فِي قَبْرِهِ وَسُويَ عَلَيْهِ سَبَّحَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَسَحْنَا طَوِيلًا ثُمَّ كَبَّرَ فَمَسَحْنَا فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ لِمَ سَبَّحْتَ ثُمَّ كَبَّرْتَ فَقَالَ لَقَدْ تَضَاقَقَ عَلَيَّ هَذَا الْعَبْدُ الصَّالِحُ قَبْرُهُ حَتَّى فَرَّجَهُ اللَّهُ عَنْهُ.

(رواہ احمد)

(ترجمہ) حضرت جابر سے روایت ہے کہ جب (مشہور انصاری صحابی) سعد بن معاذ کی وفات ہوئی تو ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کے جنازے پر گئے، پھر جب رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور ان کو قبر میں اتار کر جب قبر برابر کر دی گئی، تو رسول اللہ ﷺ نے سبحان اللہ، سبحان اللہ، سبحان اللہ کہا (آپ کو دیکھ کر آپ کی اتباع میں) ہم بھی دیر تک سبحان اللہ، سبحان اللہ کہتے رہے، پھر آپ نے اللہ اکبر، اللہ اکبر کہنا شروع کیا، تو ہم بھی آپ کے اتباع میں اللہ اکبر، اللہ اکبر کہنے لگے۔ پھر آپ سے پوچھا گیا کہ: ”یا رسول اللہ! اس وقت آپ کی اس تسبیح اور تکبیر کا کیا خاص سبب تھا؟“ آپ نے فرمایا کہ: ”اللہ کے اس نیک بندے پر اس کی قبر تنگ ہوئی تھی (جس سے اس کو تکلیف تھی) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے تنگی کی اس کیفیت کو دور فرما کر کشادگی پیدا فرمادی، اور اس کی تکلیف دور کر دی۔ (مسند احمد)

(تشریح) یہ سعد بن معاذ انصاریؓ رسول اللہ ﷺ کے مشہور اور ممتاز اصحاب کرام میں سے تھے، غزوہ بدر کی شرکت کی فضیلت اور سعادت بھی انہیں حاصل تھی، ھھھ میں ان کا وصال ہوا، اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا: ”ستر ہزار فرشتوں نے ان کے جنازے میں شرکت کی، اور آسمان کے دروازے ان کے لئے کھولے گئے۔ باوجود اسکے قبر کی تنگی کی تکلیف سے ان کو بھی واسطہ پڑا (اگرچہ فوراً ہی وہ اٹھالی گئی)۔ اس میں ہم جیسوں کے لئے بڑا اجتہاد اور بڑا سبق ہے۔ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنَا اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا!

(۷۷) عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيْبًا فَلَذَكَرَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ الَّتِي يُفْتَنُ فِيهَا الْمَرْءُ فَلَمَّا ذَكَرَ ذَلِكَ ضَجَّ الْمُسْلِمُونَ ضَجْعَةً.

(رواہ البخاری)

(ترجمہ) حضرت اسماء بنت ابی بکر سے روایت ہے، کبھی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے

خطبہ ارشاد فرمایا، اور اس میں اس آزمائش کا ذکر فرمایا، جس میں مرنے والا آدمی مبتلا ہوتا ہے تو جب آپ نے اس کا ذکر فرمایا، تو خوف و دہشت سے سب مسلمان چیخ اٹھے اور ایک کبرام بھی گیا (بخاری)

(۷۸) عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ بَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَائِطٍ لِبَنِي النَّجَّارِ عَلَى بَغْلَةٍ لَهُ وَنَحْنُ مَعَهُ إِذْ حَدَّثَ بِهِ فَكَادَتْ تَلْقِيهِ وَإِذَا أَقْبَرُ سِتَّةً أَوْ خَمْسَةً فَقَالَ مَنْ يَعْرِفُ أَصْحَابَ هَذِهِ الْأَقْبَرِ قَالَ رَجُلٌ أَنَا قَالَ فَمَنْ مَاتُوا قَالَ فِي الشِّرْكِ فَقَالَ إِنَّ هَذِهِ الْأُمَّةَ تَبْعَلُنِي فِي قُبُورِهِمَا فَلَوْلَا أَنِّي لَا تَدْفِنُ الدَّعْوَةَ اللَّهُ أَنِّي يُسْمِعُكُمْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِي أَسْمَعُ مِنْهُ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ فَقَالَ تَعَوُّذُوا بِاللَّهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ قَالُوا نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ قَالَ تَعَوُّذُوا بِاللَّهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالُوا نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالَ تَعَوُّذُوا بِاللَّهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ قَالُوا نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ، قَالَ تَعَوُّذُوا بِاللَّهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَالِ قَالُوا نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَالِ.

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت زید بن ثابت انصاری سے روایت ہے کہ ایک دفعہ جبکہ رسول اللہ ﷺ اپنی چھری پر سوار قبیلہ بنی نجار کے ایک باغ میں سے گزر رہے تھے، اچانک آپ کی چھری راستے سے ہٹی، اور نیزہ بھی ہوئی (اور اسکی ایسی حالت ہوئی) کہ قریب تھا کہ آپ کو گرا دے، اچانک نظر پڑی تو دیکھا کہ وہاں چھ یا پانچ قبریں ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان قبر کے مردوں سے کون واقف ہے؟ (یعنی تم میں کوئی ہے جو ان لوگوں کو جانتا ہو، جو ان قبروں میں مدفون ہیں) ساتھیوں میں سے ایک شخص نے کہا: میں جانتا ہوں، آپ نے فرمایا: یہ لوگ کس زمانے میں مرے تھے؟ اس شخص نے عرض کیا: زمانہ شرک میں۔ آپ نے فرمایا: یہ لوگ اپنی قبروں میں عذاب میں مبتلا ہیں، اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ تم مردوں کو دفن نہ کر سکو گے، تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ قبر کے عذاب میں جتنا کچھ میں سن رہا ہوں وہ اس میں سے کچھ تم کو بھی سنا دے۔ یہ فرمانے کے بعد آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا: (دوزخ کے عذاب سے اللہ سے پناہ مانگو: سب کی زبان سے نکلا: ہم دوزخ کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگو۔ سب نے کہا: ہم قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، آپ نے فرمایا: سب فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگو، ظاہری فتنوں سے بھی، اور باطنی فتنوں سے بھی۔ سب نے کہا: ہم سب ظاہری و باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آپ

نے فرمایا کہ: دجال کے (عظیم ترین) فتنے سے اللہ کی پناہ مانگو۔ سب نے کہا: ہم دجال فتنے سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔“ (مسلم)

(تشریح) اس سلسلہ کی بعض حدیثوں سے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے برزخ (قبر) کے عذاب کو جن و انس سے مخفی رکھا ہے، اُن کو اس کا بالکل پتہ نہیں چلتا، لیکن ان کے علاوہ دوسری مخلوقات کو اس کا ادراک و احساس کچھ ہوتا ہے، اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ بنی نجر کے اس باغ میں جن لوگوں کی وہ چند قبریں تھیں ان پر جو عذاب ہو رہا تھا، رسول اللہ ﷺ کے اصحاب و رفقاء کو اگرچہ اس کا کوئی احساس نہیں ہوا۔ لیکن جس نخری پر آپ سوار تھے، اس کو اس کا احساس ہوا اور اس پر اثر پڑا اس کی حکمت ظاہر ہے، مرنے والوں پر مرنے کے بعد جو کچھ گذرتا ہے، اگر ہم سب بھی اس کو دیکھ یا سن لیا کرتے، تو ”ایمان بالغیب“ نہ رہتا اور دنیا کا یہ نظام بھی نہ چل سکتا، جس وقت ہمارے سامنے ہمارا کوئی عزیز سخت تکلیف اور مصیبت میں مبتلا ہو، ہم سے اس وقت کوئی کام نہیں ہو سکتا، اگر کہیں قبروں کا عذاب ہم پر منکشف ہو جایا کرتا، تو کسی اور کام کا کیا ذکر، مانیں بچوں کو دودھ بھی نہ پلا سکتیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان قبر والوں پر جو عذاب ہو رہا تھا، اس کی وجہ سے جو چیخ پکار ان قبروں میں مچی ہوئی تھی، جس کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ والے صحابہ کرام بالکل نہیں سن رہے تھے، خود آپ اس کو سن رہے تھے۔

یہ ایسا ہی تھا جیسا کہ وحی کا فرشتہ جب وحی لے کر آتا تھا، تو بسا اوقات صحابہ کرام بھی اس وقت آپ کے قریب ہوتے تھے، لیکن آنے والے فرشتے کو ان کی آنکھیں عام طور سے نہیں دیکھ سکتی تھیں، نہ وہ اس کی آواز سنتے تھے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ اس کو دیکھتے اور اس کی آواز سنتے تھے، اہل مکافہ تو اس صورت حال کو بڑی آسانی سے سمجھ سکتے ہیں، لیکن ہم جیسے عام بھی اس خواب والی مثال ہی سے کچھ سمجھ سکتے ہیں۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ:

لَوْلَا اَنْ لَا تَدَا فَنُؤَالِدَعُوْثُ اللّٰهُ اَنْ يُّسْمِعَكُمْ مِّنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِيْ اَسْمَعُ مِنْهُ

(یعنی اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ تم مردوں کو دفن نہ کر سکو گے، تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا، کہ قبر کے عذاب میں سے جتنا کچھ میں سن رہا ہوں، اس میں سے کچھ وہ تم کو بھی سنا دے)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قبر کے عذاب کی جو کیفیت اللہ تعالیٰ نے مجھ پر منکشف فرمادی ہے، اور عذاب

۱۔ عام سہ اللہ اور عادیۃ اللہ یہی ہے، کہ برزخ کی واردات کو جن و انس سے کلی طور پر مخفی رکھا جاتا ہے، نہ ہم اس کو دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں، لیکن یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بطور خرق عادت کے کسی مرنے والے کے برزخی عذاب یا ثواب کی کوئی جزوی کیفیت کسی اور مصلحت (بقیہ اگلے صفحے پر)

اور عذاب دیئے جانے والوں کی چیخ و پکار، جو میں سن رہا ہوں، اگر اللہ تعالیٰ وہ تمہیں بھی سنوادیں، تو اس کا خطرہ ہے کہ تمہیں موت سے اتنی دہشت ہو جائے کہ مردوں کو دفن و کفن کا انتظام بھی نہ کر سکو، اس لئے میں اللہ سے دعا نہیں کرتا، کہ وہ تمہیں بھی سنا دے۔

اسکے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو تَعَوُّذُ (اللہ سے پناہ مانگنے) کی طرف متوجہ کیا۔ اس میں اس کی تعلیم ہے کہ مومنین کو چاہئے، کہ وہ قبر کے عذاب کو جاننے اور دیکھنے کی فکر کے بجائے اس سے بچنے کی فکر کریں، اور اس سے..... اور ہر قسم کے عذاب اور فتنہ سے بچانے والا بس اللہ ہی ہے، لہذا اس سے برابر پناہ مانگتے رہیں، دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگیں عذاب قبر سے پناہ مانگیں، ظاہر و باطن کے سب فتنوں سے پناہ مانگیں خاص کردجال کے عظیم فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگتے رہیں۔ اور کفر و شرک اور ان سب فتنوں اور معصیتوں سے بچنے کی فکر رکھیں جو عذاب کو لانے والے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَالِ۔

قیامت:

(۷۹) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ

كَهَاتَيْنِ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”میں اور

قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں۔“ (بخاری و مسلم)

(..... گزشتہ سے پیوستہ) کی بنا پر اپنے کسی بندے کو دکھلا دے۔ شیخ ابن القیمؒ نے کتاب الروح میں بڑے عبرت انگیز اس قسم کے بہت سے واقعات قریباً ۶۵، ص ۶۵ پر نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ: ”وہذہ الاخبار رواضا فيها واضعاف اضعافا ممالا يتسع لها الكتاب مما اراه الله سبحانه بعض عبادہ من عذاب القبر ونعيمه عيانا واما روية المنام فلو ذكرناها لجاأت عدة اسفار..... وليس عند الملاحدة والزنا دقة الا التكذيب بمالم يحيطو بعلمه۔“ (کتاب الروح ص ۱۱۲)۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ واقعات جو میں نے یہاں ذکر کئے اس قسم کے اور بھی بیشمار واقعات ہیں جن کی اس کتاب میں گنجائش نہیں، یہ سب اسی قبیل سے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض خاص بندوں کو قبر کے عذاب یا ثواب کا کبھی مشاہدہ بھی کرا دیتا ہے، یعنی بیداری کی حالت میں آنکھوں سے دکھا دیتا ہے۔ رہا خواب میں دیکھنا تو اسکے واقعات تو اتنے ہیں کہ اگر ان کو لکھا جائے تو کئی جلدیں تیار ہو جائیں..... لیکن لحد اور زندیق قسم کے لوگوں کا حال یہی ہے کہ جن حقیقتوں سے وہ نا آشنا اور جن کے علم و عرفان سے وہ محروم ہیں، ان کو جھٹلاتے اور انکار کرتے ہیں۔ ۱۱۲

(تشریح) یعنی آنحضرت ﷺ نے کلمہ شہادت والی انگلی، اور اسکے برابر والی بیچ کی انگلی ملا کر فرمایا: میری بعثت میں اور قیامت میں اتنا قرب اور اتصال ہے جتنا کہ ان دو انگلیوں میں۔ اس سے غالباً آپ کا مطلب یہ تھا، کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے جتنے دور مقرر کئے تھے وہ سب ختم ہو گئے، اب یہ دور اس کا آخری دور ہے جو میری بعثت سے شروع ہوا ہے، اور قیامت پر ختم ہوگا، میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نیامی نہیں آئے گا، نہ کوئی نئی امت پیدا ہوگی، اس لئے اس کو بہت دور سمجھ کر اس کی طرف سے بے فکر اور بے پروا نہ ہونا چاہئے۔

(۸۰) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلُ هَذِهِ الدُّنْيَا مِثْلُ قُوبٍ شَقٌّ مِنْ أَوَّلِهِ إِلَى آخِرِهِ فَبَقِيَ مُتَعَلِّقًا بِخَبِطٍ فِي آخِرِهِ فَيُوشِكُ ذَلِكَ الْخَبِطُ أَنْ يَنْقَطِعَ.

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، کہ: ”اس دنیا کی مثال اس کپڑے کی سی ہے جو اول سے آخر تک پھاڑ دیا گیا اور بس سرے پر ایک دھاگے سے وہ جڑا رہ گیا، اور یہ آخری دھاگا بھی بس عنقریب ٹوٹنا ہی چاہتا ہے۔“ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) پہلی حدیث کی طرح اس حدیث میں بھی قیامت کا قریب ہونا بیان فرمایا گیا ہے، اور مقصد یہی ہے کہ قیامت کو بہت دور سمجھ کے اس کی طرف سے غفلت نہ کی جائے، بلکہ اس کو بہت قریب اور ناگہانی پیش آنے والا ایک عظیم حادثہ یقین کرتے ہوئے ہر وقت اس کی فکر اور اس کے لئے تیاری کی جائے۔

(۸۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ قَبْلَ أَنْ يَمُوتَ بِشَهْرٍ تَسْأَلُونَنِي عَنِ السَّاعَةِ وَإِنَّمَا عَلِمْتُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْسِمُ بِاللَّهِ مَا عَلَى الْأَرْضِ مِنْ نَفْسٍ مَنفُوسَةٍ يَأْتِي عَلَيْهَا مِائَةُ سَنَةٍ وَهِيَ حَيَّةٌ يَوْمَئِذٍ.

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ اپنی وفات شریف سے ایک مہینہ پہلے فرماتے تھے، کہ: ”تم لوگ مجھ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہو، اور اس کا (یعنی اسکے معین وقت کا) علم تو بس اللہ ہی کے پاس ہے، اور میں اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ روئے زمین پر کوئی تنفس ایسا نہیں ہے کہ اس پر سو سال گزریں اور وہ اس وقت تک زندہ باقی رہے۔“ (مسلم)

(تشریح) قرآن پاک سے بھی معلوم ہوتا ہے اور حدیثوں سے بھی، کہ بہت سے لوگ

رسول اللہ ﷺ سے قیامت کے متعلق دریافت کرتے تھے، کہ وہ کب آئے گی؟ آپ ہمیشہ اسکے جواب میں وہی فرماتے تھے جو اس حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا، یعنی یہ کہ اسکے مقررہ وقت کا علم اللہ ہی کو ہے، یعنی وہی جانتا ہے، کہ کس سن کے کس مہینے کی کس تاریخ کو آئے گی، اس کا علم اس نے کسی اور کو نہیں دیا ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اس جواب کے علاوہ اور اصل سوال سے زائد ایک بات یہ بھی فرمائی ہے کہ: اس وقت جو لوگ روئے زمین پر زندہ ہیں، وہ سب سو سال کے اندر اندر ختم ہو جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کبریٰ جس میں یہ سارا عالم ختم ہو جائے گا، اس کا معین وقت تو مجھے معلوم نہیں، بس اللہ ہی کو اس کا علم ہے، ہاں! اللہ نے مجھے اس کی اطلاع دی ہے کہ اس نسل اور اس قرن کا خاتمہ سو سال تک ہو جائے گا، اور جو لوگ اس وقت زندہ ہیں، وہ سو سال پورے ہونے تک ختم ہو جائیں گے، اس لئے یوں سمجھو کہ تمہاری قیامت تو اس صدی کے اندر ہی اندر آجائے گی۔

(۸۲) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى لَا يُقَالَ فِي الْأَرْضِ اللَّهُ اللَّهُ. وَفِي رَوَايَةٍ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ عَلَى أَحَدٍ يَقُولُ اللَّهُ اللَّهُ.

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: قیامت نہیں آئے گی جب تک کہ (ایسا برا وقت نہ آجائے کہ) بالکل نہ کہا جائے دنیا میں اللہ اللہ۔ اور اسی حدیث کو بعض راویوں نے اس طرح نقل کیا ہے کہ: ”قیامت نہیں قائم ہوگی کسی ایسے شخص پر، جو کہتا ہو اللہ اللہ“۔^۱

(مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ قیامت اس وقت آئے گی جبکہ دنیا اللہ کی یاد سے، اور اللہ کو یاد کرنے والوں سے بالکل ہی خالی ہو جائے گی، اور اللہ کی عبادت اور فرمانبرداری، اور اللہ کے ساتھ بندگی کے صحیح تعلق کا دنیا سے بالکل خاتمہ ہو جائے گا۔ جب ایسا وقت آئے گا، اس وقت یہ پورا عالم فنا کر دیا جائے گا، گویا اللہ کا ذکر اور اللہ کے ساتھ بندگی کا صحیح تعلق اس عالم کی روح اور اسکے باقی رہنے کے لئے وجہ جواز ہے، جس دن ہماری یہ دنیا اس سے بالکل خالی ہو جائے گی، اسی دن

۱۔ بعض علماء کرام نے اس حدیث سے ذکر اسم ذات کی صحت اور اسکے ماثور ہونے پر استدلال کیا ہے، اور بلاشبہ یہ استدلال بہت صاف اور صحیح ہے۔ اللہ کی رحمت ہو حافظ ابن تیمیہ پر، اس مسئلہ پر غور کرتے وقت ان کی نظر غالباً اس حدیث کی طرف گئی نہیں۔ ۱۲

اپنے پیدا کرنے والے اور چلانے والے کے حکم سے توڑ پھوڑ کے برابر کر دی جائے گی۔

(۸۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُومُ

السَّاعَةُ إِلَّا عَلَى شِرَارِ الْخَلْقِ.

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، کہ:

”قیامت نہیں قائم ہوگی، مگر بدترین آدمیوں پر“

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اللہ سے تعلق رکھنے والے اچھے لوگ جب سب ختم ہو جائیں گے

اور یہ دنیا جب صرف بد کرداروں اور خدا فراموشوں ہی کی دنیا رہ جائے گی، تب اللہ کے حکم سے قیامت آجائے گی۔

(۸۴) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ

الدَّجَالُ فِيمَكُمُ أَرْبَعِينَ لَا أَدْرِي أَرْبَعِينَ يَوْمًا أَوْ شَهْرًا أَوْ عَامًا فَيَبْعَثُ اللَّهُ

عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ كَأَنَّهُ عُرْوَةٌ بَنُ مَسْعُودٍ فَيَطْلُبُهُ ثُمَّ يَمْكُتُ فِي النَّاسِ سَبْعَ

سِنِينَ لَيْسَ بَيْنَ اثْنَيْنِ عِدَاوَةٌ ثُمَّ يُرْسِلُ اللَّهُ رِيحًا بَارِدَةً مِنَ الشَّامِ فَلَا يَبْقَى عَلَى

وَجْهِ الْأَرْضِ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ أَوْ إِيمَانٍ إِلَّا قَبَضَتْهُ حَتَّى لَوْ أَنَّ

أَحَدَكُمْ دَخَلَ فِي كَبِدِ جَبَلٍ لَدَخَلَتْهُ عَلَيْهِ، حَتَّى تَقْبِضَهُ قَالَ فَيَقْبِضُ شِرَارَ النَّاسِ

فِي خِفَّةِ الطَّيْرِ وَأَحْلَامِ السَّبَاعِ لَا يَعْرِفُونَ مَعْرُوفًا وَلَا يُنْكِرُونَ مُنْكَرًا فَيَمْتَلِئُ

لَهُمُ الشَّيْطَانُ فَيَقُولُ إِلَّا تَسْتَحْيُونَ فَيَقُولُونَ فَمَا تَأْمُرُنَا فَيَأْمُرُهُمْ بِعِبَادَةِ

الْأَوْتَانِ وَهُمْ فِي ذَلِكَ دَارٌ رِزْقُهُمْ حَسَنٌ عَيْشُهُمْ ثُمَّ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَلَا

يَسْمَعُهُ أَحَدٌ إِلَّا أَصْغَى لِنَا وَرَفَعَ لِنَا قَالَ وَأَوَّلُ مَنْ يَسْمَعُهُ رَجُلٌ يَلُوطُ حَوْضَ

إِبِلِهِ فَيَصْعَقُ وَيَصْعَقُ النَّاسُ ثُمَّ يُرْسِلُ اللَّهُ مَطَرًا كَأَنَّهُ الطَّلُ فَيَنْبُتُ مِنْهُ أَجْسَادُ

النَّاسِ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيهِ أُخْرَى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ ثُمَّ يُقَالُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ هَلُمَّ إِلَى

رَبِّكُمْ قِفْهُمْ إِنَّهُمْ مَسْتَوْلُونَ فَيَقَالُ أَخْرِجُوا بَعَثَ النَّارَ فَيَقَالُ مِنْ كَمِ كَمْ؟

فَيَقَالُ مِنْ كُلِّ أَلْفٍ تِسْعُمِائَةٍ وَتِسْعِينَ، قَالَ فَذَلِكَ يَوْمٌ يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا.

وَذَلِكَ يَوْمٌ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ.

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”(قیامت سے پہلے) دجال کا خروج ہوگا، اور وہ ٹھہرے گا چالیس تک“ اس حدیث کو روایت کرنے

والے صحابی عبد اللہ بن عمرو کہتے ہیں، کہ میں نہیں جانتا کہ حضور (ﷺ) کا مطلب چالیس سے چالیس دن تھے، یا چالیس مہینے، یا چالیس سال۔ آگے حدیث بیان کرتے ہیں، کہ پھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم کو (اس دنیا میں) بھیجیں گے، گویا کہ وہ عروہ بن مسعود ہیں (یعنی ان کی شکل و صورت عروہ بن مسعود ثقفی سے بہت ملتی جلتی ہوگی) وہ دجال کو تلاش کریں گے (اور اس کا تعاقب کریں گے، اور اس کو پا کر) اس کا خاتمہ کر دیں گے۔ پھر (دجال کا خاتمہ کر دینے کے بعد) سات سال تک وہ اس دنیا کے لوگوں اور ان کے ساتھ رہیں گے، اور (ان کی برکت سے لوگوں میں ایسا اتحاد و اتفاق ہو جائے گا، کہ) دو آدمی بھی ایسے نہیں رہیں گے جن میں باہم عداوت اور دشمنی ہو، پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے (ایک خاص قسم کی) ٹھنڈی ہوا چلائے گا، جس کا اثر یہ ہوگا، کہ روئے زمین پر کوئی ایسا شخص باقی نہیں رہے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی نیکی ہو، یا فرمایا: کہ ذرہ برابر ایمان ہو، (بہر حال اس ہو اسے تمام اہل ایمان، اور اہل خیر ختم ہو جائیں گے) یہاں تک کہ اگر تم میں سے کوئی شخص کسی پہاڑ کے اندر چلا جائے گا، تو یہ ہوا وہیں پہنچ کر اس کا خاتمہ کرے گی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، کہ اسکے بعد صرف خراب آدمی ہی دنیا میں رہ جائیں گے (جن کے دل ایمان اور نیکی سے بالکل خالی ہوں گے) ان میں پرندوں والی تیزی اور پھرتی، اور رندوں والا ذہن جمع ہوگا (اس کا مطلب بظاہر یہ ہے، کہ ان میں ظلم اور سفاکی تو درندوں کی سی ہوگی، اور اپنے ظالمانہ مقاصد اور اپنی ناپاک خواہشات کو پورا کرنے میں وہ ہلکے پھلکے برق رفتار پرندوں کی طرح تیز رو، اور پھر تیلے ہوں گے) نیکی اور بھلائی سے وہ مانوس نہ ہوں گے اور برائی کو وہ برائی نہ سمجھیں گے، (نہ اس کی مذمت کریں گے) پس شیطان ایک شکل بنا کر ان کے سامنے آئے گا، اور ان سے کہے گا، کیا تم شرم و حیا نہیں کرو گے، وہ کہیں گے کہ تم ہم کو کیا حکم دیتے ہو؟ (یعنی تم جو کہو، وہ ہم کریں) پس شیطان انہیں بتوں کی پرستش کا حکم دے گا (اور وہ اس کا اتباع کریں گے) اور وہ اس حال میں ہونگے، کہ رزق کی افراط اور بارش ہوگی، اور دنیوی زندگی بظاہر بڑی اچھی (عیش و نشاط والی زندگی) ہوگی۔ پھر صور پھونکا جائے گا، پس جو کوئی اس کو سنے گا، اس کی جانب گردن ایک طرف کو جھک جائے گی اور ایک طرف کو اٹھ جائے گی (یعنی ہر جسم پر سیدھا قائم نہ رہے گا، بلکہ ادھر یا ادھر کو لٹک جائے گا، جیسا کہ اس شخص کا حال ہو جاتا ہے جس پر اچانک کوئی ایسا دورہ پڑے جس سے اسکے رگ پٹھے بیکار اور بے جان ہو جائیں) اور سب سے پہلے جو شخص

۱۔ یہ ہوا اہل ایمان کے لئے رحمت کی ہوا ہوگی، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس لئے بھیجی جائے گی، کہ سب اچھے بندوں کو قیامت سے پہلے اٹھالیا جائے، تاکہ وہ قیامت کے شدائد سے محفوظ رہیں۔

صور کی آواز سنے گا (اور جس پر سب سے پہلے اس کا اثر پڑے گا) وہ ایک آدمی ہوگا، جو اپنے اونٹ کے حوض کو مٹی سے درست کر رہا ہوگا، پس وہ بے ہوش اور بے جان ہو کر گر جائے گا) یعنی مر جائے گا (اور دوسرے سب لوگ بھی اسی طرح بے جان ہو کر گر جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ (ایک ہلکی سی) بارش بھیجے گا، گویا کہ وہ شبنم ہے، اس کے اثر سے انسانوں کے جسموں میں روئیدگی آجائے گی پھر دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا۔ تو ایک دم سب کے سب کھڑے ہوں گے دیکھتے ہوں گے، پھر کہا جائے گا، کہ اے لوگو! اپنے مالک اور رب کی طرف چلو (اور فرشتوں کو حکم ہوگا، کہ) انہیں (حساب کے میدان میں) کھڑا کرو، ان سے پوچھا جائے گا (اور انکے اعمال کا حساب کتاب ہوگا) پھر حکم ہوگا، کہ ان میں سے دوزخ کی فوج نکالو، عرض کیا جائے گا، کہ کتنے میں سے کتنے؟ حکم ہوگا، کہ ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ ہوگا وہ دن، جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور یہی ہے دن سخت مصیبت اور مشقت کا۔

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے خروج دجال سے لیکر حشر تک کے بلکہ میدان حساب میں جمع ہونے تک کے، بعض واقعات کا تذکرہ فرمایا ہے، اس طرح کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں، جن میں قیامت سے پہلے ہونے والے بعض اہم واقعات، اور قیامت اور اسکے بعد کی منزلوں کا بیان اس نے بھی زیادہ اجمال کے ساتھ، یا اس سے کچھ زیادہ تفصیل سے کیا گیا ہے، ان سب حدیثوں کے متعلق یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ سینکڑوں، ہزاروں سال کی مدت میں ہونے والے واقعات کا بہت ہی مجمل بیان ان میں کیا گیا ہے، جو لوگ اس نکتہ کو ملحوظ رکھیں گے، انشاء اللہ وہ ان حدیثوں کے بارے میں بہت سے شبہات اور وساوس سے محفوظ ہو جائیں گے۔

حدیث کے آخر میں ذکر کیا گیا ہے، کہ فرشتوں کو بتلایا جائے گا، کہ ایک ہزار میں سے نو سو ننانوے جہنم والے ہیں، دنیا میں مومنین اور غیر مومنین کا جو تناسب ہے، اور جو اکثر زمانوں میں رہا ہے، اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے اہل جہنم کی یہ تعداد ۹۹۹/۱۰۰۰ مستجد نہیں معلوم ہوتی، تاہم بعض شارحین نے لکھا ہے، کہ ان ۹۹۹ فی ہزار میں سے بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہوگی، جو اگرچہ اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے دوزخ کے اہل ہوں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے یا شافعین کی سفارش سے آخر میں وہ نجات پا جائیں گے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّ مَغْفِرَتَكَ اَوْسَعُ مِنْ دُنُوْنِنَا وَرَحْمَتِكَ اَرْجٰی عِنْدَنَا مِنْ اَعْمَالِنَا۔

(۸۵) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ نَ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ أَنْعَمَ وَصَاحِبُ الصُّورِ قَدْ أَنْقَمَهُ وَأَضْفَى سَمْعَهُ وَقَتَّى جَبْهَتَهُ يَنْتَظِرُ مَتَى يُؤْمَرُ بِالنَّفْحِ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ قُولُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ.

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”میں کیونکر خوش اور بے غم ہو کر رہ سکتا ہوں، حالانکہ واقعہ یہ ہے، کہ صور والا فرشتہ صور کو اپنے منہ میں لئے ہوئے ہے، اور اپنا کان اسے لگا رکھا ہے اور اسکی پیشانی خیمہ اور جھکی ہوئی ہے، وہ انتظار کر رہا ہے کہ کب اس کو صور کے پھونک دینے کا حکم ہو، اور وہ پھونک دے، (یعنی جب مجھے اس واقعہ کا علم ہے، تو میں کیسے اس دنیا میں اطمینان سے اور خوشی سے رہ سکتا ہوں)“ صحابہؓ نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! تو ہمیں آپ کا کیا حکم ہے، (ان کا مطلب یہ تھا، کہ جب معاملہ اتنا خطرناک ہے، تو ہماری رہنمائی فرمائیے، کہ قیامت کی ہولناکیوں اور سختیوں سے بچنے کے لئے ہم کیا کریں؟)“ آپ نے ارشاد فرمایا: کہتے رہا کرو ”حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ“.

(ترمذی)

(۸۶) عَنْ أَبِي رَزِينٍ الْعُقَيْلِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ يُعِيدُ اللَّهُ الْخَلْقَ وَمَا آيَةُ ذَلِكَ فِي خَلْقِهِ قَالَ أَمَّا مَرَرْتُ بِوَادِي قَوْمِكَ جَذَ بَائِمٌ مَرَرْتُ بِهِ يَهْتَرُ خَصْرًا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَبَلَكَ آيَةُ اللَّهِ فِي خَلْقِهِ كَذَلِكَ يُخَبِّرُ اللَّهُ الْمَوْتَى.

(رواہ رزین)

(ترجمہ) ابو رزین عقیلی سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے (ایک دفعہ) عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ مخلوق کو دوبارہ کیسے پیدا کرے گا، اور (اس عالم میں) اس کی مخلوق میں اس کی کیا نشانی ہے (اور کیا دلیل اور مثال ہے) آپ نے فرمایا: ”کیا تمہارے لئے ایسا کبھی نہیں ہوا، کہ تم اپنی قوم کی وادی پر ایسی حالت میں گزرے ہو جبکہ وہ (پانی نہ برسنے کی وجہ سے) سبزے سے خالی اور خشک ہو، اور پھر کبھی ایسی حالت میں گزرے ہو کہ (پانی برس جانے کی وجہ سے) وہ ہری لہلہا رہی ہو۔ (ابو رزین کہتے ہیں) میں نے عرض کیا، ہاں! (ایسا ہوا ہے، اور میں نے یہ دونوں منظر دیکھے ہیں)۔ آپ نے فرمایا ”حیات بعد الموت کو سمجھنے کے لئے“ یہی اللہ کی نشانی اس کی مخلوق میں، ایسے ہی زندہ کر دے گا اللہ مردوں کو۔

(رزین)

(۸۷) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سِرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ

إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ كَأَنَّهُ رَأَى عَيْنٍ فَلْيَقْرَأْ إِذَا لَشَّمْسُ كُوْرَتْ وَإِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ
وَإِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ. (رواه احمد و الترمذی)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص کی یہ خوشی ہو، یعنی جو یہ چاہے کہ قیامت کا منظر وہ اس طرح دیکھے، کہ گویا سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے، تو قرآن مجید کی سورۃ اِذَا لَشَّمْسُ كُوْرَتْ، وَإِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ اور إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ پڑھے۔“

(۸۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذِهِ الْآيَةَ
يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا قَالَ أَتَذَرُونَ مَا أَخْبَارُهَا قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنْ
أَخْبَارُهَا أَنْ تَشْهَدَ عَلَى كُلِّ عَبْدٍ وَآمَةٍ بِمَا عَمِلَ عَلَى ظَهَرِهَا أَنْ تَقُولَ عَمِلَ
عَلَى كَذَا وَكَذَا يَوْمَ كَذَا وَكَذَا قَالَ فَهَذِهِ أَخْبَارُهَا. (رواه احمد و الترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۃ زلزال کی یہ آیت تلاوت فرمائی ”يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا“ (جس کا مطلب ہے کہ قیامت کے دن زمین اپنی سب خبریں بیان کرے گی) پھر حاضرین سے فرمایا، کیا تم جانتے ہو، کہ زمین کی خبریں کیا ہیں؟ انہوں نے عرض کیا، اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے، آپ نے فرمایا: اسکی خبریں یہ ہیں کہ وہ ہر بندہ اور ہر بندی کے متعلق شہادت دے گی، کہ اسے فلاں دن میرے اوپر فلاں کام کیا تھا، اور فلاں دن فلاں عمل کیا تھا، پس یہ ہیں زمین کی خبریں (جو قیامت کے دن وہ بیان کرے گی۔)

(تشریح) گویا انسان جو عمل زمین کے جس حصے پر کرتا ہے زمین کا وہ حصہ اس کو محفوظ رکھتا ہے، اور قیامت تک محفوظ رکھے گا، اور اللہ کے سامنے اس کی شہادت ادا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس دن اس پر اس وقت کی رسوائیوں سے حفاظت فرمائے۔

اس قسم کی چیزوں پر یقین لانا ایمان والوں کے لئے تو پہلے بھی مشکل نہ تھا۔ لیکن اب تو ریکارڈ وغیرہ کی ایجادوں نے ان باتوں کا سمجھنا، اور ان پر یقین کرنا سب کے لئے آسان کر دیا ہے۔
صدق اللہ عز و جل سنریہم ایاتنا فی الافاق وفی انفسہم:

(۸۹) عَنِ الْمُقَدِّدِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ تَذْنِي
الشَّمْسُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مِنَ الْخَلْقِ حَتَّى تَكُونَ مِنْهُمْ كَمِقْدَارِ مِيلٍ فَيَكُونُ النَّاسُ

عَلَىٰ قَدَرٍ أَعْمَالِهِمْ فِي الْعَرْقِ فَمِنْهُمْ مَنْ يَكُونُ إِلَىٰ كَعْبِيهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَكُونُ إِلَىٰ رُكْبَتَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَكُونُ إِلَىٰ حَقْوَيْهِ ، وَمِنْهُمْ مَنْ يُلْجِمُهُمُ الْعَرْقُ الْجَمَاعًا وَأَشَارَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدِهِ إِلَىٰ فِيهِ . (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت مقداد سے روایت ہے، فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ ارشاد فرماتے تھے، ”قیامت کے دن سورج مخلوق سے بہت قریب ہو جائے گا، یہاں تک کہ ان سے صرف ایک میل کے بقدر رہ جائے گا، اور (اس کی گرمی سے) لوگ بقدر اپنے اعمال کے پینہ پینہ ہو جائیں گے (یعنی جس کے اعمال جتنے بُرے ہوں گے، اسی قدر اس کو پینہ زیادہ چھوٹے گا) پس بعض وہ ہوں گے جن کا پینہ ان کے ٹخنوں تک آئے گا، اور بعض کا پینہ ان کے گھٹنوں تک ہوگا، اور بعض کانکے کولھوں کے اوپر تک (یعنی کمر تک) اور بعض وہ ہونگے جن کا پینہ ان کے منہ میں جا رہا ہوگا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذہن مبارک کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے دکھایا کہ ان کا پینہ یہاں تک پہنچ رہا ہوگا، اور ان کے اس منہ میں جا رہا ہوگا۔“ (مسلم)

(تشریح) قیامت اور آخرت میں پیش آنے والے ان واقعات کی جو واقعی نوعیت ہوگی اس کا اس دنیا میں صحیح تصور نہیں کیا جاسکتا، پورا انکشاف بس اسی وقت ہوگا، جبکہ یہ حقائق سامنے آئیں گے۔

(۹۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ثَلَاثَةَ أَصْنَافٍ صِنْفًا مُشَاةً وَصِنْفًا رُكْبَانًا وَصِنْفًا عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ يَمْشُونَ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ؟ قَالَ إِنَّ الَّذِي أَمَشَاهُمْ عَلَىٰ أَقْدَامِهِمْ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يَمْشِيَهُمْ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ أَمَا إِنَّهُمْ يَتَّقُونَ بِوُجُوهِهِمْ كُلَّ حَذَبٍ وَشَوْكٍ . (رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ ”قیامت کے دن سب آدمی تین قسموں اور تین گروہوں میں اٹھائے جائیں گے، ایک قسم پیدل چلنے والے، اور ایک قسم سوار، اور ایک قسم منہ کے بل چلنے والے۔“ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! یہ (تیسرے گروہ والے) منہ کے بل کس طرح چل سکیں گے؟“ آپ نے فرمایا: ”جس اللہ نے انہیں پاؤں کے بل چلایا ہے، وہ اس پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ ان کو منہ کے بل چلائے۔“ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ لوگ اپنے منہ کے ذریعے ہی زمین کے ہر میلے ٹھیرے، اور ہر کانٹے سے بچیں

گے۔

(ترمذی)

(تشریح) حدیث میں جن تین گروہوں کا ذکر کیا گیا ہے شارحین حدیث نے ان کی تفصیل اس طرح کی ہے، کہ پیدل چلنے والا گروہ عام اہل ایمان کا ہوگا، اور دوسرا گروہ جو سوار یوں پر ہوگا، وہ خاص مقررین اور عباد صالحین کا گروہ ہوگا، جن کا وہاں شروع ہی سے اعزاز و اکرام ہوگا، اور سر کے بل، اور منہ کے بل چلنے والے وہ بد نصیب ہوں گے، جنہوں نے اس دنیوی زندگی میں انبیاء علیہم السلام کی تعلیم اور ہدایت کے مطابق سیدھا چلنا قبول نہیں کیا، اور مرتے دم تک وہ الٹے ہی چلتے رہے۔ قیامت کے دن اس کی پہلی سزا انہیں یہ ملے گی، کہ سیدھے پاؤں پر چلنے کے بجائے وہاں وہ الٹے منہ کے اور سر کے بل چلائے جائیں گے، یہاں تک کہ جس طرح اس دنیا میں چلنے والے راستے کی اونچ نیچ سے، اور جھاڑیوں اور کانٹوں سے اپنے پاؤں کے ذریعہ بچ کر نکلتے ہیں، اسی طرح قیامت میں یہ سر کے بل چلنے والے وہاں کے راستے کی اونچ نیچ سے، اور وہاں کے کانٹوں سے اپنے سروں اور چہروں ہی کے ذریعہ بچ کر نکلیں گے، یعنی یہاں پر جو کام پاؤں سے کئے جاتے ہیں، وہاں وہ سب کام خدا کے ان مجرموں کو سر سے اور منہ سے کرنے پڑیں گے۔ اَللّٰہُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْہُمْ

(۹۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ أَحَدٍ يَمُوتُ إِلَّا نَدِمَ قَالَ أَوْ مَا نَدَامَتْهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ إِنْ كَانَ مُحْسِبًا نَدِمَ أَنْ لَا يَكُونُ إِذَا دَاوَى إِنْ كَانَ مُسِيئًا نَدِمَ أَنْ لَا يَكُونُ نَزَعَ.

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص بھی مرے گا، اس کو (مرنے کے بعد اپنی زندگی پر) ندامت اور پشیمانی ضرور ہوگی۔“ عرض کیا گیا کہ: حضرت! اس کو ندامت کیوں ہوگی، اور اس کا کیا سبب ہوگا، آپ نے فرمایا، اگر وہ مرنے والا نیکو کار ہوگا، تو اس کو تو اس کی ندامت اور حسرت ہوگی، کہ اس نے نیکو کاری میں اور زیادہ ترقی کیوں نہیں کی (اور جو حسنت وہ کما کے لایا ہے اس سے زیادہ کیوں نہیں کما کے لایا) اور اگر وہ بدکار ہوگا، تو اس کو اس کی ندامت و حسرت ہوگی، کہ وہ بدکاری سے باز کیوں نہیں رہا۔“

(ترمذی)

اللہ کے حضور میں پیشی اور اعمال کی جانچ!

(۹۲) عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تَرْجُمَانٌ وَلَا حِجَابٌ يَحْجُبُهُ فَيَنْظُرُ أَيْمَنَ مِنْهُ فَلَا يَرَى إِلَّا مَا قَدَّمَ مِنْ عَمَلِهِ وَيَنْظُرُ أَشْأَمَ مِنْهُ فَلَا يَرَى إِلَّا مَا قَدَّمَ وَيَنْظُرُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلَا يَرَى إِلَّا النَّارَ تَلْقَاءَ وَجْهِهِ فَاتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ.

(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) عدی بن حاتم سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”(قیامت میں) تم میں سے ہر شخص سے اس کا پروردگار اس طرح بلا واسطہ اور دہدہ و کلام فرمائے گا، کہ نہ درمیان میں کوئی ترجمان ہوگا، نہ کوئی پردہ حائل ہوگا (اس وقت بندہ کی یہ کیفیت ہوگی کہ وہ حیرت اور بے بسی سے اُدھر اُدھر دیکھے گا)۔ پس جب نظر کرے گا اپنی دائیں جانب، تو سوائے اپنے اعمال کے کچھ اس کو نظر نہ آئے گا، اور جب سامنے نظر دوڑائے گا، تو اپنے روبرو آگ ہی آگ دیکھے گا، پس اے لوگو! دوزخ کی اس آگ سے بچو، اگرچہ خشک کھجور کے ایک خشک ٹکڑے ہی کے ذریعہ اس سے بچنے کی فکر کرو۔“

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ آتش دوزخ سے بچنے کے لئے صدقہ کرو، اور اگر کھجور کے ایک خشک ٹکڑے کے سوا تمہیں کچھ میسر نہ ہو تو راہ خدا میں وہی دے کے دوزخ سے بچنے کی فکر کرو۔

(فائدہ) قرآن مجید میں اور احادیث میں بھی جہاں جہاں قیامت کے حساب اور وہاں کے ہولناک منظروں کا اور دوزخ کے لرزہ خیز عذابوں کا ذکر کیا گیا ہے، وہ اس لئے ہے کہ بندے اس سے خبردار ہو کر اپنے کو اس سے بچانے کی فکر کریں، اس حدیث میں تو آخر میں صراحت کے ساتھ اس مقصد کو بیان بھی فرمادیا گیا ہے لیکن جن حدیثوں میں اس مقصد کی تصریح نہ بھی کی گئی ہو، ان کا مقصد بھی یہی سمجھنا چاہئے، اور اس سلسلہ کی تمام آیات و احادیث سے ہم کو یہی سبق لینا چاہئے۔

(۹۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلْ نَرَى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَمَةِ؟ قَالَ هَلْ تُنْظَرُونَ فِي رُؤْيَا الشَّمْسِ فِي الظُّهْرِ لَيْسَتْ فِي سَحَابَةٍ قَالُوا لَا قَالَ فَهَلْ

تُضَارُونَ فِي رُؤْيَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَيْسَ فِي سَحَابَةٍ قَالُوا لَا قَالَ قَوْلَ الَّذِي نَفْسِي
بِيَدِهِ لَا تُضَارُونَ فِي رُؤْيَةِ رَبِّكُمْ إِلَّا كَمَا تُضَارُونَ فِي رُؤْيَةِ أَحَدِهِمَا قَالَ
فَيَلْقَى الْعَبْدَ فَيَقُولُ آيَةُ فُلٍ أَلَمْ أَكْرِمَكَ أَسْوَدَكَ وَوَزَوَّجَكَ وَأَسَخَّرَكَ
النَّحِيلَ وَالْإِبِلَ وَأَذَرَكَ تَرَأْسَ وَتَرْبَعُ فَيَقُولُ بَلَى قَالَ فَيَقُولُ أَفَطَنْتَ إِنَّكَ مُلَاقٍ
فَيَقُولُ لَا فَيَقُولُ فَإِنِّي قَدْ أَنَسَاكَ كَمَا نَسِيتَنِي ثُمَّ يَلْقَى الثَّانِي فَلَكَرَ مِنْهُ ثُمَّ
يَلْقَى الثَّلَاثَ فَيَقُولُ لَهُ مِثْلَ ذَلِكَ فَيَقُولُ لَهُ مِثْلَ ذَلِكَ فَيَقُولُ يَا رَبِّ أَمِنْتُ بِكَ
وَبِكِتَابِكَ وَبِرُسُلِكَ وَصَلَّيْتُ وَصُمْتُ وَتَصَدَّقْتُ وَيَتَنَبَّأُ بِخَيْرٍ مَا اسْتَطَاعَ
فَيَقُولُ هَهُنَا إِذَا، ثُمَّ يَقَالُ آيَاتُ نَبْعَتْ شَاهِدًا عَلَيْكَ وَتَتَفَكَّرُ فِي نَفْسِهِ مَنْ
ذَ الَّذِي يَشْهَدُ عَلَيَّ فَيُخْتَمُ عَلَى فِيهِ وَيُقَالُ لَفَخِذِهِ انْطَقَى فَنُطِقَ فَيَخِذُهُ وَلِحْمُهُ
وَ عِظَامُهُ بِعَمَلِهِ وَذَلِكَ لِيُعَذِّرَ مِنْ نَفْسِهِ وَذَلِكَ الْمُنَافِقُ وَ ذَلِكَ الَّذِي سَخِطَ
اللَّهُ عَلَيْهِ. (رواه مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہتے ہیں، کہ بعض صحابہؓ نے عرض کیا، ”یا
رسول اللہ! کیا قیامت کے دن ہم اپنے پروردگار کو دیکھیں گے؟“ آپ نے فرمایا ”کیا دو پہر
کے وقت میں آفتاب کے دیکھنے میں، جبکہ وہ بدلی میں بھی نہ ہو، تم میں کوئی کشمکش ہوتی ہے؟“
انہوں نے عرض کیا، ”نہیں!“ پھر آپ نے فرمایا: ”کیا چودھویں رات کے چاند کے دیکھنے
میں، جبکہ وہ بدلی میں بھی نہ ہو، تم میں کوئی کشمکش اور کوئی رد و کد ہوتی ہے؟“ انہوں نے عرض
کیا ”نہیں!“ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”قسم ہے اس ذات کی، جس کے قبضے
میں میری جان ہے تم جس طرح چاند اور سورج کو بلا کسی کشمکش اور بغیر کسی اختلاف اور نزاع
کے دیکھتے ہو، اسی طرح قیامت میں اپنے پروردگار کو دیکھو گے۔“

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ قیامت میں جب اللہ سے ایک بندہ کا سامنا ہوگا،
تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا، اے فلا نے کیا میں نے دنیا میں تجھے عزت نہیں دی تھی، کیا
تجھے تیری قوم میں سرداری نہیں دی تھی، کیا تجھے بیوی نہیں عطا کی تھی، اور کیا تیرے لئے
گھوڑے اور اونٹ (سوار یوں) کو مسخر نہیں کیا تھا، اور کیا میں نے تجھے چھوڑے نہیں رکھا تھا،
کہ تو ریاست اور سرداری کے، اور مالی غنیمت میں سے چوتھا ہی وصول کرے، وہ بندہ عرض
کرے گا، ہاں! اے پروردگار آپ نے یہ سب کچھ مجھے عطا فرمایا تھا، پھر اللہ تعالیٰ اس سے
فرمائے گا، تو کیا تجھے اس کا خیال اور گمان تھا، کہ تو ایک دن میرے سامنے آئے گا؟ وہ عرض
کرے گا، میں یہ خیال نہیں کرتا تھا، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا، آج میں تجھے اپنے رحم و کرم

سے اسی طرح بھلاتا ہوں، جس طرح تو نے مجھے بھلائے رکھا تھا۔ اسکے بعد اللہ تعالیٰ سے دوسرے ایک بندہ کا سامنا ہوگا، اور اس سے بھی حق تعالیٰ اسی طرح فرمائے گا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ تیسرے ایک بندہ سے ملے گا، اور اس سے بھی اسی طرح فرمائے گا، یہ بندہ عرض کرے گا، کہ اے پروردگار میں تجھ پر ایمان لایا، اور تیری کتاب پر، اور تیرے رسولوں پر ایمان لایا، اور میں نے نمازیں پڑھیں، اور روزے رکھے، اور صدقہ بھی ادا کیا (اور اس کے علاوہ بھی) وہ بندہ خوب اپنے اچھے کارنامے بیان کرے گا، جہاں تک بھی بیان کر سکے گا، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا، یہاں ٹھہرا پھر اس سے کہا جائے گا، کہ ہم ابھی تجھ پر ایک گولہ قائم کرتے ہیں، اور وہ اپنے جی میں سوچے گا، کہ وہ کون ہوگا جو مجھ پر گواہی دے گا، پھر اسکے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اس کی ران کو حکم دیا جائے گا، کہ بول! تو اس کی ران اور اس کا گوشت، اور اسکی ہڈیاں اس کے اعمال کی گواہی دیں گے، اور اللہ تعالیٰ یہ اس لئے کرے گا، کہ اس کا عذر باقی نہ رہے، اور یہ منافق ہوگا، اور اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوگا۔ (مسلم)

(تشریح) پوچھنے والوں نے رسول اللہ ﷺ سے صرف اتنا پوچھا تھا، کہ کیا قیامت میں ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکیں گے؟ آپ نے چاند اور سورج کی مثال دے کر یہ سمجھا دینا چاہا، کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کا دیکھنا اتنے واضح طریقے پر ہوگا جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ ہوگی، نیز یہ بھی آپ نے واضح فرمایا، کہ جس طرح چاند اور سورج کو مشرق و مغرب کے کروڑوں آدمی بیک وقت دیکھتے ہیں، اور بالکل یکساں طور پر دیکھتے ہیں، اور انکے درمیان کوئی کشمکش نہیں ہوتی، اسی طرح قیامت میں سب اللہ تعالیٰ کو بھی دیکھ سکیں گے۔ پھر مزید برآں آپ نے یہ بھی فرمایا، کہ بعض لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بڑی بڑی نعمتیں دے رکھی ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ کو بالکل بھولے ہوئے ہیں، اور آخرت کی پیشی سے بالکل بے فکر ہو گئے ہیں، جب قیامت میں اللہ تعالیٰ سے انکا سامنا ہوگا، اور اللہ تعالیٰ ان سے باز پرس کرے گا، تو اس دن وہ کیسے لاجواب، اور کیسے ذلیل و خوار ہوں گے، اور ان میں سے جو دیدہ ور اور بے حیا منافق اس وقت غلط بیانی کریں گے، اللہ تعالیٰ خود انہیں کے اعضاء سے اور انہیں کے گوشت، اور انہیں کی ہڈیوں سے ان کے خلاف گواہی دلو کر ان پر حجت قائم فرمادیں گے، اور اس طرح علی رؤس الاشهاد ان کے جھوٹ، اور ان کی منافقت کا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے اصل سوال سے زائد یہ بیان، سوال کرنے والے صحابہ کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کرنے کے لئے فرمایا، کہ قیامت میں صرف اللہ تعالیٰ کا دیکھنا ہی نہ ہوگا بلکہ حق تعالیٰ

نے جو نعمتیں جس کو دی ہیں اس وقت وہ ان کی بابت پوچھ گچھ بھی کرے گا۔ (ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ) اور جن لوگوں نے اللہ کے احکام سے بے پروا ہو کر اور آخرت کی پیشی سے بے فکر رہ کر ان نعمتوں کو دنیا میں استعمال کیا ہوگا، وہ اس دن سیاہ ہوں گے، اور وہاں کسی کی مکاری اور عیاری بالکل پردہ پوشی نہ کر سکے گی۔

(۹۴) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ يُذْنِي الْمُؤْمِنَ فَيَضَعُ عَلَيْهِ كُفَّهُ وَيَسْتَرُّهُ فَيَقُولُ أَتَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا فَيَقُولُ نَعَمْ أَيْ رَبِّ أَوْ حَتَّى قُدْرَهُ بِذُنُوبِهِ وَرَأَى فِي نَفْسِهِ أَنَّهُ قَدْ هَلَكَ قَالَ سَتَرْتُهَا لَكَ فِي الدُّنْيَا وَأَنَا أَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ فَيُعْطَى كِتَابَ حَسَنَاتِهِ وَأَمَّا الْكُفَّارُ وَالْمُنَافِقُونَ فَيُنَادَى بِهِمْ عَلَى رُؤُسِ الْخَلَائِقِ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى رَبِّهِمْ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ۝

(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت میں اللہ تعالیٰ ایمان والے اپنے بندے کو (اپنی رحمت سے) قریب کرے گا، اور اس پر اپنا خاص پردہ ڈالے گا، اور دوسروں سے اس کو پردہ میں کر لے گا، پھر اس سے پوچھے گا، کہ کیا تو پہچانتا ہے فلاں گناہ، فلاں گناہ! (یعنی کیا تجھے یاد ہے، کہ تو نے یہ یہ گناہ کئے تھے؟) وہ عرض کرے گا ہاں! اے پروردگار! مجھے یاد ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسکے سارے گناہوں کا اس سے اقرار کرالے گا، اور وہ اپنے جی میں خیال کرے گا کہ میں تو ہلاک ہوا (یعنی اس کو خیال ہوگا، کہ جب اتنے میرے گناہ ہیں، تو اب میں کیسے چھٹکارا پا سکوں گا) پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میں نے دنیا میں تیرے ان گناہوں کو چھپایا تھا، اور آج میں ان کو بخشتا ہوں اور معافی دیتا ہوں، پھر اس کا نیکیوں والا اعمال نامہ اسکے حوالے کر دیا جائے گا (یعنی اہل محشر کے سامنے صرف نیکیوں والا ہی اعمال نامہ آئے گا، اور گناہوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ پردہ ہی پردہ میں ختم کر دیں گے) لیکن اہل کفر اور منافقین کا معاملہ یہ ہوگا، کہ ان کے متعلق برسر عام پکارا جائے گا، کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے اللہ پر جھوٹی جھوٹی باتیں باندھیں (یعنی غلط اور بے اصل خیالات کو اللہ کی طرف نسبت دے کر اپنا دین و مذہب بنایا) خبردار اللہ کی لعنت ہے ایسے ظالموں پر۔

(۹۵) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا ذَكَرَتْ النَّارَ فَبَكَتْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يُبْكِيكِ قَالَتْ ذَكَرْتُ النَّارَ فَبَكَيْتُ فَهَلْ تَذْكُرُونَ أَهْلِيكُمْ يَوْمَ

الْقِيَمَةِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا فِي ثَلَاثَةِ مَوَاطِنَ فَلَا يَذْكُرُ أَحَدٌ أَحَدًا عِنْدَ الْمِيزَانِ حَتَّى يَعْلَمَ أَيْخَفُ مِيزَانُهُ أَمْ يَثْقُلُ وَعِنْدَ الْكِتَابِ حِينَ يُقَالُ هَؤُلَاءِ أَفْرَوْ كِتَابِيهِ حَتَّى يَعْلَمَ أَيْنَ يَقَعُ كِتَابُهُ فِي يَمِينِهِ أَمْ فِي شِمَالِهِ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِهِ وَعِنْدَ الصِّرَاطِ إِذَا وُضِعَ بَيْنَ ظَهْرَيْنِ جَهَنَّمَ. (رواه ابو داؤد)

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ انہیں ایک دفعہ دوزخ کا خیال آیا، اور وہ رونے لگیں، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا، تمہیں کس چیز نے رلایا؟ عرض کیا، مجھے دوزخ یاد آئی، اور اسی کے ٹھونسنے مجھے رلایا ہے، تو کیا آپ قیامت کے دن اپنے گھر والوں کو یاد رکھیں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تین جگہ تو کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا (اور کسی کی خبر نہیں لے گا) ایک وزن اعمال کے وقت، جب تک کہ یہ نہ معلوم ہو جائے، کہ اسکے اعمال کا وزن ہلکا ہے یا بھاری، اور دوسرے اعمال ناموں کے ملنے کے وقت جبکہ مرد مومن دانے ہاتھ میں اپنا اعمال نامہ پا کر خوشی خوشی دوسرے سے کہے گا، کہ پڑھو میرا اعمال نامہ، یہاں تک کہ معلوم ہو جائے، کہ کس ہاتھ میں دیا جاتا ہے اس کا اعمال نامہ، آیا دانے ہاتھ میں، یا پیچھے کی جانب سے بائیں ہاتھ میں، اور تیسرے پل صراط پر جبکہ وہ رکھا جائے گا، جہنم کے اوپر (اور حکم دیا جائے گا) سب کو اس پر سے گزرنے کا۔ (ابوداؤد)

(تشریح) رسول اللہ ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہوا کہ یہ تین وقت ایسے نفسہ نفسی کے ہوں گے کہ ہر ایک کو صرف اپنی فکر ہوگی، اور کوئی کسی دوسرے کی مدد نہ کر سکے گا، ایک وزن اعمال کا وقت، جب تک کہ نتیجہ معلوم نہ ہو جائے گا، اور دوسرا وہ وقت جب لوگ اپنے اپنے اعمال ناموں کے منتظر ہوں گے، اور ہر ایک اس فکر میں غرق ہوگا، کہ اس کا اعمال نامہ دانے ہاتھ میں دیا جاتا ہے یا بائیں ہاتھ میں دیا جاتا ہے، وہ مغفرت اور رحمت کا مستحق قرار پاتا ہے، یا لعنت اور عذاب کا، اور تیسرے اس وقت، جبکہ صراط کا پل جہنم پر لگا دیا جائے گا اور اس پر سے گزرنے کا حکم ہوگا، تو یہ تین وقت ایسے نفسہ نفسی کے ہوں گے کہ ہر ایک اپنی ہی فکر میں ڈوبا ہوگا، اور کوئی کسی کی خبر نہ لے سکے گا۔

اس حدیث کی روح اور رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا منشاء بس یہی ہے، کہ ہر شخص آخرت کی فکر کرے، اور کوئی کسی دوسرے کے بھروسہ نہ رہے۔

قیامت میں حقوق العباد کا انصاف

(۹۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَ رَجُلٌ فَقَعَدَ بَيْنَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ لِي مَمْلُوكِينَ يَكْذِبُونَنِي وَيَخُونُونَنِي وَيَعْصُونَنِي وَأَشْتُمُهُمْ وَأَضْرِبُهُمْ فَكَيْفَ أَنَا مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يُحْسَبُ مَا خَانُوكَ وَعَصَوْكَ وَكَذَّبُوكَ وَعِقَابُكَ إِيَّاهُمْ فَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ بِقَدَرِ ذُنُوبِهِمْ كَانَ كَفَافًا لَكَ وَلَا عَلَيْكَ وَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ ذُوْنَ ذُنُوبِهِمْ كَانَ فَضْلًا لَكَ وَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ فَوْقَ ذُنُوبِهِمْ أَقْتَصَّ لَهُمْ مِنْكَ الْفَضْلُ فَتَنَحَّى الرَّجُلُ وَجَعَلَ يَهْتِفُ وَيَبْكِي فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا تَقْرَأُ قَوْلَ اللَّهِ تَعَالَى وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَمَةِ فَلَا تَظْلُمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَى بِنَا حَاسِبِينَ، فَقَالَ الرَّجُلُ مَا أَجِدُنِي وَلَهُؤُلَاءِ شَيْئًا خَيْرًا مِنْ مُقَارَفَتِهِمْ أَشْهَدُكَ أَنَّهُمْ كُلُّهُمْ أَحْرَارٌ.

(رواه الترمذی)

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپ کے سامنے بیٹھ گیا، پھر عرض کیا، یا رسول اللہ! میرے پاس کچھ غلام ہیں (جن کی حالت یہ ہے کہ بسا اوقات وہ مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں، میری چیزوں میں خیانتیں بھی کرتے ہیں، میری نافرمانی بھی کرتے ہیں، اور میں (ان کی ان حرکتوں پر) کبھی انہیں گالیاں دیتا ہوں اور کبھی مارتا بھی ہوں، پس کیا حال ہوگا میرا قیامت کے دن ان کی وجہ سے (یعنی اللہ تعالیٰ میرا اور ان کا فیصلہ کس طرح فرمائے گا) رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا: کہ ”تمہارے ان غلاموں نے تمہاری جو خیانت اور نافرمانی کی ہوگی، اور تم سے جو جھوٹ بولے ہوں گے، اور پھر تم نے ان کو جو سزائیں دی ہوگی، قیامت کے دن ان سب کا پورا پورا حساب کیا جائے گا، پس اگر تمہاری سزا ان کے قصوروں کے بقدر ہی ہوگی تو معاملہ برابر پر ختم ہو جائے گا، نہ تم کو کچھ ملے گا اور نہ تمہیں کچھ دینا پڑے گا، اور اگر تمہاری سزا ان کے قصوروں سے کم ثابت ہوگی تو تمہارا فاضل حق تمہیں وہاں ملے گا، اور اگر تمہاری سزا ان کے قصوروں سے زیادہ ثابت ہوگی، تو تم سے اس کا بدلہ اور قصاص ان کو دلوایا جائے گا (جب اس شخص نے رسول اللہ ﷺ کا یہ جواب سنا) تو آپ کے پاس سے ایک طرف کو ہٹ کر رونے اور چلانے لگا (یعنی قیامت کے اس محاسبہ اور پھر وہاں کے عذاب کے

خوف سے جب اس پر گریہ غالب ہوا تو وہ اب کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے اٹھ گیا، اور ایک طرف کو ہٹ کر بے اختیار رونے اور چلانے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر اس سے فرمایا، کیا تم قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں پڑھتے:

وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ
الْقِيَمَةِ فَلَا تَظْلِمُ نَفْسٌ شَيْئًا
وَأِنْ كَانَ مِنْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ
خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَى بِنَا
حَاسِبِينَ ۝

اور ہم قائم کریں گے قیامت کے دن انصاف کی
میزانیں، پس نہیں ظلم ہوگا، کسی نفس پر کچھ
بھی، اور اگر ہوگا کسی کا عمل، یا حق، برائی کے ایک
دانے کے برابر حاضر کریں گے ہم اُس کو بھی، اور
کافی ہیں ہم حساب کرینوالے۔ اس شخص نے

عرض کیا، یا رسول اللہ! (یہ سب کچھ سننے کے بعد) میں اپنے لئے اور ان کے لئے اس سے بہتر
کچھ نہیں سمجھتا، کہ (لوچہ اللہ آزاد کر کے) ان کو اپنے سے الگ کر دوں، میں آپ کو گواہ کرتا
ہوں کہ میں نے ان کو آزاد کر دیا اور اب وہ آزاد ہیں۔

(تشریح) ایمان کی یہی شان ہے، اور سچے ایمان والوں کا طرزِ عمل یہی ہونا چاہئے کہ جس چیز
میں آخرت کا خطرہ نظر آئے اس سے بچا جائے، اگرچہ دنیوی نقطہ نظر سے اس میں اپنا کتنا ہی
نقصان ہو۔

میزان اعمال میں اللہ کے نام کا وزن!

(۹۷) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ
سَيَخْلِصُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي عَلَى رَأْسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَيَنْشُرُ عَلَيْهِ تِسْعَةَ وَ
تِسْعِينَ سِجِلًّا كُلُّ سِجِلٍّ مِثْلَ مَدِّ الْبَصَرِ ثُمَّ يَقُولُ أَتَنْكِرُ مِنْ هَذَا شَيْئًا أَظْلَمَكَ
كَتَبْتَنِي الْخَفِظُونَ فَيَقُولُ لَا يَا رَبِّ فَيَقُولُ أَفَلَاكَ عُذْرٌ قَالَ لَا يَا رَبِّ فَيَقُولُ بَلَى
إِنَّ لَكَ عِنْدَنَا حَسَنَةً وَإِنَّهُ لَا ظَلَمَ عَلَيْكَ الْيَوْمَ فَتُخْرَجُ بِطَاقَةٍ فِيهَا أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ
إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ فَيَقُولُ أَحْضِرْ وَزَنِّكَ فَيَقُولُ يَا رَبِّ
مَا هَذِهِ الْبِطَاقَةُ مَعَ هَذِهِ السِّجِلَّاتِ فَيَقُولُ إِنَّكَ لَا تَظْلِمُ قَالَ فَتُوضَعُ
السِّجِلَّاتُ فِي كِفَّةٍ فَطَاشَتِ السِّجِلَّاتُ وَثَقَلَتِ الْبِطَاقَةُ فَلَا يُثْقَلُ مَعَ اسْمِ اللَّهِ
شَيْءٌ.

(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: ”

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ایک شخص کو ساری مخلوق کے روبرو الگ نکالے گا، اور اسکے سامنے ننانوے دفتر کھولے جائیں گے، جن میں ہر دفتر کی لمبائی گویا حد نظر تک ہوگی، (یہ دفتر اسکے اعمال نامے ہوں گے) پھر اس سے فرمایا جائے گا، کہ (تیرے جو اعمال ان دفاتروں میں لکھے ہوئے ہیں) کیا ان میں سے کسی کا تجھے انکار ہے؟ کیا تیرے اعمال کی نگرانی کرنے والے، اور لکھنے والے میرے فرشتوں نے تجھ پر ظلم کیا ہے (اور غلط طور پر کوئی گناہ تیرے اعمال نامے میں لکھ دیا ہے)۔ وہ عرض کرے گا نہیں پروردگار! (مجھ پر کسی نے ظلم نہیں کیا ہے، بلکہ یہ سب میرے کئے ہوئے اعمال ہیں)۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تو کیا تیرے پاس کوئی عذر ہے، وہ عرض کرے گا، خداوند امیرے پاس کوئی عذر بھی نہیں (یہاں تک کہ سوال و جواب سے خود اس شخص کو اور دوسرے لوگوں کو بھی خیال ہو گا کہ یہ بندہ اب گرفت اور عذاب سے کہاں بچ سکے گا، لیکن ارحم الراحمین کی رحمت کا اس طرح ظہور ہو گا کہ) اللہ تعالیٰ اس شخص سے فرمائیں گے، ہاں! ہمارے پاس تیری ایک خاص نیکی بھی ہے، اور آج تیرے ساتھ کوئی ظلم نہیں ہو گا (اور اس نیکی کے فائدہ سے تجھے محروم نہیں کیا جائے گا)۔ یہ فرما کر کاغذ کا ایک پرزہ نکالا جائے گا۔ اس میں لکھا ہو گا ”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ“۔ اور اس بندے سے کہا جائے گا کہ اپنے اعمال کے وزن کے پاس حاضر ہو (یعنی چل کر اپنے سامنے وزن کرا) وہ عرض کرے گا، خداوند! ان دفاتروں کے سامنے اس پرزہ کی کیا حقیقت ہے، اور ان سے اس کو کیا نسبت ہے (یعنی میں وہاں جا کر کیا دیکھوں گا، اور کیا کروں گا، نتیجہ تو معلوم ہی ہے، کہاں اتنے بڑے بڑے ننانوے دفتر، اور کہاں یہ ذرا سا پرزہ) اللہ تعالیٰ فرمائے گا، نہیں تجھ پر ظلم نہیں کیا جائے گا، (بلکہ پورا پورا انصاف کیا جائے گا، جس پرزہ کو تو معمولی اور بے وزن سمجھ رہا ہے تیرے سامنے اس کا بھی وزن کیا جائے گا، اور آج اس کا، اور اس میں لکھے ہوئے ایمانی کلمہ کا وزن ظاہر ہو گا اور اس کا تجھے پورا پورا فائدہ پہنچایا جائے گا، اسلئے مایوس نہ ہو، اور میزان کے پاس جا کر وزن کو دیکھ) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد وہ ننانوے دفتر ایک پلڑے میں رکھے جائیں گے، اور کاغذ کا وہ پرزہ دوسرے پلڑے میں، پس بلکہ ثابت ہوں گے وہ دفتر اور بھاری رہے گا وہ پرزہ، اور کوئی چیز بھاری نہیں ہو سکتی، اللہ کے نام کے مقابلے میں۔

(ترمذی، ابن ماجہ)

(تشریح) بعض شارحین نے اس حدیث کی توجیہ میں لکھا ہے کہ یہ شہادت کا وہ کلمہ ہو گا جو کفر و شرک سے نکلنے کے لئے اور ایمان و اسلام میں آنے کے لئے پہلی دفعہ دل و زبان سے پڑھا گیا ہو گا، قیامت میں وزن اعمال کے وقت اس کا یہ اثر ظاہر ہو گا، کہ ساری عمر کے پہلے گناہ اسکے اثر

سے بے وزن اور بے اثر ہو جائیں گے پہلے بھی ایک حدیث گزر چکی ہے: ”إِنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ“ (یعنی اسلام قبول کرنے سے وہ سارے گناہ ختم ہو جاتے ہیں جو پہلی زندگی میں آدمی نے کئے ہوں)۔

اور ایک دوسری توجیہ اس حدیث کی یہ بھی کی گئی ہے کہ یہ معاملہ اس شخص کا ہو گا جو مدت دراز تک غفلت اور بے پروائی سے گناہ پر گناہ کرتا رہا اور دفتر کے دفتر لکھے جاتے رہے، پھر اللہ نے اسے توفیق دی ورنہ اس کی گہرائی سے اور پورے اخلاص سے اس کلمہ شہادت اور کلمہ ایمان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنی ایمانی نسبت کو درست کر لیا، اور اسی پر اس کو موت آگئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

آسان حساب

(۹۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي بَعْضِ صَلَوَاتِهِ اللَّهُمَّ حَسِبْنِي حَسَابًا يَسِيرًا قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ مَا لِحِسَابِ الْيَسِيرِ قَالَ أَنْ يُنْظَرَ فِي كِتَابِهِ فَيَتَجَاوَزَ عَنْهُ إِنَّهُ مَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ يَوْمَئِذٍ يَاعَائِشَةُ هَلَكَ (رواہ احمد)

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ میں نے بعض نمازوں میں رسول اللہ

ﷺ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا:

اللَّهُمَّ حَسِبْنِي حَسَابًا يَسِيرًا (اے اللہ! میرا حساب آسان فرما)

میں نے عرض کیا ”حضرت! آسان حساب کا کیا مطلب ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”آسان حساب یہ ہے کہ بندہ کے اعمال نامہ پر نظر ڈالی جائے اور اس سے درگزر کی جائے (یعنی کوئی پوچھ گچھ، اور جرح نہ کی جائے) بات یہ ہے کہ جس کے حساب میں اس دن جرح کی جائے گی، اے عائشہ (اس کی خیر نہیں) وہ ہلاک ہو جائے گا۔ (مسند احمد)

ایمان والوں کیلئے قیامت کا دن کیسا ہلکا اور مختصر ہو گا

(۹۹) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ أَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَخْبِرْنِي مَنْ يَقْوَى عَلَى الْقِيَامِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ الَّذِي قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ ”يَوْمَ يَقُومُ

گے (یعنی سب میدانِ حشر میں جمع ہو جائیں گے) ”پھر اللہ کا منادی پکارے گا، کہ کہاں ہیں وہ بندے جن کے پہلور اتوں کو بستروں سے الگ رہتے تھے (یعنی اپنے بستر چھوڑ کر جو راتوں کو تہجد پڑھتے تھے) پس وہ اس پکار پر کھڑے ہو جائیں گے، اور ان کی تعداد زیادہ نہ ہوگی، پھر وہ اللہ کے حکم سے بغیر حساب کتاب کے جنت میں چلے جائیں گے اس کے بعد باقی تمام لوگوں کے لئے حکم ہوگا کہ وہ حساب کے لئے حاضر ہوں۔ (شعب الایمان للبیہقی)

اُمّتِ محمدیہ کی بہت بڑی تعداد کا حساب کے بغیر جنت میں داخلہ

(۱۰۱) عَنْ أَبِي أَمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ وَعَدَنِي رَبِّي أَنْ يُدْخِلَ الْجَنَّةَ مَنْ أَمَتْنِي سَبْعِينَ أَلْفًا حَسَابَ عَلَيْهِمْ وَلَا عَذَابَ مَعَ كُلِّ أَلْفٍ سَبْعُونَ أَلْفًا وَثَلَاثَ حَتَّيَاتٍ مِنْ حَتَّيَاتِ رَبِّي.

(رواہ احمد و الترمذی، وابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ ”میرے پروردگار نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری اُمت میں سے ستر ہزار کو وہ بغیر حساب اور بغیر عذاب کے جنت میں بھیجے گا، اور ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہی ہزار اور ہوں گے۔ اور تین چھپے اور میرے پروردگار کے حثیات میں سے (میری امت میں سے بغیر حساب اور بغیر عذاب کے جنت میں بھیجے جائیں گے)“

(تشریح) جب دونوں ہاتھ بھر کر کسی کو کوئی چیز دی جائے، تو عربی میں اُس کو حثیہ کہتے ہیں جس کو اردو اور ہندی میں لپ بھر کے دینا کہتے ہیں، تو حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی امت میں سے ستر ہزار کو بلا حساب اور بلا عذاب جنت میں داخل کرے گا، اور پھر ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہی اور اسی طرح بلا حساب و عذاب جنت میں جائیں گے۔ اور اس سب کے علاوہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص شانِ رحمت سے اس امت کی بہت بڑی تعداد کو تین دفعہ کر کے اور جنت میں بھیجے گا، اور یہ سب وہی ہونگے جو بغیر حساب اور بغیر عذاب کے جنت میں داخل ہونگے۔

سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ

(انتباہ) اس قسم کی حدیثوں کی پوری حقیقت اسی وقت کھلے گی، جب یہ سب باتیں عملی طور پر سامنے آئیں گی، اس دنیا میں تو ہمارا علم و ادراک اتنا ناقص ہے کہ بہت سے ان واقعات کو صحیح طور پر سمجھنے سے بھی ہم قاصر رہتے ہیں، جن کی خبریں ہم اخباروں میں پڑھتے ہیں، مگر اس قسم کے واقعات کا بھی ہم نے تجربہ اور مشاہدہ کیا ہوا نہیں ہوتا۔ صَدَقَ رَبُّنَا عَزَّ وَجَلَّ ”وَمَا أَوْفَيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا“

حوضِ کوثر، صراط اور میزان

حدیثوں میں آخرت کی جن چیزوں کا نام کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے ان میں سے یہ تین چیزیں بھی ہیں، ایک حوضِ کوثر، دوسری صراط، اور تیسری میزان۔

پھر کوثر کو بعض احادیث میں حوض کے لفظ سے بھی ذکر کیا گیا ہے اور بعض میں نہر کے لفظ سے۔ پھر بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوثر جنت کے اندر واقع ہے، اور اکثر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا محل وقوع جنت سے باہر ہے اور اہل ایمان جنت میں جانے سے پہلے اس حوض پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں باریاب ہو کر آپ کے دستِ کرم سے اس کا نہایت سفید و شفاف اور بے انتہا لذیذ و شیریں پانی نوش جان کریں گے، اور تحقیق یہ ہے کہ کوثر کا اصل مرکزی چشمہ جنت کے اندر ہے، اور جنت کے طول و عرض میں اس کی شاخیں نہروں کی شکل میں ہر طرف جاری ہیں۔ اور جس کو حوضِ کوثر کہا جاتا ہے وہ سینکڑوں میل کے طول و عرض میں ایک نہایت حسین و جمیل تالاب ہے جو جنت سے باہر ہے لیکن اس کا تعلق اسی جنت کے اندر کے چشمہ سے ہے، گویا اس میں جو پانی ہو گا وہ جنت ہی کے اس چشمہ سے نہروں کے ذریعہ آئے گا۔ آج کل کے متمدن شہروں میں واٹر ورکس جو نظام ہے اسے کوثر کی اس نوعیت کا سمجھنا الحمد للہ سب کے لئے آسان کر دیا ہے۔

یہاں ایک چیز بھی قابلِ لحاظ ہے کہ حوض کے لفظ سے عموماً لوگوں کا ذہن اسی قسم کے حوضوں کی طرف جاتا ہے جس قسم کے حوض انہوں نے عموماً دنیا میں دیکھے ہوتے ہیں، لیکن حوضِ کوثر اپنی معنوی کیفیات اور اپنی خوش منظری میں تو دنیا کے حوضوں سے اتنا ممتاز اور فائق ہو گا ہی جتنا کہ جنت کی کسی چیز کو دنیا کی چیزوں کے مقابلے میں ہونا چاہئے، مگر اسکے علاوہ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا رقبہ اور علاقہ بھی اتنا ہو گا، کہ ایک راہرو اسکے ایک کنارے سے

دوسرے کنارے تک کی مسافت ایک مہینے میں طے کر سکے گا اور ایک حدیث میں اس کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے کا فاصلہ عدن اور عمان کے فاصلے کے برابر بتلایا گیا ہے۔

بہر حال آخرت کی چیزوں کے متعلق احادیث میں جو کچھ ذکر کیا جاتا ہے اسکی روشنی میں بھی ان چیزوں کا صحیح تصور اس دنیا میں نہیں کیا جاسکتا، ان چیزوں کی جو واقعی نوعیت اور صورت ہے وہ صحیح طور پر تو سامنے آنے کے بعد ہی معلوم ہوگی۔

یہی بات صراط اور میزان وغیرہ کے بارے میں بھی ملحوظ رہنی چاہئے۔

(۱۰۲) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا أَنَا أَسِيرُ فِي الْجَنَّةِ إِذَا أَنَا بِنَهْرٍ حَافَتَاهُ قُبَابُ الدَّرِّ الْمُجَوَّفِ قُلْتُ مَا هَذَا يَا جِبْرِيلُ؟ قَالَ هَذَا الْكُوْثَرُ الَّذِي أَعْطَاكَ رَبُّكَ فَإِذَا طِينُهُ مِسْكٌ أَذْفَرُ. (رواه البخاری)

(ترجمہ) حضرت انس سے روایت ہے کہتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس اثنا میں کہ میں جنت میں چلا جا رہا تھا، میرا گدرا ایک (غیب و غریب) نہر پر ہوا، اس کے دونوں جانب ”دَرِّ“ مجوف“ سے (یعنی اندر سے خالی کئے ہوئے موتیوں سے) تیار کئے ہوئے قبة تھے، میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ جبرئیل نے بتلایا، کہ یہ وہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا فرمایا ہے، میں نے دیکھا کہ اس کی مٹی (جو اسکی تہہ میں تھی) وہ نہایت مہکے والے مشک کی طرح خوشبودار تھی۔ (بخاری)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جنت میں سیر کرتے ہوئے نہر کوثر پر گزرنے کا جو واقعہ ذکر فرمایا ہے، غالباً یہ شب معراج کا ہے، اور حضرت جبرئیل نے رسول اللہ ﷺ کے سوال کا جواب دیتے ہوئے جو یہ فرمایا کہ ”یہ وہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا کیا ہے“ تو یہ قرآن مجید کی آیت ”إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكُوْثَرَ“ کی طرف اشارہ ہے، اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ ”ہم نے آپ کو کوثر دیا“ کوثر کے اصل معنی خیر کثیر کے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو خیر کے جو خزانے عطا فرمائے، مثلاً قرآن و شریعت، اور اعلیٰ روحانی صفات، اور دنیا اور آخرت میں آپ کی رفعت شان وغیرہ، سو یہ سب بھی کوثر کے عموم میں اگرچہ داخل ہیں، لیکن جنت کی یہ نہر اور اس سے متعلق وہ حوض جو میدانِ حشر میں ہوگا (جس سے اللہ کے بے شمار بندے سیراب ہوں گے) لفظ کوثر کا خاص مصداق ہیں، یا یوں سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دین و ایمان کے سلسلہ کی جو بیش بہا نعمتیں عطا فرمائی تھیں، جو آپ کے ذریعے سے اللہ کے بے شمار بندوں تک پہنچیں، آخرت میں ان کا ظہور اس نہر کوثر اور حوض کوثر کی شکل میں ہوگا،

جن سے اللہ کے بے شمار بندے فیضیاب اور سیراب ہو گئے۔

(۱۰۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَوْضِي مُسِيرُهُ شَهْرٌ وَزَوَايَاهُ سَوَاءٌ مَاءٌ هَ أَبْيَضُ مِنَ اللَّبَنِ وَرِيحُهُ أَطْيَبُ مِنَ الْمِسْكِ وَكَبِيرُهُ كُنُجُومِ السَّمَاءِ مَنْ يَشْرَبُ مِنْهَا فَلَا يَضْمَأُ أَبَدًا. (رواه البخاری مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے حوض کی مسافت ایک مہینہ کی ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے جو حوض کوثر مجھے عطا فرمایا ہے وہ اس قدر طویل و عریض ہے کہ اسکی ایک جانب سے دوسری جانب تک ایک مہینہ کی مسافت ہے) اور اسکے زاویے (یعنی گوشے) بالکل برابر ہیں (اسکا مطلب بظاہر یہ ہے کہ وہ مربع ہے، اس کا طول و عرض یکساں ہے) اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے، اور اس کی خوشبو مشک سے بھی بہتر ہے، اور اسکے کوزے آسمان کے تاروں کی طرح ہیں (غالباً اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان کے ستارے جیسے حسین اور چمکدار ہیں، اور ان کی کثرت کی وجہ سے جس طرح انہیں گنا نہیں جاسکتا، اسی طرح میرے حوض کے کوزے بھی بے شمار اور حسین اور چمکدار ہیں) جو اس کا پانی پئے گا، وہ کبھی پیاس میں مبتلا نہیں ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

(۱۰۴) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي قَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ مَنْ مَرَّ عَلَى شَرِبَ وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ أَبَدًا سِيرِدُنْ عَلَى أَقْوَامٍ أَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُونَنِي ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَأَقُولُ إِنَّهُمْ مِنِّي فَيَقَالُ إِنَّكَ لَا تَذَرُنِي مَا أَخَذْتُوَا بَعْدَكَ فَأَقُولُ سَحَقًا سَحَقًا لِمَنْ غَيْرَ بَعْدِي.

(رواه البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں حوض کوثر پر تمہارا امیر ساماں ہوں (اور تم سے آگے جا کے تمہاری پیاس کا انتظام کرنے والا ہوں) جو میرے پاس پہنچے گا، وہ آب کوثر سے پئے گا، اور جو اس کو پی لے گا پھر کبھی وہ پیاس میں مبتلا نہ ہوگا، اور وہاں کچھ لوگ جن کو میں بھی پہچانوں گا، اور وہ بھی مجھے پہچانیں گے میری طرف آئیں گے، لیکن میرے اور ان کے درمیان رکاوٹ ڈال دی جائے گی (اور انہیں میرے پاس آنے سے روک دیا جائے گا) تو میں کہوں گا کہ یہ آدمی تو میرے ہیں، پس مجھے جواب دیا جائے گا کہ تمہیں معلوم نہیں ہے کہ انہوں نے تمہارے بعد کیا نئی باتیں نکالیں (اور کیا کیا خنے ڈالے) تو میں کہوں گا کہ بربادی اور دوری جو ان کے لئے جنہوں نے میرے بعد دین میں

(بخاری و مسلم)

فرق ڈالا اور اسکو گڑبڑ کیا۔

(تشریح) اس حدیث میں جن لوگوں کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ وہ حوض کوثر پر رسول اللہ ﷺ کے پاس جانے سے روک دیئے جائیں گے، اس کا تعین مشکل ہے، کہ یہ کون اور کس طبقے کے لوگ ہوں گے اور نہ اسکا معلوم کرنے ہمارے لئے ضروری ہے، اس حدیث کا خاص سبق ہمارے لئے تو بس یہ ہے کہ اگر ہم کوثر پر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے آرزو مند ہیں تو مضبوطی سے اس دین پر قائم رہیں، جو رسول اللہ ﷺ ہمارے لئے لائے تھے، اور اس میں اپنی طرف سے کوئی ایجاد اور کوئی رد و بدل نہ کریں۔

(۱۰۵) عَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَوْضِي مِنْ عَذْنِ إِلَى عَمَّانَ الْبَلْقَاءِ مَاءٌ أَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ وَأَخْلَى مِنَ الْعَسَلِ وَأَكْوَابُهُ عَذْدُ نُجُومِ السَّمَاءِ مَنْ شَرِبَ مِنْهُ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ بَعْدَهَا أَبَدًا أَوَّلُ النَّاسِ وَرُودًا فَقَرَاءَ الْمُهَاجِرِينَ الشُّعْثُ رَوْ سَا الدَّنَسِ ثِيَابًا الَّذِينَ لَا يَنْكَحُونَ الْمُتَنَعِمَاتِ وَلَا يَفْتَحُ لَهُمُ السَّدْدُ.

(رواہ احمد و الترمذی و ابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت ثوبان سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ: میرے حوض کی مسافت (اتنی ہے جتنی کہ) عذن سے عمان بلقاء تک، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے، اور اسکے گلاس گنتی میں آسمان کے ستاروں کی طرح (بیشار) ہیں (اسکے پانی کی یہ صفت ہے کہ) جو اس میں سے ایک دفعہ پی لے گا، اسے اسکے بعد کبھی پیاس کی تکلیف نہیں ہوگی، اس حوض پر سب لوگوں سے پہلے میرے پاس پہنچنے والے فقراء مہاجرین ہوں گے، پریشان و پر آئندہ سروں والے، میلے خیلے کپڑوں والے، جن کا نکاح خوش حال و خوش عیش عورتوں سے نہیں ہو سکتا، اور جن کے لئے دروازے نہیں کھولے جاتے (یعنی جن کو خوش آمدید نہیں کہا جاتا)۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

(تشریح) عذن مشہور مقام ہے، اور عمان بھی شام کے علاقہ کا مشہور شہر ہے، بلقاء عمان کے قریب ایک بستی تھی، بطور امتیاز اور نشانی کے اس حدیث میں ”عمان بلقاء“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں عدن اور بلقاء کے قریب والے عمان کے درمیان جتنا فاصلہ ہے، آخرت میں حوض کوثر کی مسافت اتنی ہوگی، اور واضح رہے کہ یہ بھی کوئی ناپی ہوئی مسافت نہیں ہے، کہ ٹھیک اتنے ہی میل اور اتنے ہی فرلانگ اور اتنے ہی فٹ ہوں۔ بلکہ حوض کی وسعت کو سمجھانے کے لئے عرف کے مطابق یہ ایک تقریبی بات کہی گئی ہے، اور مطلب یہ

ہے کہ حوض کی مسافت سیکڑوں میل کی ہوگی۔

آخر میں فرمایا گیا کہ سب سے پہلے حوض پر پہنچنے والے اور اس سے سیراب ہونے والے وہ غریب مہاجرین ہوں گے جو اپنے فقر و تنگدستی اور دنیا کی بے رغبتی کی وجہ سے اس حال میں رہتے ہیں کہ، ان کے سروں کے بال بنے سنورے نہیں رہتے، بلکہ بکھرے ہوئے اور الجھے ہوئے رہتے ہیں اور کپڑے بھی ان کے اچھے اجلے نہیں رہتے، بلکہ میلے کچیلے رہتے ہیں، جو اگر نکاح کرنا چاہیں تو ان کی اس حالت کی وجہ سے خوش عیش اور خوش حال گھرانوں کی بیٹیاں انکے نکاحوں میں نہ دہی جائیں، اور وہ کسی کے گھر پر جائیں، تو ان کے میلے کچیلے کپڑے، اور انکی شکل و صورت کی وجہ سے کوئی ان کے لئے اپنا دروازہ نہ کھولے، اور ان کو خوش آمدید نہ کہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ کے جن بندوں کا حال یہ ہو، کہ دنیا کی بے رغبتی اور دین میں انہماک اور فکر آخرت کے غلبہ کی وجہ سے اس دنیا میں وہ غریب و تنگدست ہو کر رہیں، نہ اپنی صورتوں کے بناؤ سنگار کی فکر رکھیں، نہ لباس پوشاک کی، وہ اپنی غربت اور دینیو عیش کی اس قربانی کی وجہ سے آخرت کے انعامات میں مقدم اور فائق رہیں گے، ہمارے اس زمانہ کے جو حضرات اس طرز عمل کو کسی غلط فہمی کی وجہ سے 'تقیف' اور رہبانیت پسندی اور دین کے غلط تصور کا نتیجہ سمجھتے ہیں، چاہئے کہ وہ اس قسم کی حدیثوں پر غور کریں۔

ہر زمانہ کے کچھ امراض ہوتے ہیں جس طرح پہلے کسی زمانہ میں واقعی رہبانیت اور ترک دنیا کی غلط اور غیر اسلام صورتوں کو اسلام کا پسندیدہ زہد بعض حلقوں میں سمجھا اور سمجھایا جاتا تھا، اسی طرح ہمارے اس زمانے میں (شاید اسکے رد عمل میں) بعض حلقوں کا مستقل رجحان یہ ہے کہ اسلام کو اس کی تعلیمات کو اس دور کے مادہ پرستانہ اور نفس پرستانہ تقاضوں سے زیادہ سے زیادہ ہم آہنگ کیا جائے۔

وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ اِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ.

(۱۰۶) عَنْ سَمُرَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوْضًا وَاِنَّهُمْ لَيَتَبَاھُوْنَ اَيْھُمْ اَكْثَرُ وَاِرْدَہُ وَاَنّی لَا رَجُوْا اَنْ اَكُوْنَ اَكْثَرُھُمْ وَاِرْدَہُ.

(ترمذی)

(ترجمہ) حضرت سمرہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آخرت میں ہر نبی کا ایک حوض ہوگا، اور ان کے درمیان اس پر فخر ہوگا کہ ان میں سے کس کے پاس پینے

والے زیادہ آتے ہیں، اور میں امید رکھتا ہوں کہ سب سے زیادہ لوگ پینے کے لئے میرے پاس آئیں گے (اور میرے حوض سے سیراب ہوں گے)۔ (ترمذی)

(۱۰۷) عَنْ أَنَسٍ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَشْفَعَ لِي يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَقَالَ أَنَا فَاعِلٌ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَإِنْ أَطْلَبْنِي أَوَّلَ مَا تَطْلُبُنِي عَلَى الصِّرَاطِ قُلْتُ فَإِنْ لَمْ أَلْقَكَ عَلَى الصِّرَاطِ قَالَ فَاطْلُبْنِي عِنْدَ الْمِيزَانِ قُلْتُ فَإِنْ لَمْ أَلْقَكَ عِنْدَ الْمِيزَانِ قَالَ فَاطْلُبْنِي عِنْدَ الْحَوْضِ فَإِنِّي لَا أُخْطِنِي هَذِهِ الثَّلَاثُ الْمَوَاطِنُ. (رواه الترمذی)

(ترجمہ) حضرت انس (خادم رسول ﷺ) سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ قیامت کے روز آپ میری سفارش فرمائیے گا! آپ نے فرمایا، کہ میں تمہارا یہ کام کروں گا، میں نے عرض کیا تو (قیامت کے روز) میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ آپ نے فرمایا سب سے پہلے جب تمہیں میری تلاش ہو، تو صراط پر مجھے دیکھنا میں نے عرض کیا اگر میں آپ کو صراط پر نہ پاسکوں، تو پھر کہاں تلاش کروں؟ آپ نے فرمایا، تو پھر مجھے میزان کے پاس تلاش کرنا! میں نے عرض کیا، اور اگر میں میزان کے پاس بھی آپ کو نہ پاسکوں، تو پھر کہاں تلاش کروں؟ آپ نے فرمایا، تو پھر مجھے حوض کے پاس دیکھنا! کیوں کہ میں اس وقت ان تین مقامات سے دور کہیں نہ جاؤں گا۔ (ترمذی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آخرت کی شفاعت ایسی چیز ہے جسکی رسول ﷺ سے درخواست کی جاسکتی ہے اور اگرچہ اس حدیث میں حضور نے اپنے ملنے کے مقامات حضرت انس کو بتلائے ہیں، لیکن دراصل شفاعت کے سب حاجت مندوں کے لئے حضور نے اپنے ملنے کے یہ پتے بتلائے ہیں۔

اللَّهُمَّ تَوَقَّنَا عَلَى مِلَّتِهِ وَأَسْعِدْنَا بِشَفَاعَتِهِ

(۱۰۸) عَنِ الْمُغْبِرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شِعَارُ الْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَلَى الصِّرَاطِ رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ! (رواه الترمذی)

(ترجمہ) حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ قیامت کے دن صراط پر اہل ایمان کا شعار (یعنی ان کا امتیازی وظیفہ) یہ دعائی کلمہ ہوگا، ”رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ“ (اے ہمارے پروردگار ہمیں سلامت رکھ، اور سلامتی کے ساتھ پار لگا)۔ صراط اور میزان کا ذکر بعض حدیثوں میں پہلے بھی گذر چکا ہے۔

شفاعت

محشر میں پیش آنے والے جن واقعات کی اطلاع احادیث میں صراحت کے ساتھ دی گئی ہے اور جن پر ایک مومن کو یقین لانا ضروری ہے، ان میں سے ایک رسول اللہ ﷺ کی شفاعت بھی ہے، شفاعت کے متعلق حدیثیں اتنی کثرت سے وارد ہوئی ہیں کہ سب ملا کر تواتر کی حد کو پہنچ جاتی ہیں۔ پھر شفاعت کی ان حدیثوں کے مجموعہ سے سمجھ کر شارحین نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کئی قسم کی ہوگی، اور بار بار ہوگی، سب سے پہلے جبکہ سارے اہل محشر اللہ کے جلال سے سر اسیمہ اور خوفزدہ ہوں گے اور کسی کو لب ہلانے کی جرأت نہیں ہوگی، اور آدم علیہ السلام سے لیکر عیسیٰ علیہ السلام تک تمام اولوالعزم پیغمبر بھی ”نفسہ نفسی“ کے عالم میں ہوں گے اور کسی کے لئے شفاعت کی جرأت نہ کر سکیں گے، تو اس وقت عام اہل محشر کی درخواست پر، اور ان کی تکلیف سے متاثر ہو کر رسول اللہ نیاز مندی اور حسن ادب کے ساتھ (جو آپ کے شایان شان ہے) بارگاہ رب العزت میں اہل محشر کے لئے سفارش کریں گے، کہ ان کو اسکی فکر اور بے چینی کی حالت سے نجات دی جائے، اور ان کا حساب کتاب اور فیصلہ فرما دیا جائے۔ بارگاہ جلال میں اس دن یہ سب سے پہلی شفاعت ہوگی، اور یہ شفاعت صرف آپ ہی فرمائیں گے۔ اس کے بعد ہی حساب اور فیصلہ کلام شروع ہو جائے گا، یہ شفاعت جیسا کہ عرض کیا گیا عام اہل محشر کے لئے ہوگی، اسی لئے اس کو ”شفاعت عظمیٰ“ بھی کہتے ہیں، اسکے بعد آپ اپنی امت کے مختلف درجہ کے ان گنہگاروں کے بارے میں جو اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے جہنم کے سزاوار ہوں گے، یا جو جہنم میں ڈالے جا چکے ہوں گے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں گے کہ ان کو معاف کر دیا جائے، اور جہنم سے ان کو نکالنے کی اجازت دے دی جائے، آپ کی یہ شفاعت بھی قبول ہوگی، اور اس کی وجہ سے خطاکار امتیوں کی بہت بڑی تعداد جہنم سے نکالی جائے گی، اسکے علاوہ کچھ صالحین امت کے لئے آپ اسکی بھی شفاعت کریں گے کہ ان کے لئے بغیر حساب کے داخلہ جنت کا حکم دے دیا جائے۔ اسی طرح اپنے بہت سے امتیوں کے حق میں آپ ترقی درجات کی بھی اللہ تعالیٰ سے استدعا کریں گے، حدیثوں میں شفاعت کے ان تمام اقسام اور واقعات کی تفصیل وارد ہوئی ہے۔

پھر حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ شفاعت کا دروازہ کھل

جانے کے بعد اور انبیاء علیہم السلام، ملائکہ عظام، اور اللہ کے دوسرے صالح اور مقرب بندے بھی اپنے سے تعلق رکھنے والے اہل ایمان کے حق میں سفارشیں کریں گے، یہاں تک کہ کم عمر میں فوت ہونے والے اہل ایمان کے معصوم بچے بھی اپنے ماں باپ کے لئے سفارشیں کریں گے، اسی طرح بعض اعمال صالحہ بھی اپنے عاملوں کے لئے سفارش کریں گے۔ اور یہ سفارشیں بھی قبول فرمائی جائیں گی، اور بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہوگی جن کی نجات اور بخشش ان ہی سفارشوں ہی کے بہانہ ہوگی۔

مگر لحاظ رہے کہ یہ سب شفاعتیں اللہ کے اذن سے اور اسکی مرضی اور اجازت سے ہوں گی، ورنہ کسی نبی اور کسی فرشتہ کی بھی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مرضی کے بغیر کسی ایک آدمی کو بھی دوزخ سے نکال سکے، یا اس کا اذن اور ایما پائے بغیر کسی کے حق میں سفارش کے لئے زبان کھول سکے،

قرآن پاک میں ہے:

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا
بِإِذْنِهِ (بقرہ ع. ۳۴)

دوسرے موقع پر فرمایا گیا:

وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْضَى
(انبیاء ع. ۲۰)

بلکہ علماء کرام نے جیسا کہ فرمایا ہے، شفاعت دراصل شفاعت کرنے والوں کی عظمت و مقبولیت کے اظہار کے لئے اور ان کے اکرام و اعزاز کے واسطے ہوگی، ورنہ حق تعالیٰ کے کاموں اور اسکے فیصلوں میں دخل دینے کی کسے مجال ہے۔ ”يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيدُ“ اس کی شان ہے۔

اس تمہید کے بعد ذیل میں باب شفاعت کی حدیثیں پڑھئے!

(۱۰۹) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ مَآجَ النَّاسِ بَعْضُهُمْ فِي بَعْضٍ قِيَاوُنَ آدَمَ قِيَقُولُونَ اشْفَعْ إِلَى رَبِّكَ قِيَقُولُ لَسْتُ لَهَا وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِإِبْرَاهِيمَ فَإِنَّهُ خَلِيلُ الرَّحْمَنِ قِيَاوُنَ إِبْرَاهِيمَ قِيَقُولُ لَسْتُ لَهَا وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُوسَى فَإِنَّهُ كَلِيمُ اللَّهِ قِيَاوُنَ مُوسَى قِيَقُولُ لَسْتُ لَهَا

وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بَعِيسِي فَإِنَّهُ رُوحُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ، فَيَاتُونَ عِيسَى فَيَقُولُ لَسْتُ لَهَا
وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُحَمَّدٍ فَيَاتُونِي فَأَقُولُ أَنَا لَهَا فَاسْتَاذِدْ عَلَى رَبِّي فَيُودُّ لِي
وَيُلْهِمُنِي مَحَامِدَ أَحْمَدَهُ بِهَا لَا تَحْضُرُنِي إِلَّا أَنْ فَاحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ وَآخِرُ لَهُ
سَاجِدًا فَيَقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَ قُلْ تَسْمَعُ وَ سَلْ تُعْطَى وَ اشْفَعْ تُشْفَعُ
فَأَقُولُ يَا رَبِّ أُمْتِي أُمْتِي فَيَقَالُ انْطَلِقْ فَأَخْرِجْ مَنْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ شَعِيرَةٍ مِنْ
إِيمَانٍ فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ ثُمَّ أَعُوذُ فَاحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ آخِرُ لَهُ سَاجِدًا فَيَقَالُ
يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَ قُلْ تَسْمَعُ وَ سَلْ تُعْطَى وَ اشْفَعْ تُشْفَعُ فَأَقُولُ يَا رَبِّ أُمْتِي
أُمْتِي فَيَقَالُ انْطَلِقْ فَأَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ أَوْ خَرْدَلَةٍ مِنْ
إِيمَانٍ فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ ثُمَّ أَعُوذُ فَاحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ آخِرُ لَهُ سَاجِدًا فَيَقَالُ
يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَ قُلْ تَسْمَعُ وَ سَلْ تُعْطَى وَ اشْفَعْ تُشْفَعُ فَأَقُولُ يَا رَبِّ أُمْتِي
أُمْتِي فَيَقَالُ انْطَلِقْ فَأَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ أَذْنَى أَذْنَى مِثْقَالِ حَبَّةٍ
خَرْدَلَةٍ مِنْ إِيمَانٍ فَأَخْرِجُهُ مِنَ النَّارِ فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ ثُمَّ أَعُوذُ الرَّابِعَةَ فَاحْمَدُهُ
بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ آخِرُ لَهُ سَاجِدًا فَيَقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَ قُلْ تَسْمَعُ
وَ سَلْ تُعْطَى وَ اشْفَعْ تُشْفَعُ فَأَقُولُ يَا رَبِّ إِنَّكَ لِي فِيمَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَالَ
لَيْسَ ذَلِكَ لَكَ وَلَكِنْ وَعِزَّتِي وَجَلَالِي وَكِبْرِيَانِي وَعَظَمَتِي لِأَخْرِجَنَّ مِنْهَا مَنْ
قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ.

(رواه البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا، کہ:
جب قیامت کا دن ہوگا (اور سب اولین و آخرین میدانِ حشر میں جمع ہوں گے) تو لوگوں میں
سخت اضطراب اور اژدحام کی کیفیت ہوگی، پس وہ لوگ (یعنی اہل محشر کے کچھ نمائندے)
آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے، کہ اپنے رب سے ہماری
سفارش کر دیجئے (کہ ہمیں اس حالت سے چھٹکارا ملے) آدم علیہ السلام فرمائیں گے کہ میں
اس کام کے لائق اور اس مرتبہ کا نہیں ہوں، لیکن تم کو چاہئے کہ ابراہیم کے پاس جاؤ وہ اللہ
کے خلیل ہیں (شاید وہ تمہارے کام آسکیں) پس وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی
خدمت میں حاضر ہوں گے اور ان کے سامنے شفاعت کا اپنا سوال رکھیں گے (وہ بھی فرمائیں
گے کہ میں اس کام کے لائق نہیں ہوں، لیکن تمہیں موسیٰ کے پاس جانا چاہئے وہ اللہ کے کلیم
ہیں (جنہیں اللہ نے بلا واسطہ اپنی ہمکاری کا شرف بخشا ہے) شاید وہ تمہارا کام کر سکیں، پس وہ
لوگ موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے (اور اپنی وہی عرض ان کے سامنے

رکھیں گے) وہ بھی یہی فرمائیں گے کہ میں اس کام کے لائق نہیں ہوں لیکن تمہیں عیسیٰ کے پاس جانا چاہئے، وہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں (یعنی اللہ نے انکو انسانی پیدائش کے عام مقررہ اسباب کے بغیر صرف اپنے حکم سے پیدا کیا ہے، اور ان کو غیر معمولی قسم کی روح اور روحانیت بخشی ہے) تم ان کی خدمت میں جاؤ، شاید وہ تمہارے لئے حق تعالیٰ سے عرض کرنے کی جرأت کر سکیں، پس یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے (اور ان سے شفاعت کی درخواست کریں گے) وہ بھی یہی فرمائیں گے کہ میں اس کام کا اور اس مرتبہ کا نہیں ہوں، تم کو (اللہ کے آخری نبی) محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہئے (رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ) پھر وہ لوگ میرے پاس آئیں گے، (اور شفاعت کے لئے مجھ سے کہیں گے) پس میں کہوں گا، کہ میں اس کام کا ہوں (اور یہ میرا ہی کام ہے) پس میں اپنے رب کریم کی بارگاہ خاص میں حاضری کی اجازت طلب کروں گا، مجھے اجازت دے دی جائے گی) میں وہاں حاضر ہو جاؤں گا (اور اللہ تعالیٰ اس وقت مجھے اپنی کچھ خاص تعریفیں اپنی حمد کے لئے الہام فرمائیں گے) (جو اس وقت مجھے معلوم نہیں ہیں) تو اس وقت میں انہی الہامی محامد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کروں گا، اور اسکے آگے سجدہ میں گر جاؤں گا (مسند احمد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ایک ہفتہ تک سجدہ میں پڑے رہیں گے، اس کے بعد) اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو فرمایا جائے گا، کہ اے محمد! سر اٹھاؤ، اور جو کہنا ہو کہو، تمہاری سنی جائے گی، اور جو مانگنا ہو مانگو تم کو دیا جائے گا، اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، تمہاری مانی جائے گی، پاس میں کہوں گا اے پروردگار! میری امت، میری امت! (یعنی میری امت پر آج رحم فرمایا جائے اور اس کو بخش دیا جائے) پس مجھ سے کہنا جائے گا، جاؤ اور جس کے دل میں جو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو، اس کو نکال لو، پس میں جاؤں گا، اور ایسا کروں گا (یعنی جن کے دل میں جو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو گا، اس کو نکال لاؤں گا) اور پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کرم کی طرف لوٹوں گا اور پھر ان ہی الہامی محامد کے ذریعے اس کی حمد و ثنا کروں گا، اور اس کے آگے پھر سجدہ میں گر جاؤں گا۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جائے گا، اے محمد! سر اٹھاؤ، اور جو کہنا ہو کہو تمہاری بات سنی جائے گی، اور جو مانگنا ہو مانگو تم کی دیا جائے گا، اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، تمہاری شفاعت مانی جائے گی، پس میں عرض کروں گا اے پروردگار! میری امت، میری امت! تو مجھ سے فرمایا جائے گا، کہ جاؤ اور جن کے دل میں ایک ذرہ کے بقدر (یا فرمایا، کہ رانی کے دانہ کے بقدر) بھی ایمان ہو، ان کو بھی نکال لو، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، کہ میں جاؤں گا اور ایسا کروں گا، (یعنی جن کے دلوں میں ذرہ برابر، یا رانی کے دانہ کے برابر نور ایمان

ہوگا ان کو بھی نکال لاؤں گا) اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کرم کی طرف پھر لوٹوں گا اور پھر ان ہی الہامی محامد کے ذریعہ اُس کی حمد و ثنا کروں گا، اور اسکے آگے پھر سجدہ میں گر جاؤں گا پس مجھ سے فرمایا جائے گا، اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ، اور جو کہنا ہو کہو، تمہاری سنی جائیگی اور جو مانگنا چاہو مانگو، تم کو دیا جائے گا، اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، تمہاری سفارش قبول کی جائے گی، پس میں عرض کروں گا، میرے رب! میری امت، میری امت! پس مجھ سے فرمایا جائے گا، جاؤ اور جن کے دل میں رائی کے دانہ سے کم سے کمتر بھی ایمان ہو، ان کو بھی نکال لو، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، کہ پس میں جاؤں گا اور ایسا کروں گا (یعنی جن کے دل میں رائی کے دانہ سے کم سے کمتر بھی ایمان کا نور ہوگا، ان کو بھی نکال لاؤں گا) اور اسکے بعد چوتھی دفعہ پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کرم کی طرف لوٹ آؤں گا، اور ان ہی الہامی محامد کے ذریعے اس کی حمد کروں گا پھر اس کے آگے سجدہ میں گر جاؤں گا، پس مجھ سے فرمایا جائے گا، اے محمد! اپنا سر سجدہ سے اٹھاؤ، اور جو کہنا ہو کہو، تمہاری سنی جائے گی اور جو مانگنا چاہو مانگو، تم کو دیا جائے گا، اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، تمہاری سفارش مانی جائے گی، پس میں عرض کروں گا، کہ اے پروردگار! مجھے اجازت دیجئے کہ ان سب کے حق میں جنہوں نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا ہو، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، یہ کام تمہارا نہیں ہے، لیکن میری عزت و جلال اور میری عظمت و کبریا کی قسم، میں خود دوزخ سے ان سب کو نکال لوں گا، جنہوں نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا ہو۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں چند باتیں تشریح طلب ہیں:

(۱) حدیث میں جو کے برابر، رائی کے دانہ کے برابر، اور رائی کے دانہ سے کم سے کمتر، دل میں ایمان ہونے کا جو ذکر ہے، اس سے مراد نور ایمان اور ثمرات ایمان کے خاص خاص درجے ہیں۔ جن کا ادراک ہم کو تو نہیں ہوتا، لیکن حضور ﷺ کی بصیرت اس وقت اس کا ادراک کر لے گی، اور آپ ان درجوں والوں کو اللہ کے حکم سے نکال لائیں گے۔

(۲) حدیث کے آخری حصے میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے لئے تین دفعہ شفاعت فرمانے کے بعد چوتھی دفعہ حق تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ مجھے ان لوگوں کے بارے میں اجازت دی جائے جنہوں نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا ہو، اس کا مطلب بظاہر یہ ہے جن لوگوں نے آپ کی دعوت توحید کو قبول کر لیا، اور ایمان لے آئے، لیکن دوزخ سے نجات پانے اور جنت میں جانے کے لئے جو اعمال کرنا چاہئے تھے، وہ انہوں نے بالکل نہیں کئے، تو مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ آخر میں ایسے لوگوں کو بھی دوزخ سے نکال

کر جنت میں داخل کرنے کی اجازت چاہینگے جن کے پاس کسی درجہ کا مجرد ایمان اور توحید کا اعتقاد تو ہوگا لیکن عمل خیر سے وہ بالکل خالی ہوں گے (بخاری و مسلم ہی کی ابو سعید خدری کی حدیث میں غالباً اسی گروہ کے حق میں "لَمْ يَعْمَلُوا خَيْرًا قَطُّ" کے الفاظ آئے ہیں، جن کا مطلب یہی ہے کہ انہوں نے کبھی کوئی نیک عمل نہیں کیا ہوگا) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے "لَيْسَ ذَٰلِكَ لَكَ" یعنی ان مسکینوں کو جہنم سے نکالنے کا کام میں نے آپ کے لئے نہیں رکھا، یا مطلب یہ ہے کہ آپ کے لئے یہ سزاوار اور مناسب نہیں ہے، بلکہ یہ کام میری عزت و جلال اور میری عظمت و کبریائی اور شان "فَعَالٍ لِّمَا يُرِيدُ" کے لئے ہی سزاوار ہے، اسلئے اس کو میں خود ہی کروں گا۔ اس عاجز کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے ایمان لا کر احکام کی تعمیل بالکل نہیں کی، ایسوں کو دوزخ سے نکالنا پیغمبر کے لئے مناسب نہیں ہے، اس درجہ کا غفور و دگر اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے۔ واللہ اعلم۔

(۳) معلوم ہوتا ہے اس روایت میں اختصار سے کام لیا گیا ہے چنانچہ اسی حدیث کی صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں آدم علیہ السلام کے بعد اور ابراہیم علیہ السلام سے پہلے اہل محشر کے نوح علیہ السلام کی خدمت میں بھی حاضر ہونے کا ذکر ہے جو اس میں نہیں ہے۔ نیز اس میں صرف اپنی امت کے حق میں رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کا ذکر ہے، حالانکہ قرین قیاس یہ ہے کہ پہلے آپ عام اہل محشر کے لئے حساب اور فیصلہ کی شفاعت فرمائیں گے جس کو "شفاعت کبریٰ" کہتے ہیں، پھر جب حساب کے نتیجہ میں بہت سے آپ کے امتی اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے دوزخ کی طرف بھیج دئے جائیں گے، تو آپ ان کو دوزخ سے نکالنے اور جنت میں داخل کرانے کے لئے شفاعت فرمائیں گے۔ واللہ اعلم۔

(۴) اہل محشر کے جو نمائندے کسی شفیع کی تلاش میں نکلیں گے، اس وقت اللہ تعالیٰ ان کے دل میں یہی ڈالے گا، کہ وہ پہلے آدم علیہ السلام کی خدمت میں اور پھر ان کی رہنمائی اور مشورہ سے نوح علیہ السلام کی خدمت میں اور پھر اسی طرح ابراہیم اور موسیٰ و عیسیٰ (علیہم السلام) کی خدمت میں حاضر ہوں یہ سب منجانب اللہ اس دن اسلئے ہوگا کہ عملی طور پر سب کو معلوم ہو جائے کہ اس شفاعت کا منصب اور "مقام محمود" اسکے آخری نبی کے لئے مخصوص ہے۔ بہر حال اس دن یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی عظمت اور رفعت مقام کے برسر محشر اظہار کے لئے ہوگا۔

(۱۱۰) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخْرَجُ قَوْمٌ مِنْ أُمَّتِي مِنَ النَّارِ بِشَفَاعَتِي يُسَمُّونَ الْجَهَنَّمِيِّينَ. (رواه البخاری)

(ترجمہ) عمران بن حصین سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ایک گروہ میری امت میں سے میری شفاعت سے دوزخ سے نکلا جائے گا، جن کو ”جہنمیوں“ کے نام سے یاد کیا جائے گا۔

(تشریح) یہ ان کی توہین و تنقیض نہ ہوگی، بلکہ جہنم سے نکالے جانے کی وجہ سے ان کا یہ نام پڑ جائے گا، جو ان کے لئے خوشی کا باعث ہوگا، کیوں کہ یہ اللہ کے کرم کو یاد دلائے گا۔

(۱۱۱) عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَانِي آتٍ مِنْ عِنْدِ رَبِّي فَخَيَّرَنِي بَيْنَ أَنْ يَدْخُلَ نِصْفَ أُمَّتِي الْجَنَّةَ وَبَيْنَ الشَّفَاعَةِ فَأَخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ وَهِيَ لِمَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا. (رواه الترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) عوف بن مالک سے روایت ہے کہتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا پیغام لے کر آیا، اس میں میرے رب نے مجھے اختیار دیا کہ میں ان دو باتوں میں سے کوئی ایک بات اختیار کر لوں، یا یہ کہ اللہ تعالیٰ میری نصف امت کو جنت میں داخل فرما دیں، یا یہ کہ مجھے شفاعت کا موقع ملے، تو میں نے حق شفاعت کو اختیار کر لیا اور میری شفاعت ان لوگوں کے لئے ہوگی، جو (ایمان اور توحید کی) میری دعوت کو قبول کر کے) اس حال میں مرے، کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے تھے۔

(۱۱۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَمَةِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهِ أَوْ نَفْسِهِ. (رواه البخاری)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: قیامت کے دن میری شفاعت سے بہر مند وہی ہوں گے جنہوں نے خلوص قلب سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا ہو۔

(تشریح) اس حدیث کا بھی مطلب وہی ہے جو اوپر والی حدیث میں دوسرے لفظوں میں فرمایا گیا، یعنی جو شرک کی بیماری میں مبتلا ہوگا اس کو شفاعت سے فائدہ نہ ہوگا، ہاں اگر شرک سے پاک ہو گیا ہے، اور دوسرے قسم کے گناہ ہیں، تو اس کو رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے فائدہ ہوگا۔

(۱۱۳) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكِبَانِ مِنْ أُمَّتِي.

(رواہ الترمذی و ابو داؤد رواہ ابن ماجہ عن جابر)

(ترجمہ) حضرت انس سے روایت ہے کہ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری شفاعت میری امت کے ان لوگوں کے حق میں ہوگی جو کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوئے ہوں گے، (ترمذی و ابو داؤد) اس حدیث کو ابن ماجہ نے بجائے حضرت انس کے حضرت جابر سے روایت کیا ہے۔

(تشریح) اس قسم کی حدیثوں سے نڈر اور بے خوف ہو کر گناہوں پر اور زیادہ جری ہو جانا بڑا کمینہ پن ہے، حضور ﷺ کے اس قسم کے ارشادات کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جن لوگوں سے شامتِ نفس سے گناہ ہو جائیں، وہ بھی مایوس اور ناامید نہ ہوں، میں ان کی شفاعت کروں گا اسلئے وہ شفاعت کا استحقاق پیدا کرنے کے لئے اللہ کے ساتھ اپنے بندگی کے تعلق کو، اور میرے امتی ہونے کے تعلق کو درست کرنے کی فکر کریں۔

(۱۱۴) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَا قَوْلَ اللَّهِ تَعَالَى فِي إِبْرَاهِيمَ رَبِّ انَّهُنَّ أَضَلُّنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَقَالَ عِيسَى إِنْ تَعَذَّبْتَهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ اللَّهُمَّ أُمَّتِي أُمَّتِي وَبِكِي فَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى يَا جِبْرِيلُ اذْهَبْ إِلَى مُحَمَّدٍ . وَرَبُّكَ أَعْلَمُ . فَسَلَّهُ مَا يَكُونُ فَاتَاهُ جِبْرِيلُ فَسَأَلَهُ فَأَخْبَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا قَالَ فَقَالَ اللَّهُ لَجِبْرِيلُ اذْهَبْ إِلَى مُحَمَّدٍ فَقُلْ إِنَّا سَنُرْضِيكَ فِي أُمَّتِكَ وَلَا نَسُوهُكَ .

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن پاک میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق یہ آیت تلاوت فرمائی:

”رَبِّ انَّهُنَّ أَضَلُّنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي“

(میرے پروردگار! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے، یعنی ان کی وجہ سے بہت سے آدمی گمراہ ہوئے، پس جو لوگ میری پیروی کریں وہی میرے ہیں، پس ان کے لئے تو میں تجھ سے عرض کرتا ہوں کہ ان کو تو بخش ہی دے) اور عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول بھی تلاوت فرمایا، جو قرآن پاک میں ہے:

”إِنْ تَعَذَّبْتَهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ“

(اے اللہ! اگر میری امت کے ان لوگوں کو عذاب دیں، تو یہ آپ کے بندے ہیں، یعنی آپ کو عذاب و سزا کا پورا حق ہے) یہ دونوں آیتیں تلاوت فرما کر رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو یاد کیا، اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، اور کہا: ”اے میرے اللہ! میری امت، میری امت! اور آپ اس دعا میں روئے، اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کو فرمایا، تم محمد کے پاس جاؤ۔ اور اگرچہ تمہارا رب سب کچھ خوب جانتا ہے مگر پھر بھی تم جا کر ہماری طرف سے پوچھو، کہ ان کے اس رونے کا کیا سبب ہے۔ پس جبریل آپ کے پاس آئے، اور آپ سے پوچھا، آپ نے جبریل کو وہ بتلادیا جو اللہ سے عرض کیا تھا (یعنی یہ کہ اس وقت میرے رونے کا سبب امت کی فکر ہے، جبریل نے جا کر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا) تو اللہ تعالیٰ نے جبریل کو فرمایا، کہ محمد کے پاس جاؤ، اور ان کو ہماری طرف سے کہو، کہ تمہاری امت کے بارہ میں ہم تمہیں راضی اور خوش کر دیں گے اور تمہیں رنجیدہ اور غمگین نہیں کریں گے۔ (مسلم)

(تشریح) حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی دو آیتوں کی تلاوت فرمائی، ایک سورۃ ابراہیم کی آیت، جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے متعلق ذکر فرمایا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی قوم اور اپنی امت کے بارے میں عرض کیا، کہ ”فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ“ (یعنی ان میں سے جن لوگوں نے میری بات مانی وہ تو میرے ہیں) اور میں ان کے لئے آپ سے مغفرت کی درخواست کرتا ہوں) اور جنہوں نے میری نافرمانی کی، تو آپ غفور رحیم ہیں، چاہیں تو ان کو بھی بخش سکتے ہیں)۔ اور دوسری آیت سورۃ مائدہ کی، جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ذکر ہے، کہ وہ اپنے گمراہ امتیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے، کہ ”إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ“ (اگر آپ ان کو عذاب دیں، تو یہ آپ کے بندے ہیں، اور آپ کو عذاب دینے کا پورا حق ہے، اور اگر آپ ان کو بخش دیں تو آپ غالب ہیں) (سب کچھ کر سکتے ہیں) اور حکیم ہیں (جو کچھ کریں گے حکمت کے مطابق ہی ہوگا)۔ ان دونوں آیتوں میں اللہ کے دونوں جلیل القدر پیغمبروں نے پورے ادب، اور بڑی احتیاط کے ساتھ اپنی اپنی امتوں کے خطا کار لوگوں کے لئے دے لفظوں میں سفارش کی ہے۔

ان آیتوں کی تلاوت نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی امت کا مسئلہ یاد دلایا، اور آپ نے ہاتھ اٹھا کر اور رو کر بارگاہ الہی میں اپنی فکر کو عرض کیا، جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطمینان دلایا، کہ آپ کی امت کا مسئلہ آپ کی مرضی اور خوشی کے مطابق ہی طے کر دیا جائے گا اور اس معاملہ کی وجہ سے

آپ کو رنجیدہ اور غمگین ہونا نہیں پڑے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ ہر پیغمبر کو اپنی امت کے، بلکہ ہر مقتدا کو اپنے متبعین اور متسبین کے ساتھ ایک خاص قسم کی شفقت کا تعلق ہوتا ہے جس طرح کہ ہر شخص کو اپنی اولاد کے ساتھ ایک خاص تعلق ہوتا ہے جو دوسرے انسانوں کے ساتھ نہیں ہوتا، اور اس تعلق کی وجہ سے ان کی قدرتی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے عذاب سے چھٹکار پائیں، اور اس شفقت اور رأفت میں رسول اللہ ﷺ سب پیغمبروں سے بڑھے ہوئے ہیں اور اسلئے قدرتی طور پر آپ کی یہ بڑی خواہش ہے، جو مختلف موقعوں پر بار بار آپ سے ظاہر ہوئی کہ آپ کی امت دوزخ میں نہ جائے، اور جن کی بد عملی اس درجہ کی ہو، کہ ان کا دوزخ میں ڈالا جانا، اور کچھ عذاب پانا ناگزیر ہو ان کو کچھ سزا پانے کے بعد نکال لیا جائے، چنانچہ مندرجہ بالا احادیث سے معلوم ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اس خواہش کو پورا فرمائیں گے، اور آپ کی شفاعت سے بہت سے لوگ جہنم سے بچ جائیں گے، اور بہت سے ڈالے جانے کے بعد نکال لئے جائیں گے۔

شفاعت کے سلسلے کی حدیثوں میں صحیح مسلم کی یہ حدیث ہم جیسے خطاکاروں، گنہگاروں کے لئے بڑا سہارا ہے، اور اس میں بڑی بشارت ہے، بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل سے اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام سن کر فرمایا: میں تو جب مطمئن اور خوش ہوں گا جب میرا کوئی امتی بھی دوزخ میں نہیں رہے گا۔

بریں مژدہ مگر جاں فشاںم رواست

(ف) اللہ تعالیٰ کو بطور خود سب کچھ معلوم ہونے کے باوجود رونے کا سبب پوچھنے کے لئے حضرت جبرئیل کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا صرف آپ کے اکرام و اعزاز کے طور پر تھا، کہ اپنے مقربین کے ساتھ بادشاہوں کا یہی طرز ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۱۱۵) عَنْ عُمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ثَلَاثَةُ الْأَنْبِيَاءِ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّهَدَاءُ.

(رواہ ابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت عثمان بن عفان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت میں تین طرح کے لوگ (خصوصیت سے) شفاعت کریں گے، انبیاء علیہم السلام، پھر دین کا علم رکھنے والے اور پھر شہداء۔“

(تشریح) حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان تین گروہوں سے باہر کا کوئی شخص کسی کی

سفارش نہیں کر سکے گا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ خاص شفاعت انہی تین گروہ والوں کی ہوگی، لیکن انکے علاوہ بعض ان صالحین کو بھی اذن شفاعت ملے گا جو ان تینوں میں سے کسی گروہ میں بھی نہیں ہوں گے، بلکہ جیسا کہ دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے چھوٹے بچے بھی اپنے ماں باپ کی سفارش کریں گے، اور اعمالِ صالحہ کی بھی شفاعت ہوگی۔

(۱۱۶) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ مِنْ أُمَّتِي مَنْ يُشْفَعُ لِلْفَنَاءِ وَمِنْهُمْ مَنْ يُشْفَعُ لِلْقَبِيلَةِ وَمِنْهُمْ مَنْ يُشْفَعُ لِلْعَصْبَةِ وَمِنْهُمْ مَنْ يُشْفَعُ لِلرُّجُلِ حَتَّى يَدْخُلُوا الْجَنَّةَ (رواه الترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: میری امت میں بعض افراد وہ ہوں گے، جو جماعتوں اور قوموں کی شفاعت کریں گے (یعنی ان کا مقام یہ ہوگا، کہ اللہ تعالیٰ ان کو قوموں کی شفاعت کی اجازت دے گا، اور قوموں کے حق میں انکی سفارش قبول فرمائے گا) اور بعض وہ ہوں گے جو عصبہ (یعنی دس سے چالیس تک کی تعداد والی کسی پارٹی) کے بارے میں شفاعت کریں گے، اور بعض وہ ہوں گے جو ایک آدمی کی سفارش کر سکیں گے (اور اللہ تعالیٰ ان سب کی شفاعتیں قبول فرمائے گا) یہاں تک کہ سب جنت میں پہنچ جائیں گے۔ (ترمذی)

(۱۱۷) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصِفُ أَهْلَ النَّارِ فَيَمُرُّ بِهِمُ الرَّجُلُ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَقُولُ الرَّجُلُ مِنْهُمْ يَا فُلَانُ أَمَا تَعْرِفُنِي أَنَا الَّذِي سَقَيْتُكَ شَرْبَةً وَقَالَ بَعْضُهُمْ أَنَا الَّذِي وَهَبْتُ لَكَ وَضُوءً فَيُشْفَعُ لَهُ فَيَدْخُلُهُ الْجَنَّةَ. (رواه ابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ: آخرت میں صف باندھے کھڑے کئے جانیں گے اہل دوزخ (یعنی اہل ایمان میں سے کچھ گنہگار لوگ جو اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے دوزخ میں سزا پانے کے مستحق ہوں گے، وہ آخرت میں کسی موقع پر صف باندھے کھڑے ہوں گے) پس ایک شخص اہل جنت میں اس کے پاس سے گزرے گا، تو صف والوں میں سے ایک شخص اس گزرنے والے جنتی کو پکار کر کہے گا، کیا تم مجھے نہیں پہچانتے؟ میں وہ ہوں، کہ ایک دفعہ میں نے تم کو پانی پلایا تھا (یا شربت وغیرہ، پینے کی کوئی اچھی چیز پلانی تھی) اور اسی صف والوں میں سے کوئی اور کہے گا، کہ میں نے تمہیں وضو کے لئے پانی دیا تھا، پس یہ شخص ان لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ سے سفارش کرے گا، اور ان کو جنت

میں داخل کرا دے گا۔

(ابن ماجہ)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا، کہ دنیا میں صالحین سے محبت اور قربت کا تعلق اپنی عملی کوتاہیوں کے باوجود بھی انشاء اللہ بہت کچھ کام آنے والا ہے، بشرطیکہ ایمان نصیب ہو، افسوس! ان چیزوں میں جس طرح بہت سے جاہل عوام سخت غلو اور افراط میں مبتلا ہو کر گمراہ ہوئے ہیں، اسی طرح ہمارے زمانے کے بعض اچھے خاصے پڑھے لکھے سخت تفریط میں مبتلا ہیں۔

جنت اور اس کی نعمتیں!

عالم آخرت کی جن حقیقتوں پر ایمان لانا ایک مومن کے لئے ضروری ہے اور جن پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مومن و مسلم نہیں ہو سکتا، ان ہی میں سے جنت و دوزخ بھی ہیں، اور یہی دونوں مقام انسانوں کا آخری اور پھر ابدی ٹھکانا ہیں، قرآن مجید میں بھی جنت اور اس کی نعمتوں کا اور دوزخ اور اس کی تکلیفوں کا ذکر اتنی کثرت سے کیا گیا ہے اور ان دونوں کے متعلق اتنا کچھ بیان فرمایا گیا ہے کہ اگر اس سلسلے کی سب آیتوں کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو صرف انہی سے اچھی خاصی ایک کتاب تیار ہو جائے۔

اسی طرح کتب حدیث میں بھی جنت و دوزخ کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی صد ہا حدیثیں محفوظ ہیں جن سے ان دونوں کے متعلق کافی معلومات مل جاتی ہیں، پھر بھی یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ قرآن مجید میں اور اسی طرح احادیث میں جنت و دوزخ کے متعلق جو کچھ بیان فرمایا گیا ہے اس کی پوری اور اصلی حقیقت کا علم وہاں پہنچ کر، اور مشاہدہ کے بعد ہی حاصل ہو سکے گا، جنت تو جنت ہے، اگر کوئی شخص ہماری اس دنیا ہی کے کسی بارونق شہر کے بازاروں کا، اور وہاں کے باغوں اور گلزاروں کا ذکر ہمارے سامنے کرے، تو اس کے بیان سے جو تصور ہمارے ذہنوں میں قائم ہوتا ہے، ہمیشہ کا تجربہ ہے کہ وہ اصل کے مقابلہ میں ہمیشہ بہت ناقص ہوتا ہے، بہر حال اس نفس الامری حقیقت کو ذہن میں رکھتے ہوئے قرآن و حدیث میں جنت یا دوزخ کے بیان کو پڑھنا چاہئے۔

در اصل آیات یا احادیث میں جنت اور دوزخ کا جو ذکر فرمایا گیا ہے، اس کا یہ مقصد ہی نہیں ہے، کہ لوگوں کے سامنے وہاں کا مکمل جغرافیہ اور وہاں کے احوال کا پورا نقشہ آجائے بلکہ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ لوگوں میں دوزخ اور اسکے عذاب کا خوف پیدا ہو، اور وہ ان برائیوں سے بچیں جو

دوزخ میں لے جانے والی ہیں، اور جنت اور اس کی بہاروں اور لذتوں کا شوق ابھرے، تاکہ وہ اچھے اعمال اختیار کریں، جو جنت میں پہنچانے والے ہیں، اور وہاں کی نعمتوں کا مستحق بنانے والے ہیں، پس اس سلسلہ کی آیات اور احادیث کا اصلی حق یہی ہے کہ ان کے پڑھنے اور سننے سے شوق اور خوف کی یہ کیفیتیں پیدا ہوں۔

(۱۱۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى
أَعَدَدْتُ لِعِبَادِي الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى
قَلْبٍ بَشَرٍ وَأَقْرَأُ وَإِنْ شِئْتُمْ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ.

(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیزیں تیار کی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے سنا ہے، اور نہ کسی بشر کے دل میں کبھی ان کا خطر یا خیال ہی گذرا ہے، اور اگر تم چاہو تو پڑھو قرآن کی یہ آیت: ”فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ“ جس کا مطلب یہ ہے، کہ کوئی آدمی بھی ان نعمتوں کو نہیں جانتا جو ان بندوں کے لئے (جو راہ خدا میں اپنا محبوب مال خرچ کرنے والے ہیں، اور راتوں کو عبادتِ خداوندی میں مصروف رہنے والے ہیں) چھپا کے اور محفوظ کر کے رکھی گئی ہیں جن میں ان کی آنکھوں کے لئے ٹھنڈک کا سامان ہے۔

(تشریح) یہ حدیث قدسی ہے، رسول اللہ ﷺ جب کوئی بات اس تصریح کے ساتھ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے (اور وہ قرآن مجید کی آیت نہ ہو) تو ایسی حدیث کو ”حدیث قدسی“ کہتے ہیں، یہ حدیث شریف بھی اسی قسم کی ہے، اس میں اللہ کے بندوں کے لئے بشارت اور خوشی کا ایک عام اور ظاہر پہلو تو یہ ہے کہ دایرِ آخرت میں ان کو ایسی اعلیٰ قسم کی نعمتیں ملیں گی جو دنیا میں کبھی کسی کو نصیب نہیں ہوئیں، بلکہ کسی آنکھ نے بھی انکو نہیں دیکھا، اور نہ کسی کان نے ان کا حال سنا، اور نہ کبھی کسی انسان کے دل میں ان کا خیال ہی آیا، اور بشارت و مسرت کا دوسرا خاص پہلو، محبت و شفقت اور عنایت و کرم سے بھرے ہوئے رب کریم کے ان الفاظ میں ہے کہ ”أَعَدَدْتُ لِعِبَادِي“ (میں نے اپنے بندوں کے لئے ایسی ایسی نعمتیں تیار کر کے رکھی ہیں، الخ) قربان ہوں بندے اپنے رب کریم کے اس کرم پر۔

(۱۱۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْضِعُ سَوَاطِئِ الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا.

(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) اور حضرت ابو ہریرہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”جنت میں ایک کوڑے کی جگہ دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے۔“

(تشریح) عرب کا یہ رواج تھا کہ جب چند سواروں کا قافلہ چلتا، تو جو سوار منزل پر اترتے وقت جہاں قیام کرنا چاہتا، وہاں اپنا کوڑا ڈال دیتا، پھر وہ جگہ اسی کی سمجھی جاتی، اور کوئی دوسرا اس پر قبضہ نہ کرتا، تو اس حدیث میں کوڑے کی جگہ سے مراد دراصل اتنی مختصر سی جگہ ہے، جو کوڑا ڈال دینے سے کوڑا والے سوار کے لئے مخصوص ہو جاتی ہے، جس میں وہ اپنا بستر لگا لے، یا خیمہ ڈال لے، تو حدیث کا مطلب یہ ہو کہ جنت کی تھوڑی سے تھوڑی جگہ بھی دنیا و ما فیہا سے بہتر اور زیادہ قیمتی ہے۔ اور اس میں کیا شبہ ہے، دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے فانی ہے اور جنت اور اسکی ہر نعمت باقی ہے، اور فانی اور باقی کا کیا مقابلہ۔

(۱۲۰) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَدَوَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ رُوحَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَلَوْ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ اِطْلَعَتْ إِلَى الْأَرْضِ لَأَضَانَتْ مَا بَيْنَهُمَا وَلَمَلَأَتْ مَا بَيْنَهُمَا رِيحًا وَلَنَصِيفُهَا عَلَى رَأْسِهَا خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا.

(رواہ البخاری)

(ترجمہ) حضرت انس سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: راہِ خدا میں ایک دفعہ صبح کا نکلنا یا شام کا نکلنا دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے، اور اگر اہل جنت کی بیویوں میں سے کوئی عورت زمین کی طرف جھانکے تو ان دونوں کے درمیان (یعنی جنت سے لے کر زمین تک) روشنی ہی روشنی ہو جائے، اور مہک اور خوشبو سے بھر جائے، اور اسکے سر کی صرف اوڑھنی بھی دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے۔ (بخاری)

(تشریح) حدیث کی ابتدائی حصے میں راہِ خدا میں نکلنے کی یعنی خدمتِ دین کے کسی سلسلہ میں سفر کرنے اور چلنے پھرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ ایک دفعہ صبح کا یا شام کا نکلنا بھی دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے۔ اور یہاں صبح شام کا ذکر غالباً صرف اسلئے کر دیا گیا ہے کہ صبح یا شام ہی کو سفر پر روانہ ہونے کا دستور تھا، ورنہ اگر کوئی شخص مثلاً دن کے درمیانی حصے میں خدمتِ دین کے کسی سلسلے میں جائے، تو یقیناً اسکے اس جانے کی بھی وہی فضیلت ہے پھر حدیث کے دوسرے حصے میں اہل جنت کی جنتی بیویوں کے غیر معمولی حسن و جمال اور ان کے لباس کی قدر و قیمت کا ذکر کیا گیا

ہے۔ اور اس موقع پر اس کے ذکر کرنے کا مقصد غالباً اہل ایمان کو خدمت دین کے سلسلے کے کاموں کے لئے گھر چھوڑ کر نکلنے کی ترغیب دینا، اور یہ بتلانا ہے کہ اگر تم اپنے گھروں اور گھر والیوں کو عارضی طور پر چھوڑ کر تھوڑے سے وقت کے لئے بھی راہِ خدا میں نکلو گے تو جنت میں ایسی نیویاں ہمیشہ ہمیشہ تمہاری رفیق اور زندگی کی شریک رہیں گی، جن کے حسن و جمال کا یہ عالم ہے کہ اگر ان میں سے کوئی اس زمین کی طرف ذرا جھانکے تو زمین اور آسمان کے درمیان کی ساری فضا روشن اور معطر ہو جائے، اور جن کا لباس اس قدر قیمتی ہے، کہ صرف سر کی اوڑھنی اس دنیا وافیہا سے بہتر اور بیش قیمت ہے۔

(۱۲۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ شَجَرَةً يَسِيرُ الرَّكْبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَا يَقْطَعُهَا وَلَقَابَ قَوْسٍ أَحَدِكُمْ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ أَوْ تَغْرُبُ. (رواه البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ سوار اسکے سایے میں سو سال چلے اور پھر بھی اس کو پار نہ کر سکے، اور جنت میں تم میں سے کسی کی کمان کے بقدر جگہ بھی اس ساری کائنات سے بہتر ہے، جس پر آفتاب طلوع ہوتا ہے یا غروب ہوتا ہے۔

(تشریح) حدیث کا مقصد دنیا اور اس کی راحتوں اور لذتوں کے مقابلے میں جنت اور اسکی نعمتوں کی بالاتری بیان فرما کے اس کا شوق دلوں میں پیدا کرنا ہے، اس سلسلہ میں پہلی بات یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں اور راحت کے جو سامان اپنے بندوں کے لئے جنت میں پیدا کئے ہیں، ان میں سے ایک جنت کے وہ طویل و عریض سایہ دار درخت ہیں جن کا سایہ اتنے وسیع رقبہ پر پڑتا ہے، کہ سوار سو سال میں بھی اس کو طے نہیں کر سکتا، اور دوسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ جنت میں ایک کمان کی جگہ دنیا وافیہا سے بہتر ہے، ابھی اوپر عرب کے اس دستور کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ کوئی سوار جب کہیں اترا ناچا ہوتا تھا، تو اس جگہ اپنا کوڑا ڈال دیتا تھا اس سے اس جگہ پر اس کا حق قائم ہو جاتا تھا۔ اسی طرح کا ایک دستور یہ تھا کہ جب کوئی پیدل آدمی کسی جگہ منزل کرنا چاہتا تھا، تو وہ اپنی کمان وہاں ڈال دیتا تھا، اور اس طرح وہ جگہ اس کے لئے مخصوص ہو جاتی تھی، پس اس حدیث میں کمان کی جگہ سے مراد گویا ایک آدمی کی منزل ہے، اور مطلب یہ ہے کہ ایک پیادہ مسافر کمان ڈال کے جتنی جگہ کا مستحق ہو جاتا ہے، جنت کی اتنی مختصر سی جگہ

بھی اس دنیا کی اس ساری کائنات سے زیادہ قیمتی اور بہتر ہے، جس پر آفتاب طلوع ہوتا ہے۔

(۱۲۲) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ يَأْكُلُونَ فِيهَا وَيَشْرَبُونَ وَلَا يَبُولُونَ وَلَا يَغَوَّطُونَ وَلَا يَمْتَحِطُونَ قَالُوا فَمَا بَالُ الطَّعَامِ قَالَ جُشَاءً وَرَشَحَ كَرَشَحِ الْمِسْكِ يُلْهَمُونَ التَّنْبِيحَ وَالتَّحْمِيدَ كَمَا تُلْهَمُونَ النَّفْسَ.

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت جابر سے روایت ہے کہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”اہل جنت جنت میں کھائیں گے بھی اور پینیں گے بھی، لیکن نہ تو انہیں تھوک آئے گا، اور نہ پیشاب پاخانہ ہوگا، اور نہ ان کی ناک سے ریش آئے گی۔ بعض صحابہ نے عرض کیا، تو کھانے کا کیا ہوگا؟ (یعنی جب پیشاب پاخانہ کچھ بھی نہ ہوگا تو جو کچھ کھایا جائے گا وہ آخر کہاں جائے گا؟) آپ نے فرمایا کہ: ذکار اور پسینہ مشک کے پسینہ کی طرح (یعنی غذا کا جواثر نکلتا ہوگا، وہ انہی دو طریقوں سے نکل جایا کرے گا) اور ان اہل جنت کی زبانوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اللہ کی حمد و تسبیح اس طرح جاری ہوگی، جس طرح تمہارا سانس جاری رہتا ہے۔“

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جنت کی ہر غذا کثیف مادہ سے پاک ایسی لطیف اور نورانی ہوگی کہ پیٹ میں اس کا کوئی فضلہ تیار نہیں ہوگا، بس ایک خوشگوار ذکار کے آنے سے معدہ خالی اور ہلکا ہو جایا کرے گا، اور کچھ پسینے کے راستے نکلا جایا کرے گا، لیکن اس پسینہ میں بھی مشک کی سی خوشبو ہوگی، اور اس دنیا میں جس طرح آپ سے آپ ہمارے اندر سے باہر، اور باہر سے اندر سانس کی آمد و رفت ہے، جنت میں اسی طرح اللہ کا ذکر جاری ہوگا، اور سبحان اللہ والحمد للہ، یا سبحان اللہ و بحمدہ سانس کی طرح ہر دم جاری رہے گا۔

(۱۲۳) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَا إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُنَادِي مُنَادٍ أَنَّ لَكُمْ أَنْ تَصِحُّوا فَلَا تَسْقِمُوا أَبَدًا وَإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَحْيُوا فَلَا تَمُوتُوا أَبَدًا وَإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَشْبُوا فَلَا تَهْرَمُوا أَبَدًا وَإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَنْعَمُوا فَلَا تَبَا سُوا أَبَدًا.

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو سعید اور ابو ہریرہ سے روایت ہے، یہ دونوں بیان فرماتے ہیں کہ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک پکارنے والا جنت میں جنتیوں کو مخاطب کر کے پکارے گا، کہ یہاں صحت ہی تمہارا حق ہے، اور تندرستی ہی تمہارے لئے مقدر ہے،

اسلئے اب تم بھی بیمار نہ پڑو گے، اور یہاں تمہارے لئے زندگی اور حیات ہی ہے، اسلئے اب تمہیں موت کبھی نہ آئے گی، اور تمہارے واسطے جوانی اور شباب ہی ہے، اسلئے اب کبھی تمہیں بڑھاپا نہیں آئے گا، اور تمہارے واسطے یہاں چین اور عیش ہی ہے، اسلئے اب کبھی تمہیں کوئی تنگی اور تکلیف نہ ہوگی۔ (مسلم)

(تشریح) جنت صرف آرام اور راحت کا گھر ہے، اسلئے وہاں کسی تکلیف کا، اور کسی تکلیف دہ حالت کا گزرنہ ہوگا، نہ وہاں بیماری ہوگی، نہ موت آئے گی، نہ بڑھاپا کسی کو ستائے گا، نہ کسی اور قسم کی کوئی تنگی اور پریشانی کسی کو لاحق ہوگی، اور جنتی بندے جب جنت میں پہنچیں گے تو شروع ہی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابدی حیات اور ابدی راحت کی یہ بشارت سنا کر ان کو مطمئن کر دیا جائے گا۔

(۱۲۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مِمَّا خُلِقَ الْخَلْقُ؟ قَالَ مِنَ الْمَاءِ قُلْنَا الْجَنَّةُ مَا بِنَاءُ هَا قَالَ لِبْنَةٍ مِنْ ذَهَبٍ وَلِبْنَةٍ مِنْ فِضَّةٍ وَمِلَاطُهَا الْمِسْكُ الْأَذْفَرُ وَحَصْبَاءُ هَا اللَّوْلُؤُ الْيَاقُوتُ وَتُرْبَتُهَا الرُّغْفَرَانُ مَنْ يَدْخُلُهَا يَنْعَمُ وَلَا يَبْئَسُ وَيَخْلُدُ وَلَا يَمُوتُ وَلَا يَبْلَى ثِيَابُهُمْ وَلَا يَفْنَى شَبَابُهُمْ .

(رواہ احمد والترمذی والدارمی)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، کہ مخلوق کس چیز سے پیدا کی گئی؟ آپ نے فرمایا پانی سے، پھر ہم نے عرض کیا، کہ جنت کس چیز سے بنی (یعنی اس کی تعمیر پتھروں سے ہوئی یا اینٹوں سے، یا کس چیز سے؟) آپ نے فرمایا، اس کی تعمیر اس طرح ہے، کہ ایک اینٹ سونے کی، اور ایک اینٹ چاندی کی، اور اس کا مسالہ (جس سے اینٹوں کو جوڑا گیا ہے) تیز خوشبودار مشک ہے، اور وہاں کے سنگریزے جو بچھے ہوئے ہیں وہ موتی اور یاقوت ہیں، اور وہاں کی خاک گویا زعفران ہے، جو لوگ اس جنت میں پہنچیں گے، ہمیشہ عیش اور چین سے رہیں گے، اور کوئی تنگی، تکلیف، ان کو نہ ہوگی۔ اور ہمیشہ زندہ رہیں گے، وہاں ان کو موت نہیں آئے گی، اور کبھی ان کے کپڑے پرانے اور خستہ نہ ہوں گے، اور ان کی جوانی کبھی زائل نہ ہوگی۔ (رواہ احمد والترمذی والدارمی)

(تشریح) حضرت ابو ہریرہ کے پہلے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ عام مخلوق پانی سے پیدا کی گئی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے پہلے پانی پیدا کیا، اور پھر سے اور مخلوق وجود میں آئی۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے:

”وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِنْ مَّاءٍ“ اور دوسری جگہ فرمایا گیا ہے: ”وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ“ جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر جاندار پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ پھر دوسرے سوال کے جواب میں جنت کی تعمیر اور وہاں کے فرش، اور وہاں کی خاک کے متعلق جو کچھ رسول اللہ نے بیان فرمایا، اس کی اصلی حقیقت اور کیفیت مشاہدے ہی سے معلوم ہوگی، البتہ یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ جنت کی تعمیر اس طرح نہیں ہوئی ہے کہ کسی عمل نے اسے بنایا ہو، جس طرح ہماری اس دنیا میں عمارتیں بنتی ہیں، بلکہ جنت اور اس کی ہر چیز معیاروں اور ضاموں کے توسط کے بغیر اللہ کے حکم سے بنی ہے، جس طرح زمین و آسمان اور آسمان کے ستارے، آفتاب و ماہتاب وغیرہ سب براہ راست اللہ کے حکم سے بنے ہیں۔

”إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ“

اہل جنت کے لئے حق تعالیٰ کی دائمی رضا

(۱۲۵) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ فَيَقُولُونَ لَيْسَ رَبَّنَا وَسَعْدُكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهُ فِي يَدَيْكَ فَيَقُولُ هَلْ رَضِيتُمْ؟ فَيَقُولُونَ وَمَا لَنَا لَا نَرْضَى يَا رَبِّ وَقَدْ أُغْضِيتَنَا مَا لَمْ نَعْطَ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ فَيَقُولُ أَلَا أُعْطِيتُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ؟ فَيَقُولُ أَجَلُ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِي فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهُ أَبَدًا. (رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو سعید سے روایت ہے کہتے ہیں کہ، رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ (جنتی جب جنت میں پہنچ جائیں گے اور وہاں کی نعمتیں ان کو عطا ہو جائیں گی تو) اللہ تعالیٰ ان کو مخاطب کر کے فرمائیں گے، کہ اے اہل جنت! وہ عرض کریں گے، کہ اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں، حاضر ہیں، آپ کی بارگاہ قدس میں، اور ساری خیر اور سب بھلائی آپ ہی کے قبضے میں ہے (جس کو چاہیں عطا فرمائیں، یا عطا نہ فرمائیں) پھر اللہ تعالیٰ ان بندوں سے فرمائیں گے، تم خوش ہو؟ (یعنی جنت اور جو نعمتیں جنت میں تم کو دی گئی، تم ان سے راضی ہو؟) یہ جنتی بندے عرض کریں گے، اے پروردگار! جب آپ نے ہمیں یہاں وہ کچھ نصیب فرمایا جو اپنی کسی مخلوق کو نہیں دیا تھا (یعنی آپ کی بخشش، اور آپ کے کرم سے جب یہاں ہمیں وہ نعمتیں اور وہ راحتیں اور لذتیں نصیب ہیں، جو دنیا میں کسی بڑے سے بڑے کو بھی نصیب

نہیں تھیں) تو ہم کیوں راضی اور خوش نہ ہوں گے!

اسکے بعد اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، کیا میں تمہیں اس سب سے اعلیٰ و افضل ایک چیز اور دوں! وہ بندے عرض کریں گے کہ خداوند! وہ کیا چیز ہے، جو اس جنت اور اس کی ان نعمتوں سے بھی افضل ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، میں تم کو اب اپنی دائمی اور ابدی رضامندی، اور خوشنودی کا تحفہ دیتا ہوں، اسکے بعد اب میں کبھی تم پر ناراض نہ ہوں گا۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) جنت اور اس کی ساری نعمتیں عطا فرمانے کے بعد اس رب کریم کا اپنے بندوں سے پوچھنا، کہ ”تم راضی ہو، خوش اور مطمئن ہو؟“ بجائے خود کتنی بڑی نعمت ہے، اور پھر دائمی رضا کا تحفہ، اور کبھی ناراض نہ ہونے کا اعلان، کتنا بڑا انعام اور احسان ہے، اس سے جو لذت اور مسرت اہل جنت کو اس وقت حاصل ہوگی، اگر اس کا ایک ذرہ اس دنیا میں ہم پر منکشف کر دیا جائے، تو دنیا کی کسی لذت اور مسرت کی چاہت ہمارے دلوں میں نہ رہے، بیشک بیشک اللہ کی رضا، جنت اور اسکی ساری نعمتوں سے بہت ہی اعلیٰ و بالا ہے، ”وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ الْكَبِيرِ“ اور لذت و مسرت میں اعلان رضا سے بڑھ کر صرف ”ویدار الہی ہے۔“

جنت میں دیدارِ الہی

حق تعالیٰ کا دیدار وہ سب سے بڑی نعمت ہے جس سے اہل جنت کو نوازا جائے گا، اور اللہ تعالیٰ نے جن کو عقل صحیح اور ذوق سلیم عطا کیا ہے، وہ اگر خود اپنے وجدان میں غور کریں، تو اس نعمت کی خواہش اور تمنا وہ ضرور اپنے میں پائیں گے، اور کیوں نہ ہو جو بندہ اپنے خالق اور رب کی بے شمار نعمتیں اس دنیا میں پارہا ہے، اور پھر جنت میں پہنچ کر اس سے لاکھوں گنی نعمتیں پائے گا، لازماً اسکے دل میں یہ تمنا اور تڑپ پیدا ہوگی کہ کسی طرح میں اپنے اس محسن اور کریم رب کو دیکھ پاتا، جس نے مجھے وجود بخشا، اور جو اس طرح مجھ پر اپنی نعمتیں انڈیل رہا ہے۔ پس اگر اسے کبھی بھی یہ نظارہ نصیب نہ ہو، تو یقیناً اس کی لذت و مسرت اور اسکے عیش میں بڑی تشنگی رہے گی، اور اللہ تعالیٰ جس بندہ سے راضی ہو کر اس کو جنت میں پہنچائیں گے اس کو ہر گز اسے تشنہ اور محروم نہیں رکھیں گے۔

اہل ایمان کے لئے قرآن مجید میں بھی اس نعمتِ عظمیٰ کی بشارت سنائی گئی ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے ارشادات میں صاف صاف اس کی خوش خبری دی ہے، اور تمام اہل ایمان

نے بغیر کسی تردد کے اس پر یقین کیا ہے، لیکن بعض ایسے طبقے، اور ایسے لوگ جو آخرت کی چیزوں کو بھی اس دنیا کے انداز سے سوچتے ہیں، اور یہاں کے اپنے محدود علم و تجربے کو، علم و تجربے کا آخری اور انتہائی درجہ سمجھتے ہیں، انہیں اس مسئلہ میں شبہات پیش آتے ہیں، وہ سوچتے ہیں کہ دیکھا تو اس چیز کو جاسکتا ہے جو جسم ہو، اور اللہ تعالیٰ نہ جسم ہے، نہ اس کا کوئی رنگ ہے، اور نہ اس کے لئے آگے یا پیچھے کی کوئی جہت ہے، تو پھر اسکو دیکھا کیونکر جاسکتا ہے! حالانکہ یہ سراسر مغالطہ ہے، اگر اہل حق کا عقیدہ یہ ہوتا، کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا کی انہی آنکھوں سے ہوگا، جو صرف جسم کی، اور کسی رنگ دار چیز ہی کو دیکھ سکتی ہیں، اور جن کی بینائی صرف اس چیز کا اور اک کر سکتی ہے، جو انکی سیدھ میں، یعنی سامنے ہو، تو بیشک ان منکرین کا یہ سوچنا کسی درجہ میں صحیح ہوتا، لیکن نہ قرآن وحدیث نے یہ بتلایا ہے، اور نہ اہل حق کا یہ عقیدہ ہے۔

اہل حق، اہل السنۃ والجماعۃ جو قرآن وحدیث کے اتباع میں اسکے قائل ہیں، کہ جنت میں حق تعالیٰ کا دیدار ان بندوں کو نصیب ہوگا جو اس نعمتِ عظمیٰ کے مستحق ہوں گے، وہ اسکے بھی قائل ہیں، کہ اللہ تعالیٰ جنتیوں کو بہت سی ایسی قوتیں عطا فرمائیں گے، جو اس دنیا میں کسی کو عطا نہیں ہوئیں، اور انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایسی آنکھیں عطا ہوں گی، جن کی بینائی کی قوت اتنی محدود اور کمزور نہ ہوگی، جتنی کہ اس دنیا میں ہماری آنکھوں کی ہے، اور ان ہی آنکھوں سے اہل جنت کو اپنے اس رب قدوس کا دیدار نصیب ہوگا، جو نہ جسم ہے، نہ اس کا کوئی رنگ ہے، اور نہ اس کے لئے کوئی جہت ہے، بلکہ وہ ان سب چیزوں سے دراء الوراء ہے، وہ نور ہے، سراسر نور ہے اور سارے انوار کا سرچشمہ ہے۔

اس توضیح کے بعد بھی رویتِ باری کے مسئلہ میں جن لوگوں کو عقلی استحالہ کا وسوسہ ہو، انہیں ذرا دیر کے لئے اس پر غور کرنا چاہئے، کہ اپنی مخلوقات کو اللہ تعالیٰ بھی دیکھتا ہے، یا نہیں؟ اگر دیکھنا صرف ان ہی ذرائع سے، اور ان ہی شرائط کے ساتھ ہو سکتا ہے جن سے ہم دیکھتے ہیں، تو پھر تو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ بھی کسی کو نہ دیکھ سکتا ہو، کیونکہ نہ اسکی آنکھ ہے، اور نہ کوئی مخلوق اس کی نسبت سے کسی جہت میں ہے۔ پس جو لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آنکھوں کے بغیر دیکھتا ہے، اور ہماری آنکھیں جن چیزوں کو کسی طرح، اور کسی حال میں نہیں دیکھ سکتیں، وہ ان کو بھی دیکھتا ہے اور بغیر مقابلہ اور جہت کے دیکھتا ہے، انہیں رویتِ باری کے مسئلہ میں بھی اس قسم کا کوئی وسوسہ نہ ہونا چاہئے، اور اللہ ورسول کی اطلاعات اور بشارات پر یقین کرتے ہوئے

سمجھ لینا چاہئے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور رحمت سے ایسی آنکھیں نصیب فرمائیں گے، جو حق تعالیٰ شانہ کے جمال کے نظارہ کی لذت بھی حاصل کر سکیں گی۔

قرآن پاک میں اہل ایمان کو بشارت سنائی گئی ہے، کہ: ”وَجُودَ يَوْمَئِذٍ نَّاصِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاطِرَةٌ“ (مطلب یہ ہے، کہ اہل جنت کے چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے، وہ خوش و خرم اور شاد ہوں گے اور اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے)۔ اور اسکے بالمقابل دوسرے موقع پر مکذبین اور منکرین کے بارے میں فرمایا گیا ہے ”وَأَنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ“ (یعنی یہ بد نصیب لوگ اس دن اپنے رب سے روک دیئے جائیں گے، اس کی زیارت اور اس کی دید سے محروم رکھے جائیں گے)۔

جنت میں حق تعالیٰ کی رویت سے متعلق رسول اللہ ﷺ سے جو احادیث مروی ہیں، وہ سب مل کر حد تو اترا کو پہنچ جاتی ہیں، اور ایک مومن کے یقین کے لئے بالکل کافی ہیں۔ ذیل میں ان میں سے صرف چند حدیثیں درج کی جاتی ہیں:

(۱۲۶) عَنْ صُهَيْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى أَتَرِيدُونَ شَيْئًا أَزِيدُكُمْ ؟ فَيَقُولُونَ أَلَمْ تَبَيِّضْ وَجُوهَنَا أَلَمْ تَدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَتُخْرِجَنَا مِنَ النَّارِ ، قَالَ فَيَرْفَعُ الْحِجَابَ فَيَنْظُرُونَ إِلَىٰ وَجْهِ اللَّهِ فَمَا أُعْطُوا شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ ثُمَّ تَلَا " لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ "۔

(ترجمہ) حضرت صہیب رومی سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے، تو اللہ تعالیٰ ان سے ارشاد فرمائیں گے، کیا تم چاہتے ہو میں تم کو ایک چیز مزید عطا کروں؟ (یعنی تم کو جو کچھ اب تک عطا ہوا، اس پر مزید اور اس سے سوا ایک خاص چیز اور عنایت کروں)۔ وہ جمدے عرض کریں گے، آپ نے ہمارے چہرے روشن کئے (یعنی سر خروئی اور خوب روئی عطا فرمائی) اور دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کیا (اب اسکے آگے اور کیا چیز ہو سکتی ہے جس کی ہم خواہش کریں)۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ان بندوں کے اس جواب کے بعد یکایک حجاب اٹھ جائے گا (یعنی ان کا آنکھوں سے پردہ اٹھادیا جائے گا) پس وہ روئے حق، اور جمال الہی کو بے پردہ دیکھیں گے، پس ان کا حال یہ ہوگا (اور وہ محسوس کریں گے) کہ جو کچھ اب تک انہیں ملتا تھا، اس سب سے زیادہ محبوب اور پیاری چیز ان کے لئے یہی دیدار کی نعمت ہے، یہ بیان فرما کے آپ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی: ”لِلَّذِينَ“

أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةً (جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھی بندگی والی زندگی گزاری، ان کے لئے اچھی جگہ ہے (یعنی جنت و ما فیہا) اور اس پر مزید ایک نعمت (یعنی دیدار حق)۔
(مسلم)

(تشریح) آنکھوں سے پردہ اٹھنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دفعۃً ان کی آنکھوں کو بینائی کی ایسی طاقت عطا فرما دے گا، کہ وہ روئے حق کا نظارہ کر سکیں گی۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔
رسول اللہ ﷺ نے آخر میں جو آیت تلاوت فرمائی، اسکے ذریعہ یہ بتلایا ہے کہ اس آیت میں ”زِيَادَةً“ سے مراد حق تعالیٰ کے دیدار کی نعمت ہے، جو جنت اور نعمائے جنت کے علاوہ اور ان سے سوا ہے۔

(۱۲۷) عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَظَرُ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَذْرِ فَقَالَ إِنَّكُمْ سَتَرُونَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هَذَا الْقَمَرَ لَا تَضَامُونَ فِي رُؤْيَيْهِ فَإِنْ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تَغْلِبُوا عَلَى صَلَوةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا فَافْعَلُوا، ثُمَّ قَرَأَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا۔
(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) جریر بن عبد اللہ بخلی سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ (ایک رات کو) ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے چاند کی طرف دیکھا، اور یہ چودھویں رات تھی (اور چودھویں کا چاند پوری آب و تاب کے ساتھ، اور بھرپور نکلا ہوا تھا) پھر آپ نے ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا، کہ: ”یقیناً تم اپنے پروردگار کو اسی طرح دیکھو گے، جیسے کہ اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ تمہیں اسکے دیکھنے میں کوئی کشمکش نہیں کرنی پڑے گی، اور کوئی زحمت نہ ہوگی، پس اگر تم یہ کر سکو، کہ طلوع آفتاب سے پہلی نماز، اور غروب آفتاب سے پہلی والی نماز کے مقابلے میں کوئی چیز کبھی تم پر غالب نہ آئے (یعنی کوئی مشغلہ اور کوئی دلچسپی اور آرام طلبی ان نمازوں کے وقت میں تمہیں اپنی طرف متوجہ نہ کر سکے) تو لازماً ایسا کرو (پھر انشاء اللہ دیدار حق اور نظارہ جمال الہی کی نعمت ضرور تم کو نصیب ہوگی)، اسکے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی: ”وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا“۔ (اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو) (یعنی اس کی تعریف بیان کرنے کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرو) سورج کے نکلنے سے پہلے، اور اسکے ڈوبنے سے پہلے۔

(تشریح) دنیا میں جب کسی حسین و جمیل چیز کے دیکھنے والے لاکھوں کروڑوں جمع ہو جائیں

اور سب اسکے دیکھنے کے انتہائی درجہ میں مشتاق ہوں، تو ایسے موقعوں پر عموماً بڑی کشمکش اور بڑی زحمت ہوتی ہے، اور اس چیز کو اچھی طرح دیکھنا بھی مشکل ہوتا ہے، لیکن چاند کا معاملہ یہ ہے کہ اس کو مشرق و مغرب کے آدمی بغیر کسی کشمکش اور زحمت کے، اور پورے اطمینان سے بیک وقت دیکھ سکتے ہیں، اسلئے رسول اللہ ﷺ نے اس کی مثال سے سمجھایا، کہ جنت میں حق تعالیٰ کا دیدار اسی طرح بیک وقت اسکے بے شمار خوش نصیب بندوں کو نصیب ہو گا، اور کسی کو کشمکش اور زحمت سے سابقہ نہیں پڑے گا، سب کی آنکھیں بڑے سکون و اطمینان سے وہاں جمالِ حق کے نظارہ کی لذت حاصل کریں گی۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔

آخر میں رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے عمل کی طرف بھی توجہ دلائی جو بندہ کو اس نعمت (دیدار حق) کا مستحق بنانے میں خاص اثر رکھتا ہے، یعنی فجر و عصر کی نمازوں کا خصوصیت سے ایسا اہتمام، کہ کوئی مشغولیت اور کوئی دلچسپی ان نمازوں کے وقت میں اپنی طرف متوجہ نہ کر سکے، اگرچہ فرض تو پانچ نمازیں ہیں، لیکن نصوص کتاب و سنت ہی سے مفہوم ہوتا ہے کہ ان دو نمازوں کو خاص اہمیت اور فضیلت حاصل ہے، رسول اللہ ﷺ نے قرآنی آیت: وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا۔ پڑھ کر، ان دو نمازوں کی اسی خصوصیت اور فضیلت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

(۱۲۸) عَنْ أَبِي رَزِينٍ الْعَقِيلِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَكُنَّا يَوْمَ يَرَى رَبَّهُ مُخْلِياً بِهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ قَالَ بَلَى قُلْتُ وَمَا آيَةُ ذَلِكَ؟ قَالَ يَا أَبَا رَزِينِ أَلَيْسَ كُلُّكُمْ يَوْمَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَذْرِ مُخْلِياً بِهِ قَالَ بَلَى قَالَ فَإِنَّمَا هُوَ خَلْقٌ مِنْ خَلْقِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَجَلُ وَأَعْظَمُ۔

(ترجمہ) ابورزین عقیلی سے روایت ہے کہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا قیامت میں ہم میں سے ہر ایک اپنے رب کو اکیلا (بغیر بھیڑ بھاڑ اور کشمکش کے) دیکھ سکے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! دیکھ سکے گا، میں نے عرض کیا: اور کیا اس کی کوئی نشانی اور مثال (ہماری اس دنیا میں بھی ہے) آپ نے فرمایا: اے ابورزین! کیا چودھویں رات کو تم میں سے ہر ایک چاند کو بجائے خود اور اکیلا بغیر بھیڑ بھاڑ کے نہیں دیکھتا؟ میں نے عرض کیا کہ: ہاں بے شک چاند کو تو ہم سب ہی اسی طرح دیکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ: وہ تو اللہ کی مخلوق ہے، اور اللہ تو بڑی جلالت والا اور نہایت عظمت والا ہے (پھر اس کے لئے کیا چیز مشکل

(ہے۔)

(ابوداؤد)

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ لَذَّةَ النَّظَرِ اِلٰی وَجْهِكَ وَاشْوَقَ اِلٰی لِقَائِكَ.

دوزخ اور اُس کا عذاب

جس طرح جنت کے متعلق قرآن پاک کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اعلیٰ درجے کی ایسی لذتیں اور راحتیں ہیں، کہ دنیا کی بڑی سے بڑی لذتوں اور راحتوں کو ان سے کوئی نسبت نہیں، اور پھر وہ سب ابدی اور غیر فانی ہیں، اسی طرح دوزخ کے متعلق قرآن وحدیث میں جو کچھ بتلایا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں ایسی تکلیفیں اور ایسے دکھ ہیں کہ دنیا کے بڑے سے بڑے دکھوں اور بڑی سے بڑی تکلیفوں کو ان سے کوئی نسبت نہیں۔

بلکہ واقعہ یہ ہے کہ قرآن وحدیث کے الفاظ سے جنت کے عیش و راحت اور دوزخ کے دکھ اور عذاب کا جو تصور اور جو نقشہ ہمارے ذہنوں میں قائم ہوتا ہے وہ بھی اصل حقیقت سے بہت ناقص اور کمتر ہے، اور یہ اسلئے کہ ہماری زبان کے سارے الفاظ ہماری اسی دنیا کی چیزوں کے لئے وضع کئے گئے ہیں، مثلاً سیب یا انگور کے لفظوں سے ہمارا ذہن بس اسی قسم کے سیبوں یا انگوروں طرف جاسکتا ہے جن کو ہم نے دیکھا اور چکھا ہے، ہم جنت کے ان سیبوں اور انگوروں کی اصل حقیقت اور کیفیت کا تصور کیسے کر سکتے ہیں۔ جو اپنی خوبیوں میں یہاں کے سیبوں اور انگوروں سے ہزاروں درجہ زیادہ ترقی یافتہ ہوں گے، اور جن کا کوئی نمونہ ہم نے یہاں نہیں دیکھا۔ اسی طرح مثلاً سانپ اور بچھو کے لفظ سے ہمارا ذہن اسی قسم کے سانپوں اور بچھوؤں کی طرف جاسکتا ہے جو ہم نے اس دنیا میں دیکھے ہیں، دوزخ کے ان سانپوں اور بچھوؤں کا پورا نقشہ ہمارے ذہنوں میں کیسے آسکتا ہے جو اپنی جسامت اور خوف ناک اور زہریلے پن میں یہاں کے ان سانپوں اور بچھوؤں سے ہزاروں درجہ بڑھے ہوئے ہوں گے، اور کبھی ہم نے ان کی تصویر تک نہیں دیکھی ہے۔

بہر حال قرآن وحدیث کے الفاظ سے بھی جنت ودوزخ کی چیزوں کی اصل کیفیت، اور اصل حقیقت کو ہم یہاں پورے طور پر نہیں سمجھ سکتے، بس وہاں پہنچ کر ہی معلوم ہوگا، کہ جنت کے عیش و راحت کے بارے میں جو کچھ ہم نے جانا اور سمجھا تھا، ہمارا وہ علم بڑا ہی ناقص تھا، اور جنت میں تو اس سے ہزاروں درجہ عیش و راحت ہے، اور دوزخ کے دکھ اور عذاب کے بارے میں

جو کچھ ہم نے سمجھا تھا اصل حقیقت کے مقابلے میں وہ بھی بہت ہی ناقص تھا، اور یہاں تو ہمارے سمجھے ہوئے سے ہزاروں گنا زیادہ دکھ اور عذاب ہے۔

اور جیسا کہ اس سے پہلے جنت کے بیان میں بتلایا جا چکا ہے، دوزخ اور جنت کے متعلق جو کچھ قرآن و حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے اس کا یہ مقصد ہے ہی نہیں، کہ جو کچھ وہاں پر پیش آنے والا ہے، اسکو ہم یہاں پوری طرح سمجھ لیں اور جان لیں، اور وہاں کے حالات کا صحیح نقشہ ہمارے سامنے آجائے، بلکہ اس بیان کا اصل مقصد تبشیر اور انذار ہے، یعنی جنت کا شوق اور دوزخ کا خوف دلا کر اللہ کی رضا والی اور دوزخ سے بچا کر جنت میں پہنچانے والی زندگی پر اللہ کے بندوں کو آمادہ کرنا، اور اس مقصد کے لئے جنت و دوزخ سے متعلق قرآن و حدیث کا یہ بیان بالکل کافی ہے، پس اس سلسلے کی آیات و احادیث پر غور کرتے وقت ہمیں اسی خاص مقصد کو سامنے رکھنا چاہیے۔

(۱۲۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَارُكُمْ جُزْءٌ مِنْ سَبْعِينَ جُزْأً مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنْ كَانَتْ لِكَافِيَةٍ قَالَ فَصَلَّتْ عَلَيْهِمْ بِتِسْعَةِ وَسِتِّينَ جُزْأً كُلُّهُنَّ مِثْلُ حَرِّهَا.

(رواہ البخاری و مسلم واللفظ للبخاری)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تمہاری اس دنیا کی آگ دوزخ کی آگ کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! یہی (دنیا کی آگ) کافی تھی؟ آپ نے فرمایا: ”دوزخ کی آگ دنیا کی آگ کے مقابلہ میں انہتر ۶۹ درجہ بڑھادی گئی ہے، اور ہر درجہ کی حرارت آتش دنیا کی حرارت کے برابر ہے۔“

(صحیح بخاری و مسلم)

(تشریح) اس دنیا کی آگ کی قسموں میں بھی درجہ حرارت میں بعض بعض سے بہت بڑھی ہوئی ہیں، مثلاً لکڑی کی آگ میں گھاس پھونس کی آگ سے زیادہ گرمی ہوتی ہے، اور مثلاً پتھر کے کونسلے کی آگ میں لکڑی کی آگ کے مقابلے میں بہت زیادہ حرارت ہوتی ہے، اور بعض بموں سے جو آگ پیدا ہوتی ہے، وہ درجہ حرارت میں ان سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہوتی ہے اور اب تو آلات سے معلوم کرنا بھی آسان ہو گیا ہے کہ ایک آگ دوسری آگ کے مقابلہ میں کتنے درجہ کم یا زیادہ گرم ہے، پس اب حدیث کے اس مضمون کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں رہا کہ ”دوزخ

کی آگ دنیا کی آگ کے مقابلہ میں ستر درجہ زیادہ حرارت اپنے اندر رکھتی ہے۔“

اور جیسا کہ پہلے بھی کئی بار شرح حدیث کے اسی سلسلہ میں بتلایا گیا ہے کہ عربی زبان میں ایسے موقعوں پر ستر کا عدد کسی چیز کی صرف زیادتی اور کثرت ظاہر کرنے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے، پس ہو سکتا ہے، کہ اس حدیث میں بھی یہ عدد اسی محاورے کے مطابق استعمال کیا گیا ہو، اس صورت میں حدیث کا حاصل یہ ہو گا کہ دوزخ کی آگ اپنی گرمی، اور جلانے کی صفت میں دنیا کی آگ سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔ واللہ اعلم۔

آگے حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب دوزخ کی آگ کا یہ حال بیان فرمایا تو کسی صحابی نے عرض کیا، کہ یا رسول اللہ دنیا کی آگ کی حرارت ہی کافی، تھی اس پر آپ نے اور زیادہ واضح لفظوں میں پھر پہلے ہی مضمون کو دہرایا، اسکے علاوہ کوئی اور جواب نہیں دیا، غالباً اس طریق جواب سے آپ نے اس پر متنبہ فرمایا، کہ ہمیں اللہ کے افعال اور اسکے فیصلوں کے بارے میں ایسے سوالات نہیں کرنے چاہئیں، جو کچھ اسنے کیا ہے، اور جو کچھ وہ کرے گا، وہی ٹھیک ہے۔

(۱۳۰) عَنِ الثُّعْمَانَ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَهْوَنَ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا مَنْ لَهُ نَعْلَانِ وَشِرَاكَانِ مِنْ نَارٍ يَغْلِي مِنْهُمَا دِمَاعُهُ كَمَا يَغْلِي الْمِرْجَلُ مَا يَرَى إِنْ أَحَدًا أَشَدَّ مِنْهُ عَذَابًا وَإِنَّهُ لَا هُوَ نُهُمْ عَذَابًا.

(رداء البخاری و مسلم)

(ترجمہ) ثعمان بن بشیر سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والا وہ شخص ہو گا، جس کی چپلیں اور ان چپلوں کے تسمے آگ کے ہوں گے، ان کی گرمی سے اس کا دماغ اس طرح کھولے گا اور جوش مارے گا، کہ جس طرح چولہے پر دیکھی کھولتی ہے۔ اور اس میں جوش آتا ہے وہ نہیں خیال کرے گا، کہ کوئی شخص اس سے زیادہ سخت عذاب میں بھی ہے (یعنی وہ اپنے ہی کو سب سے زیادہ سخت عذاب میں سمجھے گا) حالانکہ وہ دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والا ہو گا۔ (بخاری و مسلم)

(۱۳۱) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتَى بِأَنعَمِ أَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَيُصْبَغُ فِي النَّارِ صَبْغَةً ثُمَّ يُقَالُ يَا ابْنَ آدَمَ هَلْ رَأَيْتَ خَيْرًا قَطُّ هَلْ مَرَّبَكَ نَعِيمٌ قَطُّ؟ فَيَقُولُ لَا وَاللَّهِ يَا رَبِّ! وَيُؤْتَى بِأَشَدِّ النَّاسِ بُؤْسًا فِي الدُّنْيَا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيُصْبَغُ صَبْغَةً فِي الْجَنَّةِ فَيُقَالُ لَهُ يَا ابْنَ آدَمَ هَلْ رَأَيْتَ

بُؤْسًا قُطِّ وَهَلْ مَرَبِّكَ شِدَّةٌ قُطُّ؟ فَيَقُولُ لَا وَاللَّهِ يَارَبِّ مَا مَرَّ بِي بُؤْسٌ قُطُّ وَلَا رَأَيْتُ شِدَّةً قُطُّ۔ (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن اہل دوزخ میں سے (یعنی ان لوگوں میں سے جو اپنے کفر و شرک کی وجہ سے یا فسق و فجور کی وجہ سے دوزخ میں جانے والے ہوں گے) ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جس نے اپنی دنیا کی زندگی نہایت عیش و آرام کے ساتھ گزاری ہوگی، اور پھر اس کو دوزخ کی آگ میں ایک غوطہ دلایا جائے گا (یعنی جس طرح پکڑے کو رگتے وقت رنگ میں ڈال کر اور بس ایک ڈوب دے کر نکال لیتے ہیں، اسی طرح اس شخص کو دوزخ کی آگ میں ڈال کر فوراً نکال لیا جائے گا) پھر اس سے کہا جائے گا، کہ آدم کے فرزند! کیا تو نے کبھی خیریت اور اچھی حالت بھی دیکھی ہے، اور کیا کبھی عیش و آرام کا کوئی دور تجھ پر گذرا ہے؟ وہ کہے گا کبھی نہیں، قسم خدا کی اے پروردگار! اور ایک شخص اہل جنت میں سے (یعنی ان خوش نصیب بندوں میں سے جو اپنی ایمان والی زندگی کی وجہ سے جنت کے مستحق ہوں گے) ایسا لایا جائے گا جسکی زندگی دنیا میں سب سے زیادہ تکلیف میں اور دکھ میں گزری ہوگی، اور اسکو ایک غوطہ جنت میں دیا جائے گا (یعنی جنت کی فضاؤں اور ہواؤں میں پہنچا کر فوراً نکال لیا جائے گا) اور اس سے کہا جائے گا، کہ اے آدم کے فرزند! کیا کبھی تو نے کوئی دکھ دیکھا۔ اور کیا تجھ پر کوئی دور شدت اور تکلیف کا گزرا ہے، پس وہ کہے گا نہیں، خدا کی قسم اے میرے پروردگار! مجھ پر کبھی کوئی تکلیف نہیں گذری، اور میں نے کبھی کسی تکلیف کا نہیں دیکھا! (مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ دوزخ کا عذاب اتنا سخت ہے کہ اس کا ایک لمحہ عمر بھر کے عیش و راحت کو بھلا دے گا، اور جنت میں وہ راحت اور عیش ہے کہ اس میں قدم رکھتے ہی آدمی عمر بھر کے سارے دکھ اور ساری کلفتیں بھول جائے گا۔

(۱۳۲) عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْهُمْ مَنْ تَأْخُذُهُ النَّارُ إِلَى كَعْبِيهِ وَمِنْهُمْ مَنْ تَأْخُذُهُ النَّارُ إِلَى رُكْبَتَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ تَأْخُذُهُ النَّارُ إِلَى حُجْرَتِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ تَأْخُذُهُ النَّارُ إِلَى تَرَاقُوتِهِ۔ (رواہ مسلم)

(ترجمہ) سمرہ بن جندب سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: دوزخیوں میں سے بعض وہ ہوں گے کہ جن کو پکڑے گی آگ ان کے کھنوں تک، اور بعض وہ ہوں گے کہ جن کو پکڑے گی آگ ان کے زانوؤں تک، اور بعض وہ ہوں گے کہ جن کو پکڑے گی آگ ان کی کمر تک، اور بعض وہ ہوں گے کہ جن کو پکڑے گی آگ ان کی ہنسی تک۔ (مسلم)

(تشریح) حدیث کا مقصد یہ ہے کہ دوزخ میں سب ایک درجہ میں اور ایک ہی حال میں نہیں ہوں گے، بلکہ جرائم کی نوعیت کے لحاظ سے ان کے عذاب میں کمی بیشی ہوگی، مثلاً کچھ لوگوں کا حال یہ ہوگا کہ آگ ان کے صرف ٹخنوں تک پہنچے گی، اور کچھ لوگوں پر عذاب اس سے زیادہ ہوگا، اور آگ ان کے زانوؤں تک پہنچے گی، اور کچھ لوگوں پر اس سے بھی زیادہ ہوگا، اور آگ ان کی کمر تک پہنچا کرے گی، اور کچھ لوگ ان سے بھی سخت تر اور بدتر حالت میں رہیں گے اور آگ ان کی گردن تک پہنچے گی۔ اللہم احفظنا۔

(۱۳۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ فِي النَّارِ حَيَاتٍ كَأَمْثَالِ الْبُخْتِ تَلْسَعُ أَحَدًا هُنَّ اللَّسَعَةُ فَيَجِدُ حَمَوْتَهَا أَرْبَعِينَ خَرِيفًا وَإِنَّ فِي النَّارِ عَقَارِبُ كَأَمْثَالِ الْبَعَالِ الْمُؤْ كَفَّةً تَلْسَعُ أَحَدًا هُنَّ اللَّسَعَةُ فَيَجِدُ حَمَوْتَهَا أَرْبَعِينَ خَرِيفًا. (رواه احمد)

(ترجمہ) عبد اللہ بن الحارث سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ: جہنم میں سانپ ہیں، جو اپنی جسامت میں سختی اونٹوں کے برابر ہیں (جو جہنم میں عام اونٹوں سے بھی بڑے ہوتے ہیں) اور وہ اس قدر زہریلے ہیں کہ ان میں کا کوئی سانپ جس دوزخی کو ایک دفعہ ڈسے گا، تو چالیس سال کی مدت تک وہ اسکے زہر کا اثر پائے گا (اور تڑپے گا) اور اسی طرح دوزخ میں بچھو ہیں، جو (اپنی جسامت میں) پالان بندھے ٹخروں کی مانند ہیں (وہ بھی ایسے ہی زہریلے ہیں کہ) ان میں سے کوئی کسی دوزخی کو ایک دفعہ ڈنک مارے گا، تو چالیس سال تک وہ اسکے زہر کی تکلیف پائے گا۔

(۱۳۴) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ أَنَّ ذُلُومًا مِنْ غَسَاقٍ يَهْرَاقُ فِي الدُّنْيَا لَا تَنَنْ أَهْلُ الدُّنْيَا. (رواه الترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ: "غساق (یعنی وہ سڑی ہوئی پیپ جو جہنیوں کے زخموں سے نکلے گی، اور جس کے متعلق قرآن مجید میں بتلایا گیا ہے کہ وہی اہلئ بھوک میں ان کی غذا ہوگی، وہ اس قدر بدبودار ہوگی کہ) اگر اس کا ایک ڈول اس دنیا پر بہا دیا جائے تو ساری دنیا (اس کی سڑا ہند سے) بدبودار ہو جائے۔"

(۱۳۵) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ هَذِهِ الْآيَةَ "

اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ“ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ أَنَّ قَطْرَةً مِنَ الزُّقُومِ قَطَرَتْ فِي دَارِ الدُّنْيَا لَافْسَدَتْ عَلَى أَهْلِ الْأَرْضِ مَعَايِشُهُمْ فَكَيْفَ بِمَنْ يَكُونُ طَعَامُهُ. (رواه الترمذی)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ”اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ“۔ (اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور فیصلہ کر لو کہ ہر گز نہ مرو گے، مگر اس حال میں کہ تم مسلم (اللہ کے فرمانبردار بندے) ہو گے) (اور اللہ سے اسکے عذاب سے ڈرنے کے سلسلے میں) آپ نے بیان فرمایا کہ ”زُقُوم“ (جس کے متعلق قرآن مجید میں ہے کہ وہ جہنم میں پیدا ہونے والا ایک درخت ہے، اور وہ دوزخیوں کی خوراک بنے گا) اگر اس کا ایک قطرہ اس دنیا میں ٹپک جائے، تو زمین پر بسنے والوں کے سارے سامانِ زندگی کو خراب کر دے، پس کیا گزرے گی اس شخص پر جس کو کھانا دینی قوم ہو گا۔ (ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ زقوم اس قدر گندی اور زہریلی چیز ہے، کہ اگر اس کا ایک قطرہ ہماری اس دنیا میں ٹپک جائے تو یہاں کی تمام چیزیں اس کی بدبو اور گندگی اور زہریلے پن سے متاثر ہو جائیں، اور ہمارے کھانے پینے کی ساری چیزیں خراب ہو جائیں، پس سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ زقوم جس کو کھانا پڑے گا اس پر کیا گزرے گی۔

(۱۳۶) عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ ابْكُوا فَإِنَّ لَمْ تَسْتَطِيعُوا فَبَاكُوا فَإِنَّ أَهْلَ النَّارِ يَبْكُونَ فِي النَّارِ حَتَّى تَسِيلَ دُمُوعُهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ كَأَنَّهَا جَدَاوِلٌ حَتَّى تَنْقِطَعَ الدَّمُوعُ فَتَسِيلَ الدِّمَاءُ فَتَقْرَحُ الْعُيُونُ فَلَوْ أَنَّ سُفُنًا أُرْجِيَتْ فِيهَا لَجَرَتْ. (رواه البغوی فی شرح السنہ)

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اپنے ایک خطاب میں) فرمایا کہ: اے لوگو! (اللہ اور اسکے عذاب کے خوف سے) خوب روؤ، اور اگر تم یہ نہ کر سکو، یعنی اگر حقیقی گریہ کی کیفیت تم پر طاری نہ ہو (کیونکہ وہ ایسی اختیاری چیز نہیں ہے کہ آدمی جب چاہے اس کو اپنے اندر پیدا کر سکے) تو پھر (اللہ کے قہر اور اسکے عذاب کا خیال کر کے) تکلف سے روؤ، اور رونے کی شکل بناؤ، کیوں کہ دوزخی دوزخ میں اتار وائیں گے کہ ان کے چہروں پر ان کے آنسو ایسے بہیں گے، کہ گویا وہ (بہتی ہوئی) نالیاں ہیں، یہاں تک کہ آنسو ختم ہو جائیں گے، اور پھر (آنسوؤں کی جگہ) خون بہے گا اور پھر (اس خون بہنے سے) آنکھوں میں زخم پڑ جائیں

گے (اور پھر ان زخموں سے اور زیادہ خون جاری ہوگا، اور ان دوزخیوں کے ان آنسوؤں اور خونوں کی مجموعی مقدار اتنی ہوگی کہ اگر کشتیاں اس میں چلائی جائیں تو خوب چلیں۔

(شرح الن)

(تشریح) حدیث کا مقصد یہ ہے کہ دوزخ میں اتنا دکھ اور ایسا عذاب ہوگا، کہ آنکھیں آنسوؤں کا ذخیرہ ختم کر کے خون روئیں گی، اور اس مسلسل رونے سے ان میں زخم پڑ جائیں گے، پس وہاں کے اس دکھ اور عذاب سے، اور آنسوؤں کا اور خون کا دریا بہانے والے اس رونے سے بچنے کے لئے آدمیوں کو چاہئے، کہ وہ یہاں اپنے اندر خدا کا خوف پیدا کریں، اور روئیں، دوسری ایک حدیث میں ہے کہ ”لَا يُلْجُ النَّارَ مَنْ بَكَى مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ حَتَّى يُعَوِّدَ اللَّبْنَ فِي الصَّرْعِ“ (یعنی جو یہاں اللہ کے خوف سے روئے گا، وہ ہرگز دوزخ میں نہیں جائے گا) بہر حال اللہ کے خوف سے رونا اور اگر رونا نہ آئے، تو رٹنی صورت ہی بنانا، اللہ کے رحم کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا خاص ذریعہ ہے، اور دوزخ کے عذاب سے بچانے والے خاص اعمال میں سے ہے۔

(۱۳۷) عَنِ النَّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أُنْذِرْكُمْ النَّارَ أَنْذَرْتُكُمْ النَّارَ فَمَا زَالَ يَقُولُهَا حَتَّى لَوْ قَامَ فِي مَقَامِي هَذَا سَمِعَهُ أَهْلُ السُّوقِ رَحَتِي سَقَطَتْ خَمِيصَةً كَانَتْ عَلَيْهِ عِنْدَ رَجُلَيْهِ.

(رواہ الدارمی)

(ترجمہ) حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ (اپنے ایک خطاب میں) فرماتے تھے: میں نے تمہیں آتش دوزخ سے خبردار کر دیا ہے، میں نے تمہیں دوزخ کے عذاب سے آگاہ کر دیا ہے۔ آپ یہی کلمہ بار بار فرماتے تھے (آگے حدیث کے راوی نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ یہ آپ یہ بات اتنی بلند آواز سے فرماتے) کہ اگر آپ اس جگہ ہوتے جہاں پر اس وقت میں ہوں (اور یہاں سے فرماتے) تو بازار والے بھی آپ کے اس ارشاد کو سن لیتے، اور (اس وقت آپ پر خود فراموشی کی ایک خاص کیفیت طاری تھی) یہاں تک کہ آپ کی کمری جو اس وقت آپ اوڑھے ہوئے تھے، آپ کے قدموں کے پاس آگری۔

(دارمی)

(تشریح) بعض خطابات کے وقت حضور ﷺ کی کوئی خاص کیفیت ہوتی تھی، صحابہ کرامؓ اس کی کوشش فرماتے تھے کہ ان خطابات کی روایت کے وقت اس خاص کیفیت کو بھی کسی طرح

نقل کر دیں، چنانچہ حضرت نعمان بن بشیر نے اس حدیث کے بیان میں جو اتنی تفصیل کی تو اس سے ان کا مقصد یہی تھا۔ کہ لوگوں کو یہ بات بتلا دیں کہ اس خطاب کے وقت آپ کی یہ خاص حالت تھی، اور دوسروں کو دوزخ سے ڈراتے ہوئے آپ خود اتنے متاثر ہوتے تھے۔

جنت اور دوزخ کے بارے میں ایک اہم انتباہ!

(۱۳۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُفِّ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ وَخُفِّ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ.

(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دوزخ شہوات و لذات سے گھیر دی گئی ہے۔ اور جنت سختیوں اور مشقتوں سے گھری ہوئی ہے۔“ (بخاری و مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ معاصی، یعنی جو اعمال انسان کو دوزخ میں پہنچانے والے ہیں، ان میں عموماً نفس کی شہوت و لذت کا بڑا سامان ہے، اور طاعات یعنی جو اعمال انسان کو جنت کا مستحق بنانے والے ہیں وہ عموماً نفس انسانی کے لئے شاق اور گراں ہیں پس جو شخص نفس کی خواہشوں سے مغلوب ہو کر معاصی کا ارتکاب کرے گا، اس کا ٹھکانا دوزخ ہو گا، اور اللہ کا جو بندہ اللہ کی فرمانبرداری کی مشقتوں کو برداشت کرے گا، اور خواہشات والی ”خوشگوار اور لذیذ“ زندگی کے بجائے احکام الہی کی اطاعت والی مجاہدہ کی زندگی گزارے گا، وہ جنت میں اپنا مقام حاصل کر لے گا۔ اس سے اگلی حدیث میں اسی حقیقت کو ایک اور عنوان سے، اور کسی قدر تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے۔

(۱۳۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ الْجَنَّةَ قَالَ لِحَبْرَيْلُ إِذْ هَبْ فَانْظُرْ إِلَيْهَا فَذَهَبَ فَنَظَرَ إِلَيْهَا وَالَّتِي مَا أَعَدَّ اللَّهُ لِأَهْلِهَا فِيهَا ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ أَمِ رَبِّ وَعِزَّتِكَ لَا يَسْمَعُ بِهَا أَحَدٌ إِلَّا دَخَلَهَا ثُمَّ حَفَّهَا بِالْمَكَارِهِ ثُمَّ قَالَ لِحَبْرَيْلُ إِذْ هَبْ فَانْظُرْ إِلَيْهَا قَالَ فَذَهَبَ فَنَظَرَ إِلَيْهَا ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ، أَمِ رَبِّ وَعِزَّتِكَ لَقَدْ حَشِيتُ أَنْ لَا يَدْخُلَهَا أَحَدٌ قَالَ فَلَمَّا خَلَقَ اللَّهُ النَّارَ قَالَ يَا حَبْرَيْلُ إِذْ هَبْ فَانْظُرْ إِلَيْهَا قَالَ فَذَهَبَ فَنَظَرَ إِلَيْهَا ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ، أَمِ رَبِّ وَعِزَّتِكَ لَا يَسْمَعُ بِهَا أَحَدٌ فَيَدْخُلُهَا فَحَفَّهَا بِالشَّهَوَاتِ ثُمَّ قَالَ يَا حَبْرَيْلُ إِذْ هَبْ فَانْظُرْ إِلَيْهَا قَالَ فَذَهَبَ فَنَظَرَ إِلَيْهَا فَقَالَ، أَمِ رَبِّ وَعِزَّتِكَ لَقَدْ

خَشِيتُ اَنْ لَا يَنْقِيَ اَحَدًا اِلَّا دَخَلَهَا. (رواہ الترمذی و ابو داؤد والنسائی)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ: جب اللہ نے جنت کو بنایا، تو اپنے مقرب فرشتے جبرئیل سے فرمایا کہ تم جاؤ اور اس کو دیکھو (کہ ہم نے اس کو کیسا بنایا ہے، اور اس میں کیسی کیسی نعمتیں پیدا کیں ہیں) چنانچہ وہ گئے، اور انہوں نے جا کر جنت کو اور راحت و لذت کے ان سامانوں کو دیکھا، جو اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے لئے اس میں تیار کئے ہیں، اور پھر حق تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، کہ خداوند! آپ کی عزت و عظمت کی قسم! آپ نے تو جنت کو ایسا حسین بنایا ہے اور اس میں راحت و لذت کے ایسے ایسے سامان پیدا کئے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ جو کوئی بھی اس کا حال سن پائے گا، وہ اس میں ضرور پہنچے گا (یعنی اس کا حال سن کر وہ اس کا طالب بن جائے گا، اور پھر اس میں پہنچنے کے لئے جو اچھے اعمال کرنے چاہئیں، وہ پوری مستعدی کے ساتھ وہی اعمال کرے گا، اور جن برے کاموں سے بچنا چاہئے ان سے پوری طرح بچے گا، اور اس طرح اس میں پہنچ ہی جائے گا) پھر اللہ تعالیٰ نے اس جنت کو غیتوں اور مشقتوں سے گھیر دیا (یعنی جنت کے گرد شرعی احکام کی پابندی کا بازہ لگا دیا، جو طبیعت اور نفس کے لئے بہت شاق اور گراں ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں پہنچنے کے لئے احکام کی اطاعت کی گھائی کو عبور کرنے کی شرط لگا دی، جس میں طبیعتوں کو اور نفسوں کو بڑی سختی اور دشواری محسوس ہوتی ہے) اور پھر جبرئیل سے فرمایا، کہ اب پھر جاؤ، اور پھر اس جنت کو (اور اس کے گرد اگر د لگائی ہوئی بازہ کو) دیکھو۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ پھر گئے، اور جا کر پھر جنت کو دیکھا اور اس مرتبہ آکر فرمایا کہ: خداوند! قسم! آپ کی عزت و عظمت کی، اب تو مجھے یہ ڈر ہے کہ اس میں کوئی بھی نہ جاسکے گا (مطلب یہ ہے کہ جنت میں جانے کے لئے شرعی احکام کی پابندی کی گھائی کو عبور کرنے کی جو شرط آپ کی طرف سے لگائی گئی ہے، وہ نفس اور نفسانی خواہشات رکھنے والے انسان کے لئے اتنی شاق، اور اس قدر دشوار ہے کہ اس کو کوئی بھی پورا نہ کر سکے گا، اسلئے مجھے ڈر ہے کہ اب اس جنت کو شاید کوئی بھی حاصل نہ کر سکے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ نے جب دوزخ کو بنایا تو پھر جبرئیل سے فرمایا کہ: جاؤ اور ہماری بنائی ہوئی دوزخ کو (اور اس میں انواع و اقسام کے عذاب کے جو سامان پیدا کئے ہیں، ان کو) دیکھو، چنانچہ وہ گئے، اور جا کر اس کو دیکھا، اور آکر عرض کیا، خداوند! آپ کی عزت کی قسم! آپ نے دوزخ کو تو ایسا بنایا ہے، کہ میرا خیال ہے کہ جو کوئی بھی اس کا حال سنے گا وہ کبھی بھی اس میں نہ جائے گا (یعنی ایسے کاموں کے پاس نہیں جائے گا جو آدمی کو دوزخ میں پہنچانے والے ہیں)

اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو شہوات اور نفسانی لذات سے گھیر دیا (مطلب یہ ہے کہ نفسانی خواہشات والے وہ اعمال جن میں انسان کی طبیعت اور نفس کے لئے بڑی کشش ہے، جہنم کے گردان کی بازہ لگادی، اور اس طرح جہنم کی طرف جانے کیلئے بڑی کشش پیدا ہو گئی) اور پھر اللہ تعالیٰ نے جبرئیل سے فرمایا: اب پھر جا کر اس دوزخ کو دیکھو۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جبرئیل پھر گئے اور جا کر اس کو اور اسکے گرد شہوات و لذات کی جو بازہ لگائی گئی تھی، اس کو دیکھا اور آکر عرض کیا: خداوند! آپ کی عزت و جلال کی قسم! اب تو مجھے یہ ڈر ہے کہ سب انسان اسی میں نہ پہنچ جائیں (مطلب یہ ہے کہ جن شہوات و لذات سے آپ نے جہنم کو گھیر دیا ہے ان میں نفس رکھنے والے انسانوں کے لئے اتنی زبردست کشش ہے کہ ان سے رکتا بہت مشکل ہے اور اسلئے خطرہ ہے کہ بے چاری ساری اولاد آدم نفسانی لذات و شہوات کی کشش سے مغلوب ہو کر دوزخ ہی میں نہ پہنچ جائے۔) (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

(تشریح) حدیث کا اصل مقصد اور اس میں ہمارے لئے خاص سبق یہ ہے کہ نفسانی خواہشات جو بظاہر بڑی لذیذ اور بڑی مرغوب ہیں۔ ہم جان لیں کہ ان کا انجام دوزخ کا دردناک عذاب ہے، جس کا ایک لمحہ زندگی بھر کے عیشوں کو بھلا دے گا، اور احکام الہی کی پابندی والی زندگی جس میں ہمارے نفسوں کو گرانی اور سختی محسوس ہوتی ہے اس کا انجام اور منتہی جنت ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عیش و راحت کے وہ سامان ہیں جن کی دنیا کے کسی انسان کو ہوا بھی نہیں لگی ہے۔

(۱۳۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا رَأَيْتُ مِثْلَ النَّارِ نَامَ هَا رَبُّهَا وَلَا مِثْلَ الْجَنَّةِ نَامَ طَالِبُهَا. (رواه الترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے نہیں دیکھی دوزخ کی طرح کی کوئی خوفناک بلا، کہ سوتا ہو اس سے بھاگنے والا، اور نہیں دیکھی میں نے جنت کی طرح کی کوئی مرغوب و محبوب چیز، کہ سوتا ہو اس کا چاہنے والا۔ (ترمذی)

(تشریح) انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ کسی بلا سے مثلاً اپنی طرف آنے والے کسی خوفناک درد سے، یا اپنا تقاب کرنے والے کسی سخت ظالم اور طاقتور دشمن سے جان بچانے کے لئے بھاگتا ہے، تو بس بھاگا ہی چلا جاتا ہے، اور جب تک کہ اطمینان نہ ہو جائے، نہ سوتا ہے اور نہ آرام کرتا ہے، اسی طرح جب کسی انتہائی محبوب و مرغوب چیز کے حاصل کرنے کے لئے تگ و دو کرتا ہے تو اثناء راہ میں نہ تو سوتا ہے، نہ چین سے بیٹھتا ہے۔ لیکن دوزخ اور جنت کے بارے

میں انسانوں کا عجب حال ہے، دوزخ سے بڑھ کر کوئی خوفناک بلا نہیں، مگر جن کو اس سے بچنے کے لئے بھاگنا چاہئے، وہ غفلت کی نیند سوتے ہیں، اور جنت جس کے حاصل کرنے کے لئے دل و جان سے جدوجہد کرنا چاہئے، اس کے چاہنے والے بھی محو خواب ہیں۔

پردے غفلت کے پڑ گئے ہیں، بلا کی نیندیں امنڈ رہی ہیں
کچھ ایسے سوئے ہیں سونے والے، کہ حشر تک جاگنا قسم ہے

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پہلی جلد ختم ہوئی۔
فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي بِعِزَّتِهِ وَجَلَّ لَهُ تَتِمُّ الصَّلَاحُ

اللہ تعالیٰ باقی جلدوں کی بھی تکمیل اور اشاعت کی توفیق دے

بندہ ناچیز:-

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

دَا رَا لَا شَاعَتْ

بہشتی زیور ہدال مکمل — حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی ر

فتاویٰ رقتیہ اردو ۱۰ حصے — مولانا مفتی غیب الرحمن لاہوری

فتاویٰ رحیمیہ انگریزی ۳ حصے " " " "

فتاویٰ عالمگیری اردو، جلد ۱۰ پیش نظر مولانا محمد تقی عثمانی — اورنگ زیب عالمگیر

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۱۲ حصے ۱۰ جلد — مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۲ جلد کاہلک ————— مولانا مفتی محمد شفیع رح

اسلام کا نظم و اراضی

مسائل معارف القرآن (تفہیم القرآن میں ذکر آئی احکام)

انسانی اعضا کی پیوندکاری

براؤنڈنٹ فنڈ

خواتین کے لئے شرعی احکام ————— البیہ نظریات احمد متھانوی رحمہ

سکونین کے لیے سربراہانِ اعلیٰ | ایسے سربراہانِ اعلیٰ
بہم زندگیاں | مولانا مفتی محمد شفیع رح

رفستہ سف سف کے آداب احکام

اسلامی قوانین، نکاح، طلاق، وراثت، فضل الرحمن، لال عثمانی

اسلامی قانون بھی، طلاق، وراثت — دھینا اور بیچے کے بارے میں حکم دیتے ہیں۔
 علامہ الفقہ
 من الامام عبد الشکر رحمہ اللہ لکھنوی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

توان از نورانی شمس
مبارکے ادبے حکما

إِلَٰهَ اللَّهِ حَالُ مَرْحُومٍ
مَوْلَانَا مَهْمُومٍ رِشْوَةِ رَاحِدٍ مَحْضُومٍ

فالن در انت
مولانا سید رشید احمد صاحب

دارتشی کی سرپرستی
حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب

الصبح النوری شهر و دوری اعلیٰ — مولانا محمد عتیف لکھوی

دین کی باریں یعنی مسائلِ بہشتی زیور — مولانا محمد شفیع علی مہاتوی ر

ہمارے عائلی مسائل ————— مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب
تاریخ سنہ ۱۳۸۵ھ شریف

تاریخ فقہ اسلامی

معادن الحقائق شرع لشرع الدقائق — مولانا محمد مصطفیٰ لکھنوی

احکام اسلام فصل کی نظر میں — مولانا محمد شرف علی مہاروی مدظلہ العالی

حیلہ ناجزہ یعنی غمروں کا حق مسیح نکاح

رَازِ اِنْسَانِ عَظِيمِ : اردو بازار ۱۰ ایم ای جیل روڈ
کراچی پاکستان ۷۴۶۶۱۸۱

اردو بازار ۵ ایم اے جنارح روڈ
کراچی پاکستان ۲۱۲۶۳۱۸۶۱